فرحت اشتیاق

ہمسفر

مکمل ناول

دوپہر کا وقت تھا۔ سورج سوا نیزے پر تھا اور زمین پر آگ اور تپش برسا رہا تھا۔ رکشے والے کو پیسے دے کر اس نے والٹ واپس ہینڈ بیگ میں رکھا اور اس پانچ منزلہ پر شکوہ بلڈنگ کی طرف گھومی۔ جس کا آرکیٹکچر جدیدیت کا حامل اور بے مثال تھا۔ قیمتی شیشے کے بے تحاشا استعمال کے سبب دور سے دیکھنے پر یوں نظر آتا تھا جیسے وہ پوری بلڈنگ گلاس سے بنی ہے۔ شہر کے قلب میں، شہر کی سب سے اہم ترین کاروباری شاہراہ جہاں آس پاس تمام اہم ترین اداروں کے دفاتر موجود تھے۔ وہاں قرب و جوار میں موجود عمارتوں میں وہ عمارت ایک شان سے سر اٹھائے کھڑی الگ ہی نظر آرہی تھی۔

غرور و تکبر سے کھڑی یہ عمارت اس کے قد سے بہت اونچی تھی۔ اپنی حیثیت اور اس جگہ کی حیثیت کا فرق اس پر پوری طرح واضح تھا لیکن کیا کرتی کہ یہی بیش قیمت شیشوں اور پتھروں سے سجی پر شکوہ عمارت اس کی منزل تھی۔ وہ یہیں سے آئی تھی۔ اسے اس عمارت کے اندر کسی سے ملنا تھا۔ پارکنگ ایریا کو عبور

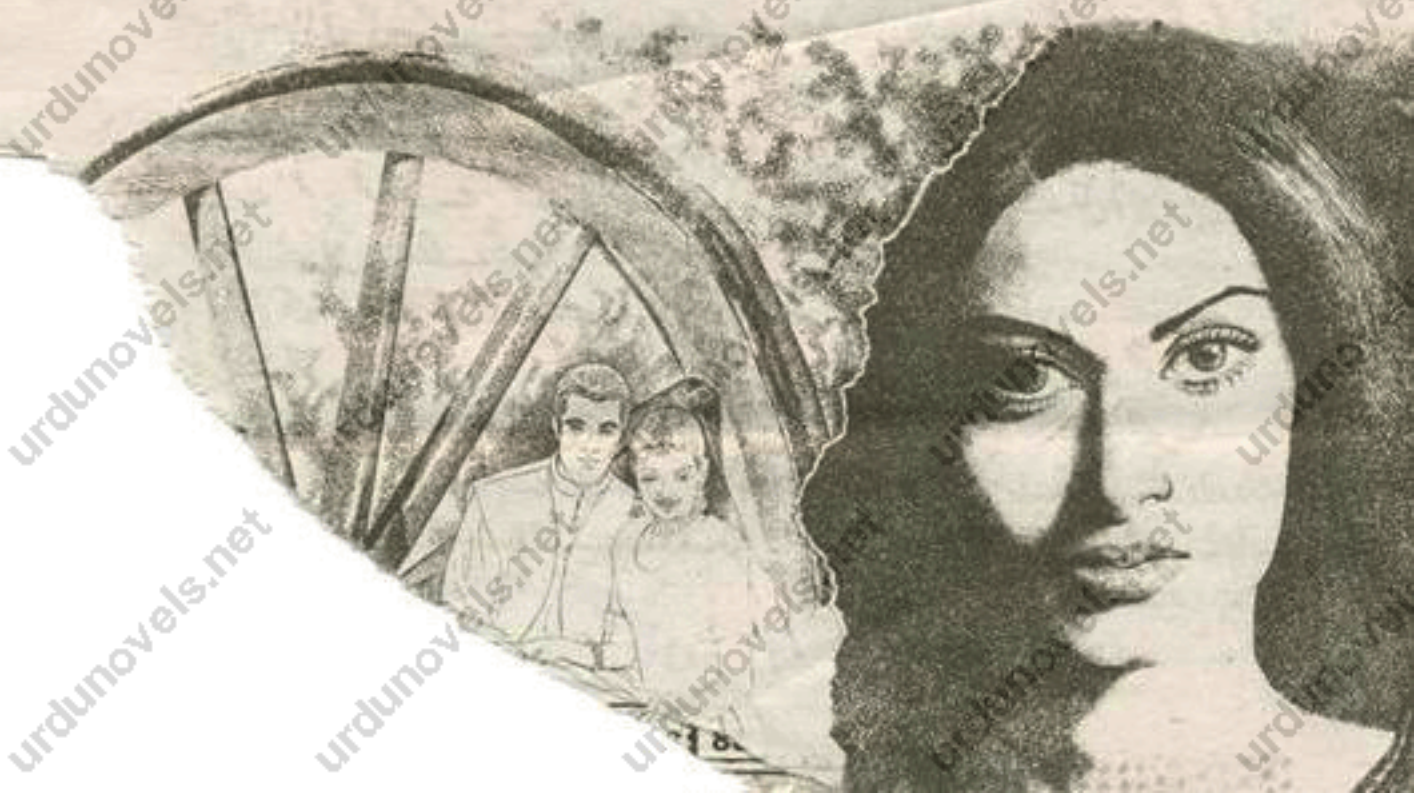

کرتی وہ عمارت کے بالکل قریب پہنچی۔ چار سیڑھیاں چڑھ کے وہ اس شاندار شیشے کے دروازے تک پہنچ چکی تھی جس کے اندر اور باہر باوردی اور مسلح سیکیورٹی گارڈز چوبند کھڑے تھے۔ دروازے کو کھول کر اس نے اندر قدم رکھا۔ وہ یہاں پہلی مرتبہ آئی تھی، اس لیے یہ نہیں جانتی تھی کہ جس سے اسے ملنا ہے، وہ اسے کس فلور کے کس کمرے میں ملے گا۔ چنانچہ گراؤنڈ فلور پر ہی موجود ریسپشن سے اس نے اپنے مطلوبہ شخص کے آفس کی بابت پوچھا۔ وہاں سے دو منٹ میں اپنی مطلوبہ معلومات کے حصول کے بعد اب وہ لفٹ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ لفٹ کے پاس آکر کھڑی ہوئی۔ لفٹ گراؤنڈ فلور پر آکر رکی اور اس میں سے تین مرد اور دو لڑکیاں باہر نکلیں۔ اس نے لفٹ میں قدم رکھا تو اس کے پیچھے دو مرد بھی لفٹ میں داخل ہوئے۔ لفٹ سے نکلتے اور اس میں داخل ہوتے یہ سب مرد و زن اپنی تیاریوں میں کارپوریٹ کلچر کے نمائندہ اور اس ڈریس کوڈ کو فالو کرتے نظر آرہے تھے جو اس شاندار عمارت میں واقع ان کے ادارے کی ڈیمانڈ تھی۔ جس شخص کے یہ تمام لوگ ماتحت تھے جس کے سامنے یہ سب جواب دہ تھے، جو ان کا باس تھا، اس کے ساتھ شرعی اور قانونی لحاظ سے اس کا کیا رشتہ ہے، وہ اسے نہیں سوچ رہی تھی۔ وہ تو فقط اتنا سوچ رہی تھی کہ کہیں ان میں سے کوئی یہ نہ جان لے کہ وہ یہاں کیا کرنے آئی ہے، کیا لینے آئی ہے، کیا مانگنے آئی ہے۔

اولاد کیا چیز ہے، اولاد کی محبت کیا چیز ہے، اس عمارت میں قدم رکھنے سے بھی پہلے جب اس نے خود کو اس شخص سے ملنے پر مجبور پایا تھا، تب ہی سمجھ لیا تھا۔ حالات کے گرداب میں پھنسی تو ساری عقل گم ہو گئی تھی۔ اپنی ذات پر سارا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ ایک زمانے میں بہت شکوے تھے اسے اپنی مرجانے والی ماں سے جس نے اپنے خودداری اور عزت نفس کے پرخچے اور رکھے تھے اور اس کے لیے بارہا اور اس نے اپنی عمر بھر کی ساری خودداری، سب انا و وقار کی باتیں خود ہی مٹی میں ملا دی تھیں مگر ماں سے یہ تمام شکوے تب تک تھے جب تک خود ماں نہ بنی تھی۔ خود ماں بنی تو جان لیا تھا کہ اولاد کی محبت ایسی ہی ظالم چیز ہے جو انسان کو عزت نفس، خودداری، انا جیسے تمام الفاظ ایک پل میں بھلا دیتی ہے اور یہاں وہ خود اپنی انا، عزت نفس اور خودداری کو پامال کر کے، اپنے ہی پیروں تلے کچل کر چلی آئی تھی۔ اگر اپنی بیٹی کی زندگی کے عوض اسے اپنی جان دینا پڑتی، دے دیتی۔ اپنی عزت، اپنی آبرو قربان کرنا پڑتی کر دیتی۔ جان اور آبرو سے تو کم تر ہی چیزیں تھیں۔ انا اور خودداری۔ خود کو بہت کچھ سمجھا، سمجھا کر بہت سوچ سمجھ کر اور ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد وہ یہاں آئی تھی۔ یہ فیصلہ کوئی جذباتی یا لمحاتی فیصلہ نہیں تھا۔ کئی دنوں کے سوچ بچار اور مایوسیوں کے بعد وہ یہاں آئی تھی۔ وہ اس شخص سے مرتے دم تک دوبارہ ملنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس کی شکل دیکھنا تو کیا، اس کا نام بھی جیتے جی دوبارہ کبھی سننا نہیں چاہتی تھی اور آج تقدیر کی بے رحمی، سفاکی کہ وہ خود اپنے پیروں سے چل کر اپنی مرضی سے اس شخص سے ملنے جا رہی تھی۔ اس کے سامنے کوئی اور راستہ ہی نہ تھا۔ وہ کرتی بھی تو کیا۔ تقدیر نے اس کے سامنے جو انتخاب رکھا، وہ کچھ یوں تھا۔

"حریم یا عزت نفس، بیٹی یا انا، جگر کا ٹکڑا یا خودداری؟"

اور ایک ماں کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔

"میری حریم، میری بیٹی، میرے جگر کا ٹکڑا جس کی زندگی، صحت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے صرف انا ہی کیا، میں خود کو بھی بیچ آؤں۔"

مگر بیٹی کی سلامتی کے لیے اپنی عزت و وقار کو پامال کا فیصلہ کر لینے کے باوجود اس عمارت میں پہلا قدم رکھتے ہی اس کے اندر کی عورت چلا چلا کر رونے لگی تھی۔

"کیوں، کیوں، کیوں؟ آخر کیوں جاؤں میں اس

urdunovels.net
2008/2/18 10:26pm

شخص کے پاس۔ آخر کیوں؟ اس نے میری عزت، میری آبرو پر انگلی اٹھائی تھی۔ اس نے مجھے دھتکار دیا تھا پھر کیوں جاؤں میں اس ظالم اور سفاک انسان کے در پر۔ مگر اس عورت کی روتی ہوئی آوازوں پر اس ماں کی آواز حاوی تھی۔ جو اس عورت سے کہہ رہی تھی کہ اپنی بیٹی کی جان کی سلامتی کے لیے اگر اسے اس شخص کی منت بھی کرنی پڑے تو اسے اس سے بھیک بھی مانگنی پڑے تو یہ بھی کر جائے گی۔

وہ لفٹ سے نکل آئی تھی۔ یہ اس بلڈنگ کا ٹاپ فلور تھا۔ کوریڈور بہت کشادہ تھا۔ سفید رنگ کے قیمتی ٹائلز سے مزین فرش یوں جگمگا رہا تھا کہ انسان کو اس میں اپنی شکل تک دکھائی دے جائے۔ دونوں اطراف کئی بند کمرے تھے، ان کمروں کے باہر تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر خوب صورت گملوں میں خوشنما تاثر پیش کرتے ان ڈوریلا نٹس رکھے ہوئے تھے۔ اس فلور پر بظاہر خاموشی اور سکون کا راج تھا مگر یہی وہ فلور تھا جو اس کمپنی کے اختیارات و احکامات کا منبع و مرکز تھا۔ اس فلور پر تمام ڈائریکٹرز اور بورڈ ممبرز کے آفسز تھے۔ یہ پاور فلور تھا اور اس پاور فلور کا بھی جو پاور آفس تھا، وہ پروقار قدموں سے چلتی اس آفس کی طرف جا رہی تھی۔ اس خاموش راہداری میں کہیں کہیں اندر کسی آفس میں بجتی فون کی گھنٹیاں اور کی بورڈ یا پرنٹر کی مخصوص آواز اسے یوں سنائی دے رہی تھی جیسے عالیشان دفاتر کے اندر کھٹا کھٹ نوٹ پیدا ہو رہے ہوں۔ دھڑا دھڑ دولت کے انبار جمع ہو رہے ہوں۔ وہ اب پیرسن اور چیف ایگزیکٹو کے دفتر کے سامنے پہنچ چکی تھی۔ باہر موجود پیون نے اسے اس کے پُراعتماد انداز کے سبب اندر جانے سے روکا نہیں تھا، وگرنہ ایسے لوگوں کو تو شاید اس آفس کے اندر قدم بھی نہیں دھرنے دیا جاتا ہوگا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کا آفس اتنا ہی شاندار ہونا چاہیے تھا۔ بہترین انٹیریئر اور ہر طرح کی جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ اس آفس کے اندر الگ الگ میزوں پر دو خوش لباس اور اچھی سی شخصیت کی حامل سیکریٹریز کام کر رہی تھیں۔ دونوں کی میزیں جدید ترین کمپیوٹرز اور کئی طرح کے جدید ترین ٹیلی فون سیٹس سے مزین تھیں۔ دونوں بیک وقت کمپیوٹر پر بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں اور ساتھ ہی وقتاً فوقتاً بجتی فون کی گھنٹیوں پر بھی دھیان دے رہی تھیں۔

وہ اس ابتدائی مرحلے پر ہی اندر سے خود کو اس جگہ سے بہت زیادہ کم تر محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے دونوں سیکریٹریز کی طرف دیکھا۔ اس کے اندر داخل ہونے کو انہوں نے محسوس نہ کیا ہو، یہ کس طرح ممکن تھا لیکن ان دونوں نے اپنے اپنے کاموں سے سر اٹھا کر اسے دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ ان دونوں جدیدیت کی نمائندہ مغربی وضع کے لباس میں ملبوس خواتین کے انداز میں فخر و غرور نمایاں تھا۔ وہ ان میں سے ایک کی میز کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ٹائپنگ روک کر اسے دیکھا تو ضرور مگر منہ سے کچھ کہنا غالباً مناسب نہیں سمجھا۔

"مجھے اشعر حسین صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
تیرے نام کی شہرت
شازیہ چودھری
قیمت -/150 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

2008/2/18 10:20pm

مضبوط لہجے میں کہا۔

اتنا تو وہ طے کر کے آئی تھی کہ وہ یہاں سر اٹھا کر آئے گی۔ اپنی چال، اپنے انداز، اپنی گفتار کسی بھی چیز سے وہ اپنی کمزوری یہاں کسی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دے گی۔

"آپ کا نام؟ آپ نے اپائنٹمنٹ لے رکھا ہے کیا؟"

واقعی وہ بھول گئی تھی کہ وہ ایک بہت مصروف اور بہت بڑے آدمی سے ملنے جا رہی ہے۔ جس کا وقت بہت قیمتی ہے۔

"میں نے اپائنٹمنٹ نہیں لیا مگر میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے۔ یہ آفیشل نہیں، ایک پرسنل نوعیت کا کام ہے۔ آپ انہیں میرے بارے میں بتا دیں۔ اگر وہ ابھی مصروف ہیں تو میں انتظار کر سکتی ہوں۔"

اس کے دو ٹوک لہجے میں یقیناً" ایسی کوئی نہ کوئی بات اس نخریلی سیکریٹری کو ضرور محسوس ہوئی تھی جو اس نے سر ہلاتے اپنی گردن کو اقرار میں ہلاتے منقش اور بہت مضبوط دروازے کے دوسری طرف بیٹھے اپنے باس کو اس ملاقاتی کی خبر دینے کے لیے انٹر کام کی طرف مڑی۔

"میم! آپ کا نام؟"

"ام حریم۔" اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ بظاہر بہت سادہ اور عام سے انداز میں اپنا تعارف کروایا تھا اور ساتھ ہی دل میں ایک بار پھر خود کو یہ یاد دلایا تھا کہ وہ یہاں خود احسان نہیں، حریم حسین کی ماں کی حیثیت سے آئی ہے۔

"سر! ام حریم نام کی ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ کہہ رہی ہیں کہ آفیشل نہیں کچھ پرسنل اور ضروری کام ہے۔"

"نو سر! اپائنٹمنٹ تو نہیں تھا۔ یس سر۔ جی سر۔ ٹھیک ہے سر۔" وہ خاموشی سے کھڑی سیکریٹری کو عاجزانہ لہجے میں یس سر اور جی سر کی گردان کرتے سن رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں بلائیں گے۔" انٹر کام رکھتے ہوئے سیکریٹری نے کمرے کے دوسرے کونے میں رکھے خوبصورت سے صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ آہستگی سے چلتی ایک صوفے پر ٹک سی بیٹھ گئی تھی۔

ایک.... دو.... تین.... گھڑی میں آگے بڑھتا ہر اگلا سیکنڈ اس کے اعصاب کو توڑ رہا تھا۔ اس کے اندر شدت سے خواہش ابھر رہی تھی کہ اچانک سے کوئی غیبی مدد آجائے۔ اتنی بھرپور کہ اسے اس شخص کی مدد کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔ اس کی حریم ایک دم ہی مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے۔ وہ گردوں کی بیماری سے انجان اور لاتعلق اپنے اندر کی جنگ میں الجھ رہی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹہ بعد اس پاور آفس سے سیکریٹری کو اسے بھیجنے کے لیے پیغام دیا گیا۔

"میم! آپ اندر جا سکتی ہیں۔" اسے پیغام دے کر وہ ابھی ابھی آئے ایک فیکس کو پڑھنے لگی تھی۔ وہ صوفے پر سے اٹھی تو اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔

"ہمت خرد ہمت۔ اپنی بیٹی کے لیے عصرف اپنی بیٹی کے لیے تم اس ذلت سے گزر رہی ہو۔ اس کی زندگی سے زیادہ اہم تو نہیں ہے تمہاری عزت، تمہاری انا، تمہارا وقار۔"

اس نے دروازے کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھائے لیکن وہ ابھی تک جانے اور نہ جانے کی کشمکش میں تھی۔

اچانک ہی Paediatric Surgeon کی پیشہ ورانہ لب و لہجے میں کہی باتیں اس کے اردگرد گونجیں۔

"آپ کی بیٹی کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"اس کی جلد از جلد اوپن ہارٹ سرجری ہو جانا چاہیے۔"

"اگر سرجری میں تاخیر کی گئی تو آپ کی بیٹی کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔"

یہ دوسری آوازیں اس کے حساب میں لیا آئیں وہ
بھول گئی۔ حریم اور اس کی زندگی کے سوا باقی
ہر چیز کے ذہن سے یک لخت ہی محو ہو گئی۔ وہ
اٹھی اور مضبوط دروازے کو کھول کر اس کے
اندر داخل ہو گئی۔

اس عریض اور قیمتی میز کے پیچھے فخر سے
سر اٹھائے وہ شخص بیٹھا تھا۔ اپنی شخصیت کی اثر انگیزی
سے مکمل طور پر اپنے مقام اور مرتبے سے مکمل
آگاہ۔

سیاہ رنگ کی نہایت قیمتی قسم کا اٹالین سوٹ' ڈیزائنر
سلک ٹائی' کف پن اور کف لنکس' دائیں ہاتھ
میں سلور کلر فاؤنٹین پین جس کی مدد سے سامنے میز پر
رکھے کاغذ پر وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ بائیں ہاتھ میں ریسیور جو
کان سے لگا تھا اور چہرے پر کسی سے بڑی مصروفیت کے
عالم میں گفتگو ہو رہی تھی۔

جن کی زندگیاں خوشیوں اور خوش حالیوں سے
عبارت ہوں وقت ایسے لوگوں کو چھوئے بنا گزر جاتا
ہے۔ اس نے سوچا تھا۔

قلم کو میز پر رکھ کر اس نے گفتگو کا اختتام کرتے
ہوئے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے پھر شام میں ملتے ہیں' اوکے۔
اللہ۔" اس پر نظر پڑی تو اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔
اسے دیکھ کر ریسیور ہاتھ میں لیے ایک پل کے لیے تو وہ
بالکل ہی خاموش ہو گیا۔ وہ ایک ایک قدم پر وقار انداز
میں اٹھاتی پورے اعتماد کے ساتھ اس کے میز کے عین
سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ریسیور ایک دم ہی
بڑی قوت سے کریڈل پر پٹخا اور اپنی کرسی سے کھڑا
ہو گیا۔

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ پرسکون لہجے میں
بولی۔

"آپ مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں اور میری
شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ یہ بات میں
جانتی ہوں۔ لہٰذا اپنی انرجی ضائع مت کیجیے۔ میں آپ
سے کچھ ضروری بات کرنے آئی ہوں۔ زیادہ وقت
نہیں لوں گی۔ آپ گھڑی دیکھیے' میں دس منٹ کے
اندر اندر یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

استہزائیہ نگاہوں سے اس کے غصے سے سرخ
چہرے کو دیکھتی وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ وہاں رکھی
کرسیوں میں سے ایک کرسی گھسیٹ کر اطمینان سے
اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے غصے کو ذرا سی بھی اہمیت دیے
بغیر اس نے ہاتھ میں تھامی فائل کھول کر اس میں سے
ایک کلرڈ تصویر نکالی اور اسے میز پر ہاتھ آگے بڑھا کر
اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ میری چار سال کی بیٹی حریم حسین کی تصویر
ہے۔ بدقسمتی سے میری اس بیٹی کو دنیا میں لانے کا
سبب آپ ہیں۔ نہ نہ۔ یہ مت سمجھیں کہ میں آپ
سے اپنے کردار کی کوئی گواہی لینے آئی ہوں کہ آپ
اسے اپنی اولاد مان کر میرے کردار کو سرخروئی عطا فرما
دیں۔ یہاں تو بات ہو رہی ہے میری بیٹی کے باپ کی۔
یہ اس کا بنیادی اور قانونی حق ہے کہ اس کا باپ اسے
اپنی اولاد مانے۔ میری بیٹی بہت بیمار ہے۔ اس کی ہارٹ
سرجری ہونی ہے۔ میرے آپ کے پاس یہاں آنے کا
محض اتنا ہی مقصد ہے کہ میں اپنی بیٹی کو اس کے امیر و
کبیر باپ سے وہ پیسہ دلوا سکوں جو اس کے علاج کے
لیے درکار ہے۔"

اس کا لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے اپنا وہ کرائے کا
چھوٹا سا کمرہ یاد آرہا تھا جس میں اس کی بیٹی نے آنکھ
کھولی تھی' جہاں وہ چار سالوں سے رہ رہی تھی۔ وہ بچی
جس کا باپ ایک بہت امیر آدمی تھا' کتنی محرومی کی
زندگی جی رہی تھی۔

"جب میں آپ کے گھر سے گئی تو تقریباً" پانچ چھ
ہفتوں کی پریگننٹ تھی۔ میرے اس دعوے کا ثبوت
آپ چاہیں تو آپ کو ڈاکٹر طیبہ نادر کے کلینک سے مل
سکتا ہے۔ آپ کے گھر سے جانے کے کافی روز بعد میں
نے اناؤنسی ٹیسٹ وہیں سے کرایا تھا اور
ان کے کلینک سے یقیناً" وہ ساڑھے چار سال پرانا
ریکارڈ آپ کو ضرور مل جائے گا اور یہ رہا میری بیٹی حریم
کا برتھ سرٹیفکیٹ جس پر 30 اپریل 2003ء کو

2008/2/18 10:20pm
urdunovels.net

یعنی آپ کے چھوڑنے کے تقریباً ساڑھے پانچ ماہ بعد میری بیٹی حریم حسین پیدا ہوئی تھی۔ یہ ایک بری میچیور ڈیلیوری تھی۔ اس برتھ سرٹیفکیٹ کے اصلی ہونے میں مجھ شبہ ہو تو آپ اس کی تصدیق کرا سکتے ہیں۔" اس کے لہجے میں طنز زیادہ تھا یا نفرت اسے خود معلوم نہیں تھا۔ بغیر سانس لیے تیز رفتاری سے بولتے اسے کبھی اتنا معلوم تھا کہ اس مغرور اور سفاک انسان کے گیٹ آؤٹ یا گیٹ لاسٹ کہنے سے پہلے پہلے اسے اپنی بات پوری کر لینی چاہیے۔

انتہائی تیز رفتاری سے بات پوری کرتے اس نے حریم کا برتھ سرٹیفکیٹ بھی اس کی تصویر کے اوپر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس نے جس طرح تصویر کو نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا اسی طرح اس برتھ سرٹیفکیٹ کو بھی نہ دیکھا۔ وہ اپنی کرسی کے سامنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے کھڑا تھا۔

"اور یہ رہا میری بیٹی حریم حسین کا بلڈ گروپ۔" اس نے ایک اور کاغذ اس کے آگے دھرا۔ "میری بیٹی کا بلڈ گروپ B+ ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو کہ B+ میرا بلڈ گروپ نہیں' B+ خضر عالم کا بلڈ گروپ بھی نہیں تھا۔ ہاں یہ آپ کا بلڈ گروپ ضرور ہے۔ اگرچہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بلڈ گروپ میچ کر جانا اس بات کی ضمانت نہیں کہ آپ ہی میری بیٹی کے باپ ہیں مگر بلڈ گروپ کا میچ ہونا بہرحال میرے دعوے کے حق میں ایک پوائنٹ بڑھاتا تو ہے۔ آپ بہت قابل اور پڑھے لکھے انسان ہیں۔ یقیناً اتنا تو جانتے ہی ہوں گے کہ بچے کا بلڈ ٹائپ اس کے ماں اور باپ کے بلڈ ٹائپ کا کمبی نیشن ہوتا ہے اور "O" اور "O" کا کمبی نیشن کبھی بھی B+ نہیں ہو سکتا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے بات کر رہی تھی۔

"ویسے جو یہ سب باتیں میں آپ سے اس دوستانہ ماحول میں کر رہی ہوں بذریعہ کورٹ بھی کر سکتی تھی۔ میرا وکیل چاہے جتنا بھی نالائق ہو' کورٹ DNA Paternity test کروانے کا حکم آپ کو دیتی اور پھر فوراً" ہی ساری سچائی کھل کر سامنے آجاتی مگر آپ ایک عزت دار انسان ہیں۔ کورٹ کچہری میں یقیناً آپ کی جگ ہنسائی ہوتی۔ آپ خود تو DNA testing بھی کروالیں۔ مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں۔ بس آپ سے اتنی گزارش ہے کہ جو کچھ بھی آپ کو کرنا ہے۔ براہ مہربانی ذرا جلدی کر لیجیے۔ مجھے اپنی بیٹی کے آپریشن کے لیے پیسوں کی فوری ضرورت ہے۔ وہ شاید زیادہ لمبا انتظار نہ کر سکے۔"

بولتے بولتے ایک پل کے لیے وہ خاموش ہوئی مگر یہ خاموشی بھی بے مصرف نہیں تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل پوری کی پوری میز پر اپنے پہلے رکھے کاغذوں اور تصویر کے اوپر رکھ دی تھی۔

"اس فائل میں میری بیٹی کی تمام ٹیسٹ رپورٹس کی فوٹو کاپیز موجود ہیں۔ آپ کسی بھی ڈاکٹر سے تصدیق کرا سکتے ہیں کہ فوری سرجری کتنی ضروری ہے۔"

بات ختم کر کے وہ ایک جھٹکے سے کرسی پر سے اٹھی۔

"اس پتے پر میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ آپ میرے دعوے کی تصدیق میں میری بیٹی کو دیکھنا چاہیں یا اس کے بائیولوجیکل فادر ہونے کی تصدیق کے لیے DNA testing کے لیے سیمپل کلیکٹ کروانے اسے اپنے ساتھ اپنے کسی قابل بھروسا ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیں تو مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں۔"

فائل کے اوپر اس نے اس چٹ کا بھی اضافہ کر دیا جس پر افشین کی امی کے گھر کا پتا' فون نمبر اور خود اس کا اپنا موبائل نمبر درج تھا۔

"یقیناً مجھ سے مل کر آپ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی ہوگی مگر پھر بھی آپ نے جو مجھے اپنا اتنا قیمتی وقت دیا' اس کے لیے آپ کا بے حد شکریہ۔"

آٹھ منٹ بعد وہ اس کمرے سے باہر تھی۔ سر اٹھا

2008/2/18 10:21:00

کر باوقار اور پراعتماد قدموں سے چلتی ہوئی' وہ بلڈنگ سے باہر نکل آئی۔

جتنی لڑائی اس جگہ آنے کے لیے اس نے اپنے اندر جمع کی تھی' وہ سب باہر قدم رکھتے ہی یوں لگا کسی نے ساری کی ساری نچوڑ ڈالی ہے۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے سڑک کے کنارے بے سمت چلتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اپنی چھوٹی اور بہت بیمار بیٹی کے سامنے ہنستے مسکراتے ہوئے جانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے سب آنسو یہیں انہی سڑکوں پر بہا ڈالے۔

وہ اشعر حسین کے ساتھ اس کی زبان میں طنز اور حقارت سے بات کر کے آئی تھی۔ اپنی تمام تر نفرتوں کے اظہار کے ساتھ لیکن پھر بھی' پھر بھی وہ گئی تو تھی نا اس کے پاس۔ اس کے در پر' بھیک مانگنے' مدد مانگنے' یہ درخواست تو کی تھی نا کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنی بیٹی تسلیم کر لے' اپنی اولاد مان لے اور پھر اس کا حق دے۔ محض آٹھ منٹ اور اکیاون سیکنڈ لگے تھے۔ خرد احسان کی انا' آبرو' وقار اور عزت نفس کو لٹنے اور برباد ہونے میں۔ آج کے بعد وہ کبھی سر اٹھا کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سر اٹھا کر یہاں آئی تھی اور سر جھکائے یہاں سے جا رہی تھی۔ لٹی ہوئی' تباہ حال' خانماں برباد۔

☼ ☼ ☼

وہ اس کے آفس سے جا چکی تھی اور وہ کرسی پر ایک ہی زاویے سے بغیر کسی جنبش کے ساکت بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے سامنے رکھی تصویر تک کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ خرد احسان' اس کے آفس میں؟ اگر اس میں رتی برابر بھی شرم اور غیرت تھی تو اسے زندگی بھر دوبارہ کبھی اس کے سامنے آنا نہیں چاہیے تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ ذلت کے جس شدید احساس میں وہ پچھلے ساڑھے چار سالوں سے زندگی گزار رہا تھا' اس وقت وہ ذلت بھرا احساس مزید کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

"آج کی تمام اپائنمنٹس کینسل کر دیجیے۔ میں کوئی فون کال بھی ریسیو نہیں کر سکوں گا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اشعر کاظم نے اپنی سیکریٹری کو ہدایت کی۔

"لیکن سر آج ساڑھے تین بجے شاہ گروپ کے ساتھ آپ کی میٹنگ ہے اور ابھی مسٹر لغاری کے ساتھ آپ کو لنچ۔۔۔"

"جب کہا ہے کہ تمام اپائنمنٹس کینسل کر دیجیے تو پھر اس میں میٹنگز' لنچ اور باقی سب کچھ بھی شامل ہے۔" اس نے سخت لہجے میں بات ختم کر کے ریسیور بہت زور سے پٹخا تھا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔ وہ غیض و غضب کا زیادہ شکار تھا یا ذلت زیادہ محسوس کر رہا تھا' اسے خود اپنی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔ خرد احسان اس ڈھٹائی اور بے خوفی سے اس کے سامنے آ کر یہاں سے صحیح سلامت واپس بھی چلی گئی اور وہ دیکھتا رہا؟

کیا اعلا تعلیم اور اعلا رتبہ' معاشرے میں باعزت اور نمایاں مقام' انسان کو بے غیرت بنا دیتے ہیں؟" وہ اسے جان سے کیوں نہیں مار سکا۔ اسے جان سے مار کر خود پھانسی چڑھ جاتا تو کم از کم بے غیرتی اور ذلت والی اس زندگی کو جینے سے تو اسے نجات مل جاتی۔

ساڑھے چار سال قبل اس کی وہ بیوی جسے وہ بہت چاہتا تھا' بالکل اچانک اس سے کچھ بھی کہے بغیر کہیں غائب ہو گئی تھی۔ کہاں کمی رہ گئی تھی اس کی محبت میں' اس کی چاہت میں جو وہ اس کے وجود کو یوں اتنی کاری چوٹ پہنچا گئی تھی۔ اسے اس سے کوئی شکایت تھی' وہ طلاق چاہتی تھی تو اپنے منہ سے اس سے یہ بات کہہ دیتی۔ وہ اس کی خوشی کی خاطر اسے باعزت طریقے سے علیحدہ دے دیتا مگر یوں۔۔۔

اسے کتنے عرصے تک تو یہ یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ خرد احسان اتنی نیچ' اور اتنی گھٹیا بھی ہو سکتی ہے کہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر کہیں فرار ہو جائے۔ کیا اس کا نفس اس پر اس حد تک حاوی ہو گیا تھا کہ اسے صحیح اور غلط کی تمیز ہی بھلا گیا تھا۔

2008/2/18 16:21pm

اگر کسی کی بیوی اسے دھوکا دے تو اس کی انا اور غیرت پر چوٹ پڑتی ہے اور اگر کسی کی بیوی جسے وہ بے حد و بے حساب چاہتا بھی ہو جس پر وہ آنکھیں بند کر کے اندھا اعتماد بھی کرتا ہو اس سے بددیانتی کی مرتکب ہو تو اس کا پورا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

وہ اشعر حسین ساڑھے چار سال قبل ایسے ہی ریزہ ریزہ ہو کر بکھرا تھا۔

اس کا حقیقتاً" یہ دل چاہا تھا کہ وہ خرد کو بھی مار ڈالے اور خود کو بھی ختم کر لے۔ مگر اس میں تو اپنی زندگی کو خود اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے کی بھی جرات نہیں تھی۔ سو یہ ذلت آمیز زندگی وہ پھر سے جینے لگا تھا۔

وہ بظاہر زندہ لوگوں جیسے سب کام کرتا تھا۔ کھانا' پینا' دفتر جانا' لوگوں سے ملنا' زندگی کے تمام معمولات وہ نبھا رہا تھا مگر وہ اندر سے ختم ہو چکا تھا' اس کے لب ہنسنا بھول گئے تھے۔

خرد نے جو دھوکا اسے دیا تھا۔ جو درد اسے پہنچایا تھا اس کے بعد اب وہ زندگی میں کبھی کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا اب وہ زندگی میں دوبارہ کبھی کسی سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے اسے تلاش کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر کرتا تو اتنا بااثر اور اتنا طاقت ور تھا کہ اسے پاتال سے بھی نکال لاتا۔

اسے ایک اذیت ناک موت دیتا' اس کی لاش چیل کوؤں کے آگے ڈال دیتا۔ مگر اپنا یہ اثر و رسوخ' یہ طاقت استعمال کرنے کا اس کا دل ہی نہیں چاہا تھا۔ وہ اس کی ناموس اس کی عزت' اس کے وقار کو جو زک پہنچا کر گئی تھی۔ اس کا کوئی بھی جوابی عمل خرد احسان کی دی ہوئی ذلت کے احساس کو مٹا نہیں سکتا تھا۔ اور آج

وہ اس کے آفس میں اس کی میز کے سامنے موجود تھی بڑی بے خوفی اور دیدہ دلیری کے ساتھ۔ اور وہ مٹھیاں بھینچے اپنے اندر سے ابلتے نفرت کے لاوے کو بہہ نکلنے سے روک رہا تھا۔

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پوری قوت سے اسے گالیاں دے۔ وہ اس کے وجود کے ٹکڑے کر دے۔ اور ایسا کر کے وہ اپنے خود اپنا ہی تماشا بنا ڈالتا۔ مگر وہ بزدل تھا۔

ہاں وہ بزدل تھا۔ وہ لوگوں کے سامنے تماشا بننے سے ڈرتا تھا۔ خرد احسان نے آج اس کے سامنے آ کر کہا اس نے کچھ سنا نہیں تھا۔ خرد احسان نے اس کے سامنے کیا کیا دھرا اس نے کچھ دیکھا نہیں تھا۔ اس کے سچے جذبوں' اس کی محبتوں اور چاہتوں کا مذاق اڑانے والی' اس کی عزت کو سر بازار نیلام کرنے والی' بیوی کے نام پر ایک بدنما گالی' وہ عورت کسی ڈھٹائی کے ساتھ خوفی اور کس دیدہ دلیری سے اس کے روبرو کھڑی تھی کوئی ندامت' کوئی اعتراف جرم' یا شرمندگی کا شائبہ بھی اس کی آنکھوں میں نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی شادی اتنے "آناً" فاناً" اور اتنے دلچسپ طریقے سے بھی ہو سکتی ہے ایسا اس نے کبھی تک نہیں کیا تھا۔ ٹھیک ہے ابھی تک اس کی کسی کے ساتھ کوئی کمٹ منٹ نہیں ہوئی تھی۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ وہ خیالوں اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والا کوئی بہت زیادہ رومنٹک انسان نہیں تھا بلکہ ایک حقیقت پسند اور میچیور سوچ رکھنے والا شخص تھا۔ مگر بہت حقیقت پسند اور میچیور سوچ رکھنے والے لوگ بھی تو اپنی زندگی اور شریک زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ آرزوئیں اور خواہشات رکھتے ہیں۔ خرد احسان اس کے شریک حیات کے تصور پر کتنی پوری اترتی تھی۔ یہ تو وہ تب جانتا اگر وہ اسے جانتا ہوتا۔ ایک چھوٹے سے شہر میں رہنے والی پھوپھی زاد کزن جس کا نام تک بھی اسے ڈھنگ سے یاد نہیں تھا۔ جس سے بچپن میں دو' ایک بار سرسری سا ملنے کے بعد وہ دوبارہ کبھی ملا نہیں تھا۔ تقدیر کے پھیر نے اسی گمنام اور اس کی زندگی میں کبھی کوئی اہمیت نہ رکھنے والی اس کزن کو بالکل "آناً" فاناً" اس کی بیوی بنا دیا تھا۔

یہ شادی زبردستی نہیں کروائی گئی تھی۔ اس نے خود اپنی رضامندی سے نکاح کے وقت خرد احسان کو بطور اپنی بیوی قبول کیا تھا۔ نکاح نامے پر دستخط کیے تھے۔ کبھی کبھی محبت بھی انسان کو بے حد مجبور کر دیتی ہے۔ اس کے ڈیڈی بصیرت حسین نے اس پر کوئی جبر نہیں کیا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو شاید وہ انہیں انکار بھی کر دیتا۔ مگر یوں کیسے کرتا کہ انہوں نے تو بڑی بے بسی سے آنکھوں میں آنسو لیے اس نے اپنے بیٹے سے ایک التجا کی تھی۔ ان کی مرتی ہوئی بہن کی اس آخری خواہش کو پورا کر دے۔

"مجھ سے بہت بڑی بھول ہو گئی، اشعر بہت بڑی زیادتی ہو گئی۔ اپنی دنیا میں مگن ہو کر، زندگی کے ہنگاموں میں مصروف رہ کر میں پوری زندگی اپنی اکلوتی بہن سے غافل رہا۔ وہ انا والی تھی، خوددار تھی۔ کبھی اپنی کوئی پریشانی بتاتی نہیں تھی تو مجھے بھی خود سے یہ خیال نہیں آیا کہ کہیں وہ شوہر کے مرنے کے بعد کسی طرح کے فنانشل کرائسس میں تو نہیں۔ میں یہاں لاکھوں کروڑوں میں کھیل رہا تھا۔ اور وہ... میری بہن وہاں زندگی کو نجانے کس کس طرح گھسیٹ رہی تھی۔ شوہر کی بہت معمولی سی پنشن اور اپنی چند ہزار روپے ماہوار والی ملازمت میں وہ کس طرح گزارا کرتی ہوگی، میں نے کبھی پلٹ کر بیوہ بہن اور یتیم بھانجی کی خبر گیری نہیں کی۔ وہ اتنے جان لیوا اور خطرناک مرض میں مبتلا ہو گئی اور میں اپنے بزنس کو آگے سے آگے بڑھانے، کامیاب بزنس ڈیلز کرنے میں مصروف رہا۔ اور اس کی بیماری سے باخبر بھی ہوا ہوں تو اب اب جب کچھ بھی ہو نہیں سکتا۔ اور وہ بھی خود سے بہن کا خیال آنے پر نہیں، بلکہ اس کے بلانے پر، اس کے خود بتانے پر کہ بھیا! میں جا رہی ہوں۔ میرے بعد میری بیٹی دنیا میں تنہا رہ جائے گی۔ اس لیے تمہیں پکار رہی ہوں۔"

وہ بیٹے کے آگے بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ وہ اپنے بہت بہادر اور حوصلہ مند باپ کو یوں ٹوٹا بکھرتا دیکھ کر بالکل چپ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ان کی کیفیات کو سمجھ رہا تھا۔ ان پر ایک ہی وقت میں کئی قیامتیں ایک ساتھ ٹوٹ پڑی تھیں۔ اس کی پھوپھو، ان کی اکلوتی چھوٹی بہن کی زندگی ختم ہونے والی تھی۔ کینسر جیسے خطرناک مرض میں مبتلا تھیں یہ اس بیماری کی آخری اسٹیج تھی۔ ڈاکٹرز انہیں جواب دے چکے تھے۔ وہ اب چند ہفتوں یا بہت سے بہت ایک مہینے کی مہمان تھیں۔

اس کے ڈیڈی اپنی بہن سے اتنی محبت کرتے ہیں یہ اسے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے گھر میں نہ اپنی اکلوتی پھوپھو کو کبھی زیادہ آتے جاتے دیکھا تھا نہ ہی ان کا ایسا کوئی خاص ذکر اپنے گھر میں سنا تھا۔ وہ نواب شاہ میں رہتی تھیں اور مہینوں میں ہونے والی کبھی کبھار کی فون کالز کے سوا ان کا اس کے گھر سے ایسا کوئی گہرا رابطہ نہیں تھا۔ پانچ سال قبل جب اس کے پھوپھا کا انتقال ہوا تھا تب وہ پاکستان میں تھا ہی نہیں۔ ہاں اتنا اس کے علم میں تھا کہ اس کے ڈیڈی ان کے انتقال پر نواب شاہ پھوپھو کے پاس گئے ضرور تھے اور ان کی تدفین میں شرکت کر کے وہ فوراً ہی واپس بھی گئے تھے کہ ان کی لندن کی فلائٹ تھی۔ ایک بہت اہم بزنس ڈیل فائنل کرنے انہیں لندن روانہ ہونا تھا۔ اس کے ڈیڈی نے بڑی محنت سے اپنا یہ شاندار بزنس جمایا تھا۔

وہ کام کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ وہ ایک بہت قابل دیانت دار اور محنتی انسان تھے۔ اپنے کام کو اتنی زیادہ محنت اور لگن سے کرنے کی یہ عادت اس میں اپنے ڈیڈی ہی سے آئی تھی۔ وہ آج ملک کی ایک کامیاب کاروباری شخصیت مانے جاتے تھے۔ مگر اس اور کامیابی کے اس سفر میں آگے سے آگے بڑھنے کی لگن میں وہ اپنے قریبی کچھ ایسے اہم لوگوں کو نظرانداز کر گئے تھے جو ان کی زندگی میں براہ راست شامل نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی زندگی ہی کا ایک حصہ تھے۔

ان کی اکلوتی، چھوٹی اور بیوہ بہن ان کی یتیم بھانجی، جو ان کی محبت اور توجہ کی حق دار تھیں۔ جن کی خبر گیری کرنا ان پر فرض تھا اور وہ اپنے اس فرض سے ارادتاً نہ سہی۔ غفلت برتنے کے مرتکب ہوئے تھے

بہن سے فون پر جب بھی بات ہوتی وہ' یہ سوچ کر شرمندہ ہوتے کہ "میں مصروفیت میں فون کرنا' خیریت معلوم کرنا' بھول جاتا ہوں۔ ہمیشہ وہی فون کرتی ہے۔ ذرا اس ڈیل سے فارغ ہو جاؤں پھر فون کروں گا بلکہ خود نواب شاہ جا کر بہن سے مل کر آؤں گا۔ دو چار روز اس کے پاس رہ کر آؤں گا۔" مگر یہ "پھر" کبھی بھی نہیں آپاتی تھی۔ اس لیے کہ اس ڈیل کے بعد کوئی اور اہم ڈیل' اس ڈیلی گیشن کے بعد کوئی دوسرا ڈیلی گیشن' اس کاروباری سفر کے بعد کسی اور ملک میں کوئی اور اہم کاروباری کام' ایک کام کے بعد دوسرا پہلے سے بھی زیادہ اہم کام تھا۔ جو بہن کے پاس جانے کی راہ میں حائل رہتی۔ وہ بہن سے ملنے جانے کے لیے بھی فرصت' لمبی فراغت کا انتظار کرتے رہے اور وہاں بہن کے پاس فرصت ہی ختم ہونے لگی۔ اس کی پاس زندگی ہی ختم ہونے لگی۔

مہینہ بھر قبل ایک روز بہن نے انہیں فون کر کے اپنی بیماری کی اطلاع دی تھی۔ وہ ہر مصروفیت چھوڑ کر اندھا دھند بہن کے پاس بھاگے تھے۔ اشعر ان کے ساتھ تھا اور وہاں اس نے اپنے ڈیڈی کو جس طرح پھوپھو سے لپٹ کر روتے دیکھا اس سے اسے زندگی میں پہلی بار یہ پتا چلا تھا کہ وہ اپنی بہن سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں۔ بصیرت حسین بہن اور بھانجی کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے تھے۔ زندگی بھر پھوپھو یا ان کی فیملی کی اس کے گھر میں ایسی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ جو اسے ان سے کسی طرح کی محبت یا انسیت ہوتی' مگر اپنے ڈیڈی کو ان سے اتنی زیادہ محبت کرتے دیکھ کر وہ بھی انہیں بہت اہمیت اور احترام دے رہا تھا۔ بصیرت حسین اچھے سے اچھے ڈاکٹروں کے پاس بہن کو لے جا رہے تھے۔ حالانکہ اب اس سب کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہر ڈاکٹر کے پاس وہی جواب تھا جو وہ سب پہلے سے جانتے تھے۔ مرض ان کے جسم میں پوری طرح پھیل چکا تھا۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بصیرت حسین پر بیک وقت دکھ' غم' پریشانی ندامت و شرمساری کئی طرح کی کیفیات طاری تھیں کہ اگر وہ پہلے بہن سے اتنے غافل نہ رہے ہوتے تو اس کی بیماری سے پہلے آگاہ ہو جاتے۔ اس کا بہترین علاج کرواتے' تب ان کی بہن بچ سکتی تھی۔ اور اگر نہ بھی بچتی تب بھی یہ پچھتاوا تو دامن گیر نہ ہوتا کہ انہوں نے' ایک بہت امیر کبیر اور رئیس بھائی نے مالی مشکلات کا شکار اپنی بیوہ بہن کی مالی معاونت نہ کی' اس کا اچھا علاج نہ کروایا۔ زندگی کی مشکلات میں اس کا ساتھ نہ نبھایا۔

وہ بطور رشتے دار اور مہمان ان دونوں کے ساتھ بڑی عزت اور احترام سے پیش آرہا تھا پھوپھو مسلسل بستر پر تھیں۔ وہ کسی اسپتال کے کمرے میں ڈاکٹروں اور نرسوں کے نہیں بلکہ اپنے بھائی اور بیٹی کے قریب مرنا چاہتی تھیں۔

سو بصیرت حسین نے انہیں گھر پر ہی رکھا ہوا تھا۔ چوبیس گھنٹے ایک نرس ان کی خدمت کے لیے رکھی ہوئی تھی۔ آکسیجن سے لے کر دیگر تمام طبی سہولیات کا بندوبست بھی انہوں نے ان کے کمرے ہی میں کر دیا تھا۔ ان کے گھر کا وہ کمرہ کسی اسپتال کے کمرے ہی کی سی شکل اختیار کر گیا تھا۔

بصیرت حسین نے آفس جانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ وہ سارا وقت بہن کے سرہانے بیٹھے رہتے تھے۔ وہ کبھی ہوش میں ہوتیں تو اشاروں میں تھوڑی بہت بات چیت کرتی تھیں اور کبھی بالکل بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ وہ آفس آتے جاتے پھوپھو کی خیریت معلوم کر لیتا تھا۔ مسلسل روتی' کلام پاک کی تلاوت کرتی' نماز پڑھتی یا ماں کی خدمت کرتی اپنی کزن کے لیے اسے افسوس ہوتا مگر صحیح معنوں میں جو فکر اور پریشانی اسے تھی وہ اپنے ڈیڈی کی تھی۔ انہیں یوں ٹوٹا بکھرا اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی دونوں بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ اس سے دو سال بڑی سونا شادی کے بعد اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ آسٹریلیا میں رہائش پذیر تھی۔ اور اس سے تین سال

2008/2/18 10:22pm

چھوٹی کنزیٰ شادی کے بعد اب اسلام آباد میں مقیم تھی۔ دونوں بہنیں چونکہ اپنے اپنے گھروں کی تھیں لہٰذا ماں باپ کا خیال رکھنا اور ان کا دھیان رکھنا وہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا۔ اسے اپنے والدین سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اس کی ممی اور ڈیڈی دونوں اسے والہانہ۔ اس کی ممی فریدہ کی محبت اگر لاڈ پیار کرنے اور نخرے اٹھانے والی محبت تھی تو بصیرت حسین کی ذرا سنجیدہ سی، تھوڑا سا رعب رکھتی ہوئی کچھ ایسی جیسی ایک شہنشاہ اپنے ولی عہد سے کرتا ہے۔ "تمہیں میری جگہ سنبھالنی ہے۔ تمہیں میرے جیسا بننا ہے۔ اپنے آپ کو میرا بیٹا ثابت کرکے دکھانا ہے۔" جیسی بلند توقعات رکھنے والی محبت جس نے اسے ایک متوازن شخصیت کا حامل بنادیا تھا۔

چھ سال امریکہ میں رہ کر وہاں اعلا تعلیم حاصل کرکے وہ چار سال قبل وہاں سے وہ تمام ڈگریاں لے کر لوٹا تھا جو اس کے باپ کی خواہش تھی۔ سو اعلا تعلیم کے حصول کے بعد چار سال قبل جب اس نے اپنے ڈیڈی کی کمپنی کو باقاعدہ جوائن کیا تو خود کو دن رات محنت کرکے گویا باپ کو یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ ان ہی کے جیسا ہے۔

فریدہ کافی عرصے سے اس سے شادی کے متعلق کہہ رہی تھیں کہ وہ انہیں اپنی پسند بتائے اور اگر اس کی کوئی پسند نہیں تو پھر خاندان یا دوستوں کے حلقے میں سے کسی کا انتخاب کرلے۔ ہر ماں کی طرح انہیں بھی بیٹے کی شادی کا بہت ارمان تھا۔ مگر وہ فی الحال شادی کے موڈ میں نہیں تھا۔ ابھی اس کی توجہ صرف اور صرف اپنے کام پر تھی۔ اور سچی بات تو یہ تھی کہ ابھی تک اسے کوئی لڑکی اس حد تک اچھی نہیں لگی تھی کہ وہ سنجیدگی سے شادی کے متعلق سوچتا۔ لیکن سب کچھ ایک طرف یونہی رہ گیا تھا۔

"مجھے پتا ہے اشعر! میں تم پر دباؤ ڈال رہا ہوں مگر میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے بیٹے! میری بہن مر رہی ہے اور مرنے سے پہلے وہ اپنی بیٹی کا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہتی ہے۔ اس نے مجھ سے زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا ہے، میں اس کی یہ خواہش کس طرح پوری نہ کروں؟ اتنی جلدی کوئی لڑکی ڈھونڈ لاؤں تو بہن کو یہ گارنٹی کیسے دوں گا کہ یہ تمہاری بیٹی کی زندگی کا ساتھی بن جائے گی۔ تمہاری بیٹی ہمیشہ بہت خوش رہے گی۔ صرف تمہاری نہیں، اپنے بیٹے ہی کی دے رہا ہوں۔ تمہاری کچھ آرزوئیں، خواہشات اور خواب ہیں میں ان سب کو پامال کر رہا ہوں میں جانتا ہوں مجھے معاف کردو بیٹا! مگر وہ میری بہن مر رہی ہے کا گھر بسا دیکھے بغیر اس کا مستقبل محفوظ دیکھے بغیر مرگئی تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر بیٹے۔"

انہوں نے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ سامنے جوڑ دیے تھے اور وہ بہت بری طرح تھا۔

"آپ اس طرح مت کریں ڈیڈی! آپ طرح کا حق رکھتے ہیں۔ آپ مجھ سے کسی بات لیے التجا کریں، اس سے پہلے میں مر جانا پسند گا۔ آپ مجھے حکم دیں۔ پلیز ڈیڈی، اس طرح مجھے گناہ گار مت کریں۔"

باپ کے بندھے ہاتھوں کو تھامتا وہ بہت شرمندہ بولا تھا، اس پل ہر بات بھلا کر اس کے صرف یہ کہ کیا وہ اتنا برا، اتنا نافرمان بیٹا ہے کہ اس سے منوانے کے لیے اس کے ڈیڈی کو اس کے آگے کرنی پڑ رہی ہے۔ اس کے باپ نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا ہے۔ بس ایک لمحے میں فیصلہ ہوگیا سوچنے، فیصلہ کرنے میں اس سے کہیں زیادہ وقت لوگ اپنے لیے کوئی لباس، کوئی کتاب خریدنے لگا دیا کرتے ہیں۔ جس سے بہت کم وقت میں اسے احسان سے شادی کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا تھا۔ وہ دوستوں کے انتخاب تک کے معاملے میں بے حد تھا اس کے معیار اور اس کی ذہنی سطح سے کم لوگ اس کا دوست نہیں ہو سکتا تھا تو پھر شریک حیات ایک فرمانبردار بیٹے کو اپنے بہت چاہنے والے باپ کی

نبت نے مجبور کردیا تھا ایک ایسے رشتے کو جوڑنے کی حامی بھرنے پر جس میں اس کے دل کی رضا' شامل نہیں تھی۔ ہاں مگر اس "ہاں" کے نتیجے میں اسے یہ فخر ضرور حاصل ہوا تھا کہ اس نے اپنے باپ کو مایوس نہیں کیا' ان کی بات مان کر ان کی خواہش پوری کرکے ایک اچھا اور فرمانبردار بیٹا ہونے کا ثبوت دے دیا۔

بصیرت حسین کے اندر جیسے کسی نے نئی توانائیاں بھر دی تھیں۔ میمونہ کی بیماری کے سبب شادی کی تقریب' منعقد تو گھر پر ہی کی جارہی تھی مگر اس میں انہوں نے کمی کوئی نہیں رہنے دی تھی۔ دور و نزدیک کے اپنے تمام رشتے داروں دوستوں اور ملنے جلنے والوں کو شادی کی اس تقریب میں انہوں نے مدعو کیا تھا۔

سمونا تو اتنی جلدی آسٹریلیا سے آ نہیں سکتی تھی، ہاں کنزیٰ اسلام آباد سے آگئی تھی۔ اکلوتے بھائی کی شادی کے حوالے سے دونوں بہنوں کے بہت سے خواب تھے اور بھائی کی اس طرح کی شادی سے ان دونوں میں سے کوئی بھی زیادہ خوش نہیں تھی۔ مگر جب ان کا بھائی ہی سولہویں صدی کی اس دقیانوسی طرز کی شادی کے لیے برضا و رغبت تیار ہو گیا تھا تو وہ دونوں کیا کہتیں۔

گو شادی گھر کے وسیع و عریض گارڈن میں ہی ہو رہی تھی مگر میمونہ پھوپھو کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ وہاں تک بھی لائی جا سکتیں۔ وہ اپنے کمرے میں بے بسی اور لاچاری کی مجسم تصویر بنی بستر پر لیٹی تھیں۔ ان دونوں کا نکاح ان ہی کے کمرے میں ہوا تھا۔

نکاح کے بعد میمونہ نے بڑی مشکلوں سے اشعر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا اور جب وہ ان کے قریب جا کر جھکا تو انہوں نے اس کے سر دھیرے سے ہاتھ پھیرا' منہ ہی منہ میں محض لب ہلا کر شاید اسے کوئی دعا دینے کی کوشش کی۔ اسے ان کی آنکھوں میں موت ٹھہری ہوئی نظر آرہی تھی۔ مگر موت کی اس موجودگی کے ساتھ اسے ان کی آنکھوں میں بہت سا اطمینان بھی نظر آیا تھا۔

بہن کے برابر میں کھڑی عروسی لباس پہنے پوری طرح دلہن بنی اس کی بیوی زار و قطار رو رہی تھی۔ روایتی شادیوں والے ہر اہتمام اور ہنگامے کے باوجود بھی اس شادی کی تقریب میں موت کی دستک سنائی دے رہی تھی۔

ادھر کھانا ختم ہوا' مہمان رخصت ہوئے۔ سب ہنگامے سرد پڑنا شروع ہوئے' ادھر میمونہ کی حالت بگڑنا شروع ہوئی۔ شاید بیٹی کی فکر ہی میں ان کی سانسیں اب تک چل رہی تھیں۔ ادھر اس کا مستقبل محفوظ ہوتے' اس کا گھر بستے دیکھا ادھر موت کو گلے لگا لیا۔

☆ ☆ ☆

ایک ایسی موت جس کے لیے ہر ایک ذہنی طور پر تیار تھا۔ اس کے واقع ہو جانے نے بصیرت حسین اور خرد دونوں کو غم سے بالکل نڈھال کردیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے روتے رہتے' روتے روتے تھک جاتے تو مرنے والی کی باتیں یاد کرنے لگتے۔ وہ ایک مہینہ پہلے جب ان کے گھر آئی تھی تب سے سارا وقت ماں کے ساتھ لگی رہی تھی اور اب ہر وقت ماموں کے ساتھ لگی رہتی۔ جیسے اس گھر میں وہ اپنے ماموں کے سوا اور کسی کو جانتی ہی نہ ہو۔

ہر وقت مغموم اور سوگوار رہنے والی وہ لڑکی اس کی بیوی ہے اس کے دل میں کبھی یہ سوچ آتی ہی نہیں تھی۔ اس شادی نے اگر اس کے دل کی دنیا نہیں بدلی تھی' اگر خرد احسان کو اس کے لیے اہم نہیں بنایا تھا' تب بھی اس شادی' اس نکاح کی اہمیت کم تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ خرد احسان نام کی اپنی کزن سے چاہے اسے کوئی دلچسپی' کوئی لگاؤ نہیں تھا مگر اب وہ اس کی بیوی تھی۔ یہ ایک بہت بڑی سچائی تھی اور اس سچائی سے منہ نہیں موڑا جا سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

بصیرت حسین نے بہن کی موت کے بعد بیس بچیس دن بالکل خاموشی سے گزارے تھے۔ اور پھر اس کے بعد انہوں نے شادی کی تقریب ہی کی طرح ان کے ولیمہ کی تقریب کا پروقار اہتمام کیا تھا۔ ولیمہ کی

یہ تقریب اپنے انتظام و اہتمام میں شادی کی تقریب سے بھی کہیں بڑھ کر تھی۔

وہ اپنی بہن کو سوچ رہے تھے۔ جس کی روح کو زیادہ سکون اپنی موت کا ماتم منائے جاتے رہنے سے نہیں بلکہ بیٹی کی نئی زندگی کا خوشیوں بھرا آغاز دیکھنے سے ملتا۔ ساتھ ہی وہ اپنے بیٹے کو بھی سوچ رہے تھے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کی خاطر جبرا" اور مجبورا" جس رشتے کو اشعر نے قبول کیا ہے اب آگے بڑھ کر وہ خرد کو دل سے اپنا لے۔ ولیمہ کی اس بھرپور اور شاندار تقریب کے بعد دلہن بنی خرد احسان کو اس کے کمرے میں لایا گیا تھا۔

اس رشتے سے پہلے اور اس رشتے کے بعد اب تک اس نے خرد کو توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس رشتے کو اب تک قبول ہی نہیں کر پایا تھا۔ ایک بالکل انجانی لڑکی جس کے نام کے سوا وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کے کمرے میں اس کی بیوی کی حیثیت سے لا کر بٹھادی گئی تھی۔ لیکن خود کو سمجھا کر اس نے اس انجان اور ناواقف لڑکی کو اپنے ہاتھ سے ڈائمنڈ رنگ پہنائی تھی۔ ایک شوہر کے اپنی بیوی کے ذمہ جو حقوق واجب ہوتے ہیں وہ ادا کیے تھے۔ اور دل میں سوچا تھا کہ شاید اس کی زندگی یونہی حقوق و فرائض کی ادائیگی کرتے گزرے گی۔

اس پہلی شب اس کے اپنے ذہن میں اتنی الجھنیں تھیں کہ جسے اس کی بیوی بنایا گیا ہے وہ کیا سوچ رہی ہے اس کا اسے خیال ہی نہیں آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کے بیل بجانے پر اپارٹمنٹ کا دروازہ افشین کی امی ریحانہ نے کھولا۔ وہ لہاں گئی تھی۔ یہ انہیں نہیں پتا تھا پھر بھی اتنا جانتی تھیں کہ وہ بیٹی کے آپریشن کے سلسلے میں پیسوں کا انتظام کرنے ہی گئی ہوگی۔

"بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو بیٹا؟" اس نے انہیں سلام کیا تو وہ اسے محبت بھری تشویش سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادی۔

"فکر کیوں کرتی ہو خرد! اللہ مسبب الاسباب ہے۔ بہتری کی کوئی نہ کوئی راہ وہ ضرور نکالے گا۔ انشاء اللہ سب کچھ بالکل ٹھیک ہوگا۔ چلو آؤ تم منہ ہاتھ دھو لو، میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔"

"نہیں آنٹی! پلیز آپ آرام کریں۔ ابھی مجھے بھوک نہیں اور میں یہاں کوئی مہمان تھوڑی ہوں جس وقت مجھے بھوک لگے گی، میں خود کچن میں جاکر اپنے لیے کھانا نکال لوں گی۔"

ان کا خلوص اسے ہر بار حقیقتا" شرمندگی سے دوچار کردیا کرتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی سمیت بن بلائے نجانے کتنے طویل قیام کے لیے ان کے گھر آکر پڑ گئی تھی اور وہ صرف یہ بات پیش نظر رکھتے کہ وہ ان کی بیٹی کی بہت عزیز اور بہت پیاری سہیلی ہے، اس پورے خلوص اور چاہت کے ساتھ مہمان نوازی کررہی تھیں۔

افشین اس کی کولیگ کے ساتھ اس کی دوست اور غم گسار بھی تھی۔ بہت برے حالات میں ملنے والی وہ ایک بہت اچھی دوست تھی۔ ایسی دوست جس سے اس کا کوئی پردہ نہیں تھا جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ بارہا روئی تھی۔ حریم کے علاج کے لیے مالی تنگی کا شکار ہونے پر، آپریشن کے لیے کہیں سے بھی پیسوں کا بندوبست نہ ہوسکنے پر اس کے دل میں پہلی بار یہ خیال بھی افشین ہی نے ڈالا تھا کہ وہ اشعر حسین سے اپنی بیٹی کے باپ سے جاکر ملے۔ بیوی کے پریگننٹ ہونے کی خبر نے اس کے دل میں رحم، ہمدردی، ترس کچھ نہیں جگایا تھا مگر کیا خبر اپنی بیٹی کے وجود سے آشنا ہوکر اس کے دل میں خرد کے لیے نہ سہی، حریم کے لیے ہی ایک نرم گوشہ پیدا ہوجائے۔ مگر اس نے صاف انکار کردیا تھا۔ لیکن بہت جلد ہی ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد جب اسے اپنی اوقات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوا اور یہ تلخ حقیقت اس کے سامنے آکھڑی ہوئی کہ ہارٹ سرجری تو بہت دور کی بات ہے اس سے پہلے ہی بیٹی کے علاج کے لیے اپنے چھوٹے سے شہر سے اس بڑے شہر آنے میں، ایک اچھے

کارڈیالوجسٹ کے پاس اس کی بیماری کے علاج کا انتظام
کرنے میں، مہنگے مہنگے تمام ٹیسٹ کروانے اور بہت
سی ادویات خریدنے ہی میں اس کی تمام جمع پونجی
ختم ہو چکی ہے۔ ہاں کھانا پینا افشین کی بدولت
مفت تھا۔ ایک مناسب قسم کی فرم میں اس کی معقول
جاب تھی۔ سیلری ایسی تھی جس میں اس کا اور اس کی
بیٹی کا اچھا گزارا ہو جایا کرتا تھا مگر اس پرائیویٹ فرم میں
ملازمین کو میڈیکل کی مفت سہولیات فراہم کیے جانے
کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ اس نے میتھس، فزکس اور
اسٹیٹسٹکس کے ساتھ گریجویشن کر رکھی تھی اور
اسے فرم کے اکاؤنٹس کے شعبے میں ڈھائی سال
قبل کوششوں کے بعد ملازمت ملی تھی۔ اس سے
پہلے وہ ایک اسکول میں پڑھا رہی تھی اور گھر پر
سیکنڈری کلاسز کے بچوں کو ٹیوشنز دے رہی تھی۔ یہ
جاب اسے افشین کی وساطت سے ملی تھی۔ وہ وہاں
پہلے سے جاب کر رہی تھی اور اسی نے خرد کے لیے
اپنی فرم میں کوشش کی تھی۔ اس جاب سے ملنے والی
سیلری، اسکول کی سیلری سے بدرجہا بہتر تھی پھر گھر پر
اس کی ٹیوشنز تو ساتھ ساتھ چل ہی رہی تھیں۔ لہٰذا
ان ماں بیٹی کا گزارا اچھی طرح ہو رہا تھا۔

جب تک حریم بیمار نہ پڑی تھی۔ وہ اپنی ملازمت
سے مطمئن بھی تھی اور ہر ماہ اپنی تنخواہ سے کچھ نہ کچھ
حریم کی تعلیم کے لیے، اس کے مستقبل کے لیے پس
انداز بھی کر لیا کرتی تھی۔ حریم کے آنے والے کل اور
اس کی تعلیمی ضروریات کے لیے اس کے پاس ابھی
سے پیسے جمع ہونے شروع ہو جائیں۔ اس مقصد کے
لیے اس نے ایک دو لیٹیاں بھی ڈال رکھی تھیں۔ اس
کا بوجھ بانٹنے کو اس بچی کا باپ اس کے ساتھ کہیں
نہیں تھا۔ ایسی غیر معمولی اور شاندار کوئی ڈگری اس
کے پاس نہیں تھی کہ اسے کہیں کسی ایگزیکٹو پوسٹ
پر جاب مل جاتی۔ ذہین بہت تھی مگر ہاتھ میں صرف
ایک بی ایس سی کی ڈگری تھی۔ مزید یہ کہ کسی بڑے
تعلیمی ادارے کے نام اور مہر سے آراستہ اضافہ جو ہر بڑی
فرم کا دروازہ اس پر کھول دیتے، اس کے پاس نہ تھے

وہ روزانہ صبح سے شام تک آفس میں اور شام سے
رات تک گھر آرٹیکلز میں بے تحاشا محنت کرتی
تھی، تب کہیں جا کر اتنے پیسے کما پاتی تھی کہ اپنی بیٹی کو
اچھا لباس، اچھی خوراک اور اچھی تعلیم فراہم
کر سکے۔

اس کا خواب تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو بہت اچھی اور بہت
اعلا تعلیم دلائے گی۔ اتنی اچھی کہ کل خدانہ کرے
زندگی اسے کسی آزمائش میں ڈالے تو وہ کسی اشعر
حسین کے ٹھکرا دینے پر دربدر نہ ہو۔ اور اب زندگی
اس کے لیے ایک بار پھر نئی آزمائش لیے چلی آئی۔ اس
کی بیٹی بہت شدید بیمار پڑ گئی تھی اور اس کی اس بیماری
کی وجہ بھی وہ خود ہی تھی۔ پریگننسی کے دوران اس
کی گری صحت، مشکلات، اور غموں کے باعث اس کی
بیٹی پری میچور اور بہت زیادہ کمزور اور بیمار پیدا ہوئی
تھی۔

اشعر حسین کے گھر سے رسوا ہو کر نکلنے کے بعد وہ
اس بڑے شہر سے نکل کر واپس اپنے اسی چھوٹے سے
شہر میں لوٹ آئی تھی، جہاں وہ پیدا ہوئی اور پلی بڑھی
تھی۔

ایک کرائے کے مکان سے یہاں سے گئی تھی۔ تو
اب جب ماں باپ تھے، نہ ان کا چھوڑا کوئی مکان۔ میکے
کے نام پر ایک جھونپڑی جٹنا آسرا بھی اسے میسر نہیں
تھا مگر دنیا میں جہاں بہت برے لوگ موجود ہیں، وہیں
بہت اچھے لوگ بھی ہیں۔ یہاں اس کے اپنے اس شہر
میں محدود آمدنی میں انتہائی سادہ اور بہت عام سی لوئر
مڈل کلاس زندگی گزارتے وہ چند سادہ و مخلص لوگ بھی
اللہ نے اسے عطا کر دیے تھے جو اس کٹھن وقت میں
اس کے کام آئے تھے۔

اس کی شادی سے قبل ان کے پڑوس میں رہنے
والی بتول بانو جن کا خاندان اور اس کے بابا کا خاندان
تقسیم سے قبل انڈیا میں ایک ہی محلے میں برسوں
ساتھ رہتے آئے تھے اور تقسیم کے وقت ایک ساتھ
ہی ہجرت کی تھی اور پھر بعد میں ایک ساتھ ہی نواب
شاہ میں ایک ہی محلے میں رہائش اختیار کی تھی۔ رشتے

2008/2/18 10:23pm

بھوکے ماتھے پر اپنے لیے ناگواری کی شکن نظر بھی آتی تو اس کے لیے وہ انہیں ہرگز بھی قصوروار نہیں سمجھتی تھی۔ شوہروں کی لگی بندھی تنخواہ اور محدود آمدنی میں ایک اضافی مہمان کا بوجھ آخر مزید کتنے دنوں تک اٹھایا جاسکتا تھا۔

اس تحائف کے ختم ہونے اور کسی کے بھی نگاہ بدلنے سے پہلے اسے اپنی اور اپنی بچی کی زندگی کے بارے میں سوچنا تھا۔ زندہ رہنے کی خواہش ہو یا نہیں مگر اسے اپنی بیٹی کے لیے زندہ تو رہنا تھا اور اس ننھی سی بچی کو زندگی کی ہر بنیادی چیز کی ضرورت تھی۔

اس نے ایک اسکول میں ملازمت کرلی تھی اور بتول بانو کے گھر مفت رہنے کے بجائے ان ہی کے گھر کے ایک نسبتاً الگ تھلگ کمرے میں کرائے دار کی حیثیت سے رہنے لگی تھی۔ وہیں اس اسکول میں ملازمت کے دوران اس کی افشین سے دوستی ہوئی تھی۔

اس کا بیٹا خرد کی کلاس میں پڑھتا تھا اور بچے کو اسکول چھوڑنے، لینے آنے اور پیرنٹس میٹنگ وغیرہ کے دوران ہی دھیرے دھیرے وہ اس کے قریب آگئی تھی۔ خرد سے عمر میں چار، پانچ سال بڑی وہ لڑکی بہت مخلص اور سادہ مزاج کی تھی۔ وہ گھر کے اخراجات میں شوہر کا ہاتھ بٹانے اور تعاون کرنے کے لیے خود بھی ملازمت کرتی تھی۔

بتول بانو کے بعد افشین ہی وہ واحد ہستی تھی جو ہر مشکل میں اس کی مدد کے لیے تیار رہا کرتی تھی۔

اسے لگتا تھا زندگی میں جتنی آزمائشیں آنی تھیں آچکیں۔ جتنے امتحان آنے تھے آچکے۔ اب وہ اور اس کی بیٹی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر پوری زندگی ہنسی خوشی گزار لیں گے۔ مگر نہیں، زندگی کے ترکش میں خرد احسان کو آزمانے کے لیے ابھی کئی تیر موجود تھے۔

حریم پونے تین سال کی ہونے والی تھی جب اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کی محنت اور کوششوں کی بدولت حریم کا وزن اپنی عمر کے لحاظ سے بڑھنے تو لگا ہے، وہ بظاہر تندرست بھی لگتی ہے مگر بظاہر کسی بیماری کے نہ ہونے کے باوجود بھی وہ اپنے ہم عمر بچوں کے مقابلے میں کسی بھی کام کو کرتے جلدی تھک جاتی۔ تھوڑی سی دیر کھیلنے یا بھاگنے سے ہی اس کی سانس طرح پھول جاتی۔ کافی دیر تک پھر اس کی سانس ہموار نہ ہو پاتی۔ اس کی بیٹی پیدائشی طور پر بہت کمزور ہے باقی کوئی مسئلہ نہیں" خود کو یہ اطمینان دلاتے اس نے پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر اس کی خوراک اور آرام کا خیال رکھنا شروع کردیا مگر تھوڑے ہی دنوں میں حریم بھاگنے اور کھیلنے کودنے ہی سے نہیں حریم زندگی کے دوسرے کاموں سے بھی اسی طرح بہت جلد تھکنے اور نڈھال ہونے لگی۔ تب اسے حقیقتاً" تشویش لاحق ہوئی۔

بری طرح پریشان ہوتے وہ فوراً" ہی حریم کو لے کر ایک اچھے چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس پہنچی۔ ڈاکٹر نے کچھ ٹیسٹ کروائے، دوائیں دیں۔ اس نے وہ دوائیں حریم کو استعمال کروانی شروع کردیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر نے چند وزٹس کے بعد اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنی بچی کو کسی اچھے کارڈیالوجسٹ کو دکھائے۔ وہ ڈاکٹر کے منہ سے یہ بات سنتے ہی کانپ گئی تھی۔ وہ ایک کارڈیالوجسٹ کے پاس حریم کو لے کر پہنچی تھی۔ انہوں نے حریم کا تفصیلی چیک اپ کرنے اور ای سی جی، چیسٹ ایکسرے، ایکو، ایکسر سائز ٹیسٹنگ وغیرہ سے لے کر کئی طرح کے بلڈ ٹیسٹ وغیرہ کرنے کے بعد جو انتہائی خوفناک خبر اسے سنائی، وہ یہ تھی کہ اس کی بیٹی کے دل میں پیدائشی طور پر ایک نقص موجود تھا۔

وہ یہ سنتے ہی کانپ کر رہ گئی تھی۔ اس کارڈیالوجسٹ نے حریم کو کراچی کے کسی اچھے کارڈیالوجسٹ کے پاس لے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ یہاں بچوں میں دل کے امراض اور خاص طور پر پیدائشی دل کے امراض کے علاج کے لیے وہ سہولیات موجود نہیں تھیں جو اسے کراچی میں کسی بڑے ہاسپٹل میں مل سکتی تھیں۔ وہ اس شہر میں نئی

2008/2/18 10:24pm
urdunovels.net

جائے گی' کہاں رہے گی' کیا کرے گی' اس کی پریشانی اور بے بسی دیکھ کر افشین اس کے ساتھ کراچی آئی تھی۔ وہاں اس کا میکہ تھا۔ اس کی والدہ اور سب سے چھوٹی غیر شادی شدہ بہن اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں رہتی تھیں۔ وہ سب ٹیسٹ' جو وہاں جدید سہولیات کی عدم دستیابی کے سبب ہونے سے رہ گئے تھے' وہ سب یہاں ہوئے تھے اور ان تمام کی رپورٹس دیکھنے کے بعد کارڈیالوجسٹ نے جو بات بتائی وہ اس کے حواس گم کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس کی بیٹی کے دل کا نقص ایسا تھا کہ سرجری کے علاوہ اس کا دوسرا اور کوئی علاج نہیں تھا۔ وہ پوری جان سے کانپ گئی تھی۔ اس نے کوئی دعا اور کوئی منت نہ چھوڑی تھی کہ اس کی بیٹی کے دل کی چیر پھاڑ کی نوبت ہی نہ آئے۔ اللہ کچھ ایسا معجزہ کردے کہ بغیر سرجری کے صرف دواؤں ہی سے اس کی بیٹی تندرست ہوجائے۔

وہ حریم کی بیماری کا الزام خود کو دے رہی تھی جو بات اسے حریم کے تین' سوا تین سال کا ہونے پر پتا چلی' وہ اس سے قبل کیوں نہ پتا چل پائی۔ اس کی بیٹی پیدائشی طور پر ایک نقص لیے بیمار دل کے ساتھ زندہ تھی اور وہ اس کی ماں ہو کر اس بات سے لاعلم تھی۔

اس کے نواب شاہ سے کراچی اور کراچی سے نواب شاہ مسلسل چکر لگ رہے تھے۔ ریحانہ کا گھر یہاں اس کی عارضی قیام گاہ تھا۔ اس کی جاب متاثر ہو رہی تھی۔ اس کے بینک میں جمع شدہ رقم تیزی سے ختم ہو رہی تھی مگر زندگی میں بہتری کے کہیں کوئی آثار پیدا ہوتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

پہلی مرتبہ اس نے آپریشن کے اخراجات کی بابت ڈاکٹر سے استفسار کیا۔ کراچی آنے جانے کے ان چکروں اور کارڈیالوجسٹ کے پاس متواتر وزٹس اور ٹیسٹوں اور ادویات جیسے ان عام میڈیکل اخراجات ہی نے اسے نڈھال کردیا تھا تو پھر ہارٹ سرجری' اچھے ڈاکٹروں تک رسائی اور بہترین علاج؟

"کسی بھی CONGENITAL HEART DEFECT کی سرجری صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں یہاں تک کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی اتنی ہی مہنگی ہے۔"

اسے اس آپریشن پر آنے والے خرچ کے بارے میں بتاتے ہوئے کارڈیالوجسٹ نے پیشہ وارانہ انداز میں کہا تھا۔

اب تک تو صرف بیٹی کی صحت کی فکر تھی' صرف یہی پریشانی تھی کہ اس کی بیٹی کب اور کیسے ٹھیک ہوگی۔ تو اب یہ سوچ کر ہوش گم ہو رہے تھے کہ اس سرجری کے لیے درکار اتنی خطیر رقم وہ لائے گی کہاں سے؟ بتول بانو جتنی بھی اچھی اور محبت کرنے والی ہوں مگر ان بے چاری کے حالات تو ایسے بھی نہیں تھے کہ وہ چند ہزار روپے بھی کسی کو ادھار دے سکیں اور افشین جو اس سے بہت مخلص اور بہت محبت کرنے والی دوست تھی' اتنی خطیر رقم اسے ادھار دینا اس کی استطاعت سے بھی باہر تھا۔

آفس سے مدد ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حریم کی بیماری اور پھر اسے ڈاکٹروں کے پاس کراچی لانے لے جانے میں اس کی آفس سے جتنی زیادہ چھٹیاں ہونے لگی تھیں' اس پر جو کچھ اسے اپنے منیجر سے سننے کو ملتا تھا' وہ یہ سمجھانے کے لیے کافی تھا کہ اس کے مالکان اس کی کارکردگی سے ناخوش ہیں۔ اس کی بیٹی کی بیماری ان کا مسئلہ نہیں۔ انہیں اس سے وہی سو فیصد کارکردگی چاہیے جو وہ پہلے دیتی رہی ہے۔

☆ ☆ ☆

"تم اشعر سے کیوں نہیں مل لیتیں۔ اس سے ملو اور کہو کہ یہاں وہاں چیریٹی میں واہ واہ کروانے کے بجائے اپنی بیٹی کے علاج کے لیے پیسے دے۔ جو فرض ہے پہلے وہ تو ادا کرلے' ان نفلی عبادات کا نمبر تو بہت بعد میں آئے گا۔"

اس کی پریشانی اور بے بسی دیکھ کر افشین نے ایک روز اسے یہ مشورہ دیا تھا۔

"اشعر؟" اس نے طنزیہ حیرت سے افشین کو دیکھا۔ "وہ حریم کو اپنی اولاد نہیں مانتا تو اس کے علاج

urdunovels.net
2008/2/18 10:25pm

کے لیے۔"

افشین نے بے ساختہ اس کی بات کاٹی اور سنجیدگی سے بولی۔ "بیوی کے پریگننٹ ہونے کی اطلاع پانے پر اور اولاد وہ بھی بیٹی کے وجود سے آشنا ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے خرد!"

"ہاں مگر تب جب انسان بیٹی کو اپنی اولاد مانتا ہو۔ جب میں اس کے ساتھ دن' رات رہتی تھی' تب سے قابل اعتبار نہ لگی تھی تو اب جب ساڑھے چار سال اس سے بالکل دور گزار دیے ہیں۔ کیا اب وہ میرا اعتبار کرے گا؟"

"تم کوشش تو کرو۔"

کیا کوشش کروں افشین انسانیت سے عاری اس بے رحم اور ظالم انسان کے در پر پھر پہنچ جاؤں۔ اس سے رحم کی بھیک مانگوں؟"

"تم اس سے رحم کی بھیک نہیں مانگو گی خرد! تم اس سے حریم کا وہ حق مانگو گی جو اسے دینا اس کے باپ پر فرض ہے۔" افشین رسانیت سے اسے سمجھا رہی تھی جبکہ وہ چہرے پر ناگواری اور غصے کے تاثرات لیے بیٹھی تھی۔

"وہ اگر انکار بھی کر دے' تب بھی کل تمہارے پاس یہ پچھتاوا تو نہیں رہے گا۔"

افشین کے سمجھانے پر اس وقت وہ بالکل چپ رہی تھی۔

مگر جب پیسوں کا بندوبست ہوتا کہیں سے بھی کسی بھی طرح نظر نہ آیا تو پتا چلا اب جو آخری رستہ بچا ہے' وہ سیدھا اشعر حسین تک پہنچتا ہے۔ حریم اس کی کل کائنات تھی۔ وہ یہ آخری کوشش اپنی زندگی کے لیے' اپنی کائنات کے لیے' اپنی بیٹی کے لیے' اپنی حریم کے لیے کرنا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کے آفس میں گھپ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ رات ہو چکی تھی مگر اسے وقت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ دفتر کب کا بند ہو چکا تھا۔ سب اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔

شام ساڑھے چھ بجے اس کی سیکریٹری اور چپڑاسی اس کے آفس میں آئے تھے اور اس نے دروازے سے ہی انہیں لوٹا دیا تھا۔

اس کا پورا وجود جیسے کسی نے جلتے الاؤ میں انگار ڈال دیا تھا۔ بالآخر رات دو بجے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ٹیبل کی میز پر خرد احسان کی رکھی گئی وہ فائل اور اس فائل کے نیچے دبی وہ تصویر اور چند کاغذات سب کچھ یونہی ان چھوئے پڑے تھے۔ اس نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ مرے مرے قدموں سے چلتا اپنے آفس سے باہر نکلا۔ رات دیپ پورا فلور ہی کیا' پوری بلڈنگ ویران ہو رہی تھی۔ سوائے وہاں موجود سیکورٹی گارڈز کے کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔

وہ گاڑی میں آ کر بیٹھا تو گاڑی اسٹارٹ کرتے اس کی نظر آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر پڑی۔ اپنی بے تحاشا سرخ ہوتی آنکھوں میں اسے وحشت ہی وحشت بھری نظر آئی۔ یہ وحشت صرف اس کی آنکھوں میں نہیں' اس کے پورے وجود بلکہ اس کی زندگی میں سرایت کر چکی تھی۔ آج سے نہیں ساڑھے چار سالوں سے۔ اس کی آنکھوں میں چھائی یہ وحشت اس وقت کوئی دیکھ لیتا تو بری طرح ڈر جاتا۔

اس کا اپنے گھر جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ بے مقصد یونہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے رہنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت دنیا کے کسی بھی فرد سے ملنا' بات کرنا نہیں چاہتا تھا مگر پھر بھی اس نے گاڑی اپنے گھر کے ہی راستے پر ڈالی ہوئی تھی۔ اس گھر میں اس کی ایک ماں بھی تھیں جو پچھلے کئی گھنٹوں میں اسے کئی بار فون کر چکی تھیں۔ وہ یقیناً" اس کے لیے پریشان تھیں۔

پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ طویل روش کو عبور کرتا گھر کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھا تو دروازہ کھلنے کی آواز پہلے ہی سنائی دے گئی۔ سامنے ہی وہ کھڑی تھیں۔ اس کی گاڑی کے اندر آنے کی آواز سن کر وہ ادھر آئی تھیں۔ ان کے چہرے پر پریشانی بکھری

2008/2/18 10:25pm

اشعر کو گھر واپس آتے دیکھا اور پھر باقی رات اس کے کمرے کی جلتی لائٹ کو دیکھتی رہی تھیں۔ اس نے انہیں سخت مضطرب کیا تھا۔

وہ ماں تھیں اور بیٹے کی زندگی کی یہ ویرانی اور اس کی یہ خود اذیتی ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

"میں ناشتہ کر چکا ممی!" ان کے پکارنے پر مڑے بغیر اس نے جواب دیا اور پھر تیزی سے ڈائننگ روم سے باہر نکل گیا۔ آفس جانے والے راستے پر گاڑی دوڑاتے وہ اپنی ماں کو ہی سوچ رہا تھا۔ وہ انہیں کیسے بتاتا کہ اسے ذلتیں بخشنے والی وہ عورت جس نے اس کا انسانوں پر سے اعتبار ہی اٹھا دیا ہے۔ کل کس بے خوفی اور ڈھٹائی سے اس کے آفس میں اس کے روبرو آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پچھلی زندگی کی بات کرتی ہیں اور وہ عورت تو آج اس کی زندگی میں مزید نجانے کیا تباہی اور کیا ذلت لانے پھر چلی آئی ہے۔

☼ ☼ ☼

بورڈ روم میں اس سمیت کمپنی کے تمام ڈائریکٹرز' سینئر مینجمنٹ اور ایگزیکٹو موجود تھے۔ کمپنی کی فنانشل اسٹریٹجی کے حوالے سے یہ میٹنگ اس کی بلائی ہوئی تھی۔ میٹنگ سے سات روز قبل اس نے تمام ڈائریکٹرز مینجمنٹ اور ایگزیکٹو کو اس کا ایجنڈا بھجوا دیا تھا اور اب اپنی ہی بلائی ہوئی اس میٹنگ میں تمام ڈائریکٹرز اور ایگزیکٹو کے چہروں کو بے دھیانی سے دیکھتا وہ یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آج کی اس میٹنگ کا ایجنڈا کیا ہے۔ وہ ایک بہت اچھا اور کامیاب کانفرنس لیڈر تھا۔ کسی بھی میٹنگ اور کانفرنس میں ڈسکشن کس سمت میں اور کتنی رفتار سے آگے بڑھنا چاہیے' اس چیز پر اس کا مکمل کنٹرول رہتا تھا۔ وہ کسی کو یہ احساس نہ ہونے دیتا کہ اسے ضرورت سے زیادہ اہمیت ملی ہے۔ اس کی بات اور اس کے مشوروں کو باقی سب پر ترجیح دی گئی ہے اور نہ کسی کو یہ احساس ہونے دیتا کہ وہ کسی دوسرے کے مقابلے میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ مگر آج اس کا دھیان کسی بھی طرف نہیں تھا۔ رضوان ہمدانی چارلس اور گرافکس کی مدد سے نجانے اسے اور باقی سب کو کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اپنی آنکھیں بے توجہی سے اس پر مرکوز کیے اسے پریزنٹیشن دیتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن پر کل اپنے آفس میں تماشا کرنے والی وہ عورت اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکنے والی اپنی خاموشی' اپنی بے غیرتی طاری تھی اس کے علاوہ اور کوئی بات اس کا ذہن سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ اسے نیند آ رہی تھی مگر وہ جان بوجھ کر کمپیوٹر کے سامنے جم کر بیٹھا کچھ زبردستی کا نکالا ہوا غیر اہم سا کام کر رہا تھا۔ وہ روز کی طرح بیڈ پر ایک میگزین لے کر بیٹھی۔ اس کے اوراق پلٹ رہی تھی۔ روز یہی سب ہوتا تھا' اس لیے وہ جانتا تھا کہ وہ میگزین پڑھ نہیں رہی ہوتی بلکہ کمرے کی لائٹ بند ہونے کا انتظار کیا کرتی ہے تاکہ سونے کے لیے لیٹ سکے۔ ایک مہینے کی اپنی اس شادی شدہ زندگی میں خود سے سوائے چند انتہائی مختصر جملوں کے کوئی بات نہ کرنے والی اس کی یہ گونگی بیوی اس کی برداشت کا امتحان تھی۔

وہ گونگی' مٹی کی مادھو ٹائپ ایسی لڑکی تھی کہ اکثر اوقات اس پر شدید قسم کی کوفت طاری ہو جاتی۔ آخر وہ کس قسم کی لڑکی تھی' باپ کی خاطر اس نے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا لیکن ایک دم ہی اس انجان لڑکی کو اپنی بیوی کی حیثیت میں قبول کرنا' اسے اپنے بیڈ روم میں صبح' شام دیکھنا' وہ اس چیز کو دل سے قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ حقوق و فرائض سارے ادا ہو رہے تھے مگر ان لمحات کے سوا باقی اوقات میں اس کے ساتھ بیٹھنا' وقت گزارنا' باتیں کرنا' اس کے ساتھ کہیں باہر آنا جانا' وہ ابھی اس سب کے لیے خود کو آمادہ نہیں کر پایا تھا۔

صبح سے شام تک وہ آفس میں مصروف ہوتا تھا اور اس کے بعد بھی فورا" گھر آنے کے بجائے جم چلا جاتا۔ کبھی سوئمنگ' کبھی ٹینس' کبھی دوستوں کے ساتھ

یونہی چپ شپ۔ اس زبردستی کی شادی سے پہلے بھی اس کی یہی مصروفیات تھیں اور اب بھی اس نے اپنی مصروفیات تبدیل نہیں کی تھیں۔ پہلے بھی رات کا کھانا اگر باہر کہیں مدعو نہ ہوتا یا دوستوں کے ساتھ کوئی اور پروگرام نہ ہوتا تو وہ گھر پر ماں' باپ کے ساتھ ہی کھانا پسند کیا کرتا تھا۔ اب بھی رات کا کھانا زیادہ تر وہ گھر پر کھایا کرتا تھا اور صبح کے بعد رات کے کھانے کے وقت ہی اس کی اپنی نئی نویلی بیوی سے ملاقات ہوا کرتی تھی جس میں وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔

اس کی آواز انہوں نے بہت ہی کم سنی تھی۔ وہ باقی وقتوں کی طرح کھانے کے وقت بھی چپ بیٹھی رہتی۔ بصیرت حسین اس سے باتیں کرتے رہتے' جس بات کے جواب کی ضرورت ہوتی' وہ اس کا جواب دیتی' ورنہ خاموشی سے محض مسکرانے پر اکتفا کرتی۔ وہ اس کی بیوی تو بنادی گئی تھی مگر ایک چھوٹے سے شہر کی اس انیس بیس سالہ کی لڑکی کی سوچ اور خیالات بھلا کس سطح کے ہو سکتے تھے۔ ایک محدود سوچ اور معمولی ذہنی سطح کی لڑکی اس کی بیوی بنادی گئی ہے۔ اس سے کسی گفتگو کے نتیجے میں یہ تلخ حقیقت جاننے سے کہیں بہتر یہ تھا کہ وہ کمرے میں آنے کے بعد سونے سے پہلے اپنے لیے کوئی نہ کوئی دلچسپی ڈھونڈ لے۔ بیڈ روم میں آنے کے بعد وہ بجائے اس کی طرف متوجہ ہونے کے کبھی کوئی کتاب لے کر بیٹھ جاتا' کبھی ٹی وی پر اپنی پسند کا کوئی پروگرام دیکھنے لگتا' کبھی کسی دوست سے فون پر گپ شپ کرنے لگتا' کبھی کمپیوٹر پر آفس کا کوئی ادھورا کام اور کبھی یونہی نیٹ پر وقت گزاری کرتا۔ اگر صرف اس کے ظاہر کی بات کی جاتی تو وہ اچھی خاصی خوش شکل لڑکی تھی۔ حالانکہ بالکل سادہ رہا کرتی تھی۔ لباس بے شک عمدہ اور فیشن کے مطابق پہنتی تھی مگر میک اپ اور جیولری سے بے نیاز رہتی تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بال جن کی وہ چوٹی گوندھے رکھتی تھی' بہت لمبے اور بہت گھنے تھے۔ ان بالوں کی نرماہٹ اس نے محسوس کی تھی اور جب کبھی وہ نہا کر نکلتی' تب انہیں کھلا ہوا بھی دیکھا تھا۔ کم از کم اپنے جاننے والیوں میں اس نے اتنے لمبے اور خوب صورت بال کسی کے نہیں دیکھے تھے۔ اس کا قد دراز اور سراپا انتہائی متناسب تھا مگر یہ سب چیزیں انسان کو وقتی طور پر آسودہ کر سکتی ہیں مگر ان کے سہارے زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی۔

وہ اپنی بیوی کو اپنے جیسی ذہنی سطح کا حامل دیکھنا چاہتا تھا جس کے ساتھ وہ اپنی سوچیں' اپنے خیالات سب کچھ شیئر کر سکے اور یہ کم عمری ڈری سہمی لڑکی کسی طرح ایسی نہیں لگتی تھی۔ اگر وہ ضرورت سے ہٹ کر اس سے کوئی فالتو بات نہیں کرتا تھا تو وہ بھی اسے مخاطب نہیں کرتی تھی۔

وہ جتنی دیر ٹی وی' کتاب' کمپیوٹر یا ٹیلی فون پر مصروف رہتا' وہ اتنی دیر بیڈ پر جس طرف وہ لیٹا ہوتا تھا' اس طرف بیٹھ کر میز پر رکھے میگزینز میں سے کوئی سا میگزین اٹھا کر اس کے اوراق پلٹتی رہتی۔ وہ جو بھی کام کر رہا ہوتا جیسے ہی اسے ختم کر کے لائٹ بند کرنے اٹھتا' وہ بھی فوراً" ہی میگزین بند کر کے سونے لیٹ جاتی۔ کتنی بار اس نے دیکھا کہ وہ میگزین کے صفحے پلٹتی منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائیاں روک رہی تھی' اس کی آنکھوں میں نیند بھری ہوتی مگر اسے شدید ترین کوفت کا احساس ہوتا کہ اس نے کبھی ایک بار بھی اس سے یہ نہیں کہا کہ "لائٹ بند کر دو' مجھے نیند آ رہی ہے۔"

مٹی کی مادھو بنی' گم صم بالکل چپ وہ ایسے بیٹھی رہتی کہ اسے اس کی اس مظلومانہ سی چپ سے شدید چڑ ہونے لگتی۔ اس نے چڑ کر کمرے کی لائٹ کسی نہ کسی بے مقصد کام کو طول دے کر مزید دیر تک جلائے رکھنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ایک رات جب اس نے یہ دیکھا کہ وہ لیٹر پیڈ اور قلم ہاتھ میں لیے شاید کسی کو خط لکھ رہی ہے' تب صرف اسے بولنے پر اکسانے کے لیے اس نے انتہائی بدتمیزی کا ثبوت دیتے ہوئے کھڑاک سے لائٹ بند کی اور بے نیازی سے بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ تب بجائے اس کی اس بدتمیزی پر اسے

2008/2/18 10:27pm
urdunovels.net

کہنے کے اس نے خاموشی سے لیٹر پیڈ اور قلم سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے تھے اور خود بھی فوراً ہی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی اور اس رات اسے حقیقتاً اس لڑکی پر رشک آیا تھا۔

خوشی سے یا ناخوشی سے، بہرحال وہ اسے اپنی بیوی بنا چکا تھا۔ مگر جسے اس نے اپنی بیوی بنایا، وہ اپنی بے چاری قسم کی دیوانہ اور احساس کمتری میں مبتلا لڑکی تھی کہ اسے اپنے حقوق کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اگر تھی تو انہیں حاصل کرنے کا اعتماد پاس نہیں تھا۔ حدود سے تجاوز کر کے اپنی مشرقی اقدار کے اندر رہتی بولڈ اور کونفیڈنٹ لڑکیاں اسے متاثر کرتی تھیں۔ یہ گم صم، احساس کمتری میں مبتلا لڑکی اس کے کسی بھی معیار پر تو پوری نہیں اترتی تھی۔

اس کی اپنی کوئی مرضی، کوئی خواہش جیسے تھی ہی نہیں۔ وہ رات میں اس کی طرف متوجہ ہو تو ٹھیک، وہ لیٹتے ہی کروٹ دوسری طرف کر کے سو جائے تو بھی ٹھیک۔ اس کے بڑھے ہاتھ کو اس نے کبھی جھٹکا نہیں تھا اور خود سے کبھی اس کی طرف ہاتھ بڑھایا نہیں تھا۔

وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ برابری کے درجے پر رکھتا، برابری کی سطح پر کھڑا کرتا مگر سامنے والا اس برابری کی خواہش تو ظاہر کرتا۔

☆ ☆ ☆

ان کی اس عجیب و غریب اور ابنارمل شادی شدہ زندگی کو ڈیڑھ مہینہ ہو رہا تھا۔ جب اس رات اس پر ایک انتہائی مختلف قسم کا انکشاف ہوا۔ وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ باہر ڈنر کر کے آج رات روزانہ سے کچھ دیر سے آیا تھا۔ فریدہ کسی پارٹی میں گئی ہوئی تھیں۔ البتہ بصیرت حسین گھر پر تھے۔ وہ باپ سے ملنے ان کے کمرے میں آیا تو اندر سے آتی اپنی گونگی ماموں کی آواز اور گفتگو میں اپنا ذکر سن کر وہ دروازے پر ہی رک گیا۔

"ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے ماموں! امی نے میرے ساتھ اور آپ نے اپنے بیٹے کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ ہر انسان کی اپنی پسند، ناپسند، اپنی مرضی، اپنی خواہش ہوتی ہے۔ کہیں سے کوئی لڑکی اٹھا کر کسی کے سر پر مسلط کر دی جائے کہ یہ ہے تمہاری بیوی، اب تمہیں اسی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں۔"

پہلے سے کیا بات ہو رہی تھی، وہ نہیں جانتا تھا۔ ہاں جو بھی بات اس کے ڈیڈی نے کہی تھی اس کے جواب میں اپنی گم صم اور خاموش بیوی کی یہ بات اس نے ضرور سنی تھی۔

اسے بولنا آتا ہے؟ یہ اتنے مکمل اور واضح جملے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟

وہ حیرت میں گھرا دروازے کے باہر کھڑا سوچ رہا تھا۔

"میں شعر کی نہیں، تمہاری بات کر رہا ہوں بیٹا! مجھے لگتا ہے تم اس رشتے سے خوش نہیں۔"

اس کے ڈیڈی اپنی اس بھانجی سے کتنی شدید محبت کرتے ہیں۔ وہ بخوبی جانتا تھا، تب ہی ان کے اس سوال کا خرد نے جو جواب دیا، وہ اس سے بری طرح بوکھلا گیا۔

"میں اس رشتے سے خوش نہیں ماموں! اس کے سامنے گونگی بنی، وہ اس کے باپ سے کیا کہہ رہی تھی۔ وہ خوش نہیں، یہ کہہ کر تو اس نے سیدھا سیدھا اپنی ناخوشی کا سارا الزام اس کے سر تھوپ دیا تھا۔ اس کا دل چاہا، وہ اس لڑکی کو جا کر ایک ہاتھ جڑ دے۔ اس کے باپ کے سامنے وہ اسے کیسا مجرم بنا رہی تھی۔

"میں اس رشتے سے خوش کیسے ہو سکتی ہوں ماموں! امی نے میرے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کیا اور آپ نے ان کی بات مان کر اچھا نہیں کیا۔ کیا میں آپ کی بہو نہ بنتی تو یہاں آپ کے گھر میں نہیں رہ سکتی تھی؟ اس شادی کے بغیر بھی تو میں آپ کے آپنے سگے ماموں کے پاس رہ سکتی تھی۔ آپ ماموں کے رشتے سے تو میرے سرپرست بن سکتے تھے پھر یہ زبردستی کا رشتہ کیوں؟ مجھے اچھا نہیں لگتا ماموں! کہ میں کسی کے اوپر زبردستی مسلط کی گئی ہوں۔ میں زبردستی کسی کی

زندگی میں شامل ہو گئی ہوں۔ آپ کو پتا ہے بتول خالہ، امی، بابا سے میرے بارے میں کیا کہتی تھیں۔ "بڑے نخرے ہیں تمہاری بیٹی کے۔ دس بار اسے منت سماجت کر کے گھر بلاؤ تو ہزار نخروں سے ایک بار آتی ہے۔" میں بن بلائے کبھی کسی کے گھر نہیں گئی تھی اور آج بن بلائے کسی کے گھر میں نہیں، کسی کی زندگی میں گھس گئی ہوں۔ مجھے بہت انسلٹنگ لگتا ہے یہ سب۔ وہ آپ کی خاطر اس زبردستی کے رشتے کو خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں مگر میرا فخر، میری عزت نفس تو اس سوچ کے ساتھ ہی بری طرح ہرٹ ہوتی ہے کہ میں زبردستی کسی کے سر پر مسلط کی گئی ہوں۔"

پھوپھو کے انتقال کے بعد کے اس تمام عرصے میں وہ اس کے ڈیڈی کے بہت قریب ہو گئی ہے یہ تو وہ جانتا تھا، اکثر اس نے اسے بصیرت حسین کے ساتھ ان کی اسٹڈی یا ان کے کمرے میں بیٹھے بھی دیکھا تھا مگر یہ بے تکلفی اور دوستی اتنی زیادہ ہے، یہ اندازہ اسے بہرحال ابھی ابھی ہی ہوا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی ابھی ابھی ہی پتا چلا تھا کہ جسے وہ دبو اور احساس کمتری کی ماری بے چاری قسم کی لڑکی سمجھتا ہے، وہ اتنے کونفیڈینس کے ساتھ، اتنے مربوط اور واضح انداز میں بات بھی کر سکتی ہے۔ اپنا نکتہ نظر، اپنی سوچ بھی واضح کر سکتی ہے۔ بصیرت حسین کے ساتھ اس کا بات کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے کسی بے تکلف دوست سے بات کی جاتی ہے۔ اپنی بات کے اختتام تک آتے اس کی آواز بھرا ضرور گئی تھی مگر لہجہ پر اعتماد تھا۔

اندر مزید کیا گفتگو ہو رہی ہے یہ سنے بغیر وہ خاموشی سے وہاں سے واپس لوٹ گیا تھا۔ شاید بصیرت حسین نے خرد سے "وہ اس شادی سے خوش ہے؟" جیسا کوئی سوال کیا ہو گا اور اس سوال کے جواب میں یہ تمام گفتگو ہو رہی تھی۔

بیٹے کو ایک بار جذبات کا سہارا لے کر مجبور کر کے اپنی بات منوانے کے بعد اب وہ اس سے کچھ بھی کہہ نہیں پا رہے تھے۔ تو اس کے اور خرد کے رشتے کے اجنبیت کے تاثر کو ختم کرنے کے لیے بھابی ہی سے بات کرنے لگے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا اس پر بیک وقت کئی طرح کے انکشافات ہوئے تھے۔ پہلا یہ کہ وہ احساس کمتری کی ماری اور دبو نہیں وہ بولنا جانتی ہے۔ اس سے [illegible] رہتی ہے تو اس کا سبب احساس کمتری نہیں احساس ہے کہ وہ اس کے سر پر زبردستی مسلط کر دی گئی ہے۔

ایمانداری سے اس نے اپنا اور اس لڑکی کا تجزیہ کیا تو احساس ہوا کہ اس کے ایسا سوچنے کی وجہ خود اس کے رویے ہیں۔ اس ڈیڑھ مہینے میں وہ لاشعوری طور پر اپنے ہر انداز سے اسے یہ باور کرا رہا ہے کہ وہ زبردستی اس کے گلے پڑی ہے۔ زبردستی اس کی زندگی میں گھسی ہے۔ اس نے بغیر اسے جانے، بغیر اس سے کوئی گفتگو کیے اسے چھوٹے شہر کی محدود سوچ رکھنے والی، اپنے سے کم تر ذہنی سطح کی لڑکی تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن جو لڑکی فخر اور عزت نفس کی بات اس انداز میں کر رہی تھی وہ کم تر اور معمولی کیونکر ہو سکتی ہے؟ باوقار اور خوددار لوگ اچھے لگا کرتے تھے۔ جس فخر میں عزت نفس کا احساس نہیں وقار نہیں، وہ انسان بھی کوئی انسان ہے۔ کمرے کی لائٹ جل رہی ہے، بجھ رہی ہے۔ وہ اس کے پاس آ رہا ہے یا نہیں آ رہا۔ ان میں سے کسی بھی بات پر اگر وہ کچھ نہیں بولتی تھی تو اس لیے کہ اس نے ابھی تک ان میں سے کسی بھی چیز پر اپنا حق سمجھنا شروع ہی نہیں کیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ کمرے میں آئی تو روز ہی کی طرح بالکل خاموش تھی۔ وہ اس پر کچھ بھی ظاہر کیے بغیر خاموشی سے ٹی وی دیکھتا رہا تھا۔ مگر ان کی ڈیڑھ مہینے کی اس شادی شدہ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب اس کی توجہ ٹی وی یا کسی بھی اور دوسری چیز پر نہیں بلکہ پوری طرح اس پر مرکوز تھی۔ اس کی نگاہیں بظاہر ٹی وی اسکرین پر تھیں مگر وہ کن انکھیوں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور یہ اس رات سے اگلی ہی رات کی بات تھی

urdunovels.net
2008/2/18 10:29pm

2008/2/18 10:30pm

اس کا دایاں ہاتھ جو اس نے تھاما ہوا تھا اسے ذرا زور سے کھینچ کر اس نے ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر اپنے برابر لٹا لیا۔

"پھوپھو کو یاد کر کے رونا آرہا تھا۔ اس لیے کمرے سے اٹھ کر جارہی تھیں؟" دل میں چاہے ہمدردی تھی مگر لہجہ اس کا غصیلا تھا۔

"آپ کی نیند خراب ہوتی۔۔۔"

"میری نیند خراب ہوتی ہے یا نہیں آئندہ رات میں آپ کو رونا ہو یا ہنسنا ہو، سونا ہو یا جاگنا ہو۔ آپ کمرے سے اٹھ کر کہیں نہیں جائیں گی۔"

غصے سے کہتے اس نے بے دھیانی میں اس کے چہرے پر بکھرے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں سے صاف کیا۔ اس کے غصے سے بھرے لہجے کے ساتھ اس کا یہ انداز بڑی اپنائیت لیے ہوئے تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بصیرت حسین کے ساتھ جتنی زیادہ بے تکلف ہو چکی تھی۔ اس کے اور فریدہ کے ساتھ اتنی ہی محتاط تھی۔ خاص طور پر اپنے ساتھ تو اسے یوں لگتا جیسے وہ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتی ہے۔ وہ اس کے ڈیڈی کے ساتھ بے تکلفی سے دنیا جہان کی باتیں کر رہی ہوتی اور اگر وہ بھی وہاں جا کر بیٹھ جاتا وہ ایک دم یوں چپ ہو جاتی جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ اندر ہی اندر جھنجلا جاتا تھا۔

ہفتہ دس دن قبل خرد کی اور اپنے ڈیڈی کی جو گفتگو اتفاقیہ طور پر اس نے سن لی تھی۔ اس کے بعد اس کا خیال تھا کہ بصیرت حسین اس سے خرد کے متعلق ضرور بات کریں گے۔ مگر ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس سے ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے۔

ہاں وہ خود خرد کو بہت زیادہ وقت دیتے تھے۔ ان تینوں کی ہمیشہ اپنی اپنی مصروفیات رہی تھیں۔ بصیرت حسین کے لیے ان کا کام اگر بہت اہمیت کا حامل تھا۔ تو فریدہ بھی بہت مصروف اور بامقصد زندگی گزارنے کی

رات میں گہری نیند سوتے سوتے اس کی آنکھ کسی کی دبی دبی سسکیوں کی آواز سے کھلی۔ خرد کی کروٹ کی طرف تھی۔ اسے اس کا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ کندھے ہولے ہولے لرزتا اس کا جسم بتا رہا تھا کہ وہ بری طرح رو رہی ہے۔ وہ آنکھیں کھولے خاموشی سے لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ بیڈ پر سے اٹھنے لگی ہے۔ وہ پہلے بھی تین چار بار اس کے رونے سے رات میں یونہی جاگ گیا تھا اور پھر اسے یونہی ہلکی آواز میں روتے ہوئے بیڈ پر سے اٹھ کر ڈریسنگ روم یا باتھ روم جاتے بھی دیکھتا رہا تھا۔ مگر اس نے کبھی خرد پر ظاہر نہ کیا تھا کہ وہ جاگا ہوا ہے۔ لیکن آج جیسے ہی وہ بیڈ پر سے اٹھنے لگی اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے سے روک لیا۔ اسے جاگا ہوا دیکھ کر وہ بہت بری طرح گھبرا گئی۔ اپنے دوسرے ہاتھ سے اس نے جلدی جلدی آنسو صاف کرنے کی کوشش کی۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اپنے لہجے کی گھبراہٹ پر قابو پاتے وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"کچھ نہیں ہوا؟ تو کیا آدھی رات کو یونہی شوقیہ رو رہی ہو؟" وہ اس کے بلاوجہ بات کو چھپانے پر جھنجھلایا تھا۔ "میں نے کچھ کہا ہے؟ میری کوئی بات بری لگی ہے؟"

"مجھے میری امی یاد آرہی ہیں۔ میں نے ابھی انہیں خواب میں دیکھا ہے۔" اس کی آنکھوں سے پھر آنسو گرنے لگے تھے۔

میمونہ احسان اس کی پھوپھی تھیں۔ ان کے ساتھ اس کا ایسا کوئی خاص محبت کا رشتہ نہیں تھا نہ ان سے کوئی جذباتی وابستگی جو ان کی موت کا صدمہ اتنے سارے دنوں بعد بھی اس کے لیے تازہ ہوتا مگر اس لڑکی کے لیے لڑکی کی وہ ماں تھیں، پہلی بار اس نے اس لڑکی کے لیے ہمدردی اور نرم دلی سے سوچا تو احساس ہوا کہ وہ واقعی بہت دکھی اور بہت تنہا ہے۔ اس سے صرف اس کی ماں ہی نہیں، اس کا گھر، اس کی اپنی زندگی سب کچھ چھن گیا ہے۔

قائل تھیں۔ وہ اپنی ایک این جی او چلا رہی تھیں۔
مگر اب اس نے نوٹ کیا تھا کہ بصیرت حسین نے اپنی مصروفیات خاصی محدود کردی تھیں۔ وہ آفس سے بہت جلدی گھر واپس آجایا کرتے تھے اور اس کے بعد کا سارا وقت پھر ان کا اپنی بھانجی کے ساتھ گزرتا تھا۔
اس روز بھی وہ آفس سے کہیں اور جانے کے بجائے شام سات بجے سیدھا گھر آگیا تھا۔ بصیرت حسین تو کچھ بھی ہو جائے شام چار، ساڑھے چار بجے دفتر سے اٹھ جایا کرتے تھے۔ وہاں سے انہیں اپنی بھانجی کے پاس گھر واپسی کی جلدی ہوتی تھی۔ وہ خیر جلدی تو نہیں اٹھ سکا تھا، ہاں اپنے معمول کے برخلاف وہ آفس سے سیدھا گھر ضرور آگیا تھا۔ لیکن گھر آتے ہی یہ دیکھ کر اس کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا کہ وہاں اس کے استقبال کو نوکروں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔
ان کی ملازمہ نور افزاء نے اسے بتایا کہ فریدہ کسی سیمینار میں شرکت کے سبب دیر سے گھر آئیں گی اور اس کے ڈیڈی اور خرد کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ بہت خراب موڈ کے ساتھ وہ لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا۔ پون گھنٹے بعد وہ دونوں واپس آئے تھے۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر آتے وہ نہیں جانتی تھی کہ وہاں وہ بیٹھا ہے۔ اسی لیے کسی بات پر خوب زور زور سے بولتے اور ہنستے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ مگر اندر گھستے ہی جو اس پر نظر پڑی تو لب بھینچ کر فوراً "یوں سنجیدہ ہو گئی جیسے وہ کوئی اجنبی ہے۔ جو اس کے گھر میں آیا بیٹھا ہے۔
"ارے واہ، آج تو بہت بڑے اور بہت مصروف لوگ بھی جلدی گھر واپس آگئے ہیں۔"
بصیرت حسین نے یہ بات مذاقاً کہی تھی مگر اسے یوں لگا جیسے وہ اس کے روز دیر سے آنے پر طنز کر رہے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئے تھے مگر خرد بجائے لاؤنج میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کے سیڑھیوں کی طرف غالباً "بیڈ روم میں جانے لگی تھی۔ اس کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔ حالانکہ ایک ہی نظر میں وہ یہ دیکھ چکا تھا کہ آج اپنی مشہور زمانہ دقیانوسی طرز کی چوٹی بنانے کے بجائے اس نے بالوں کو پیچھے لگا کر ایک ڈھیلی ڈھالی سی پونی کی شکل دے رکھی ہے۔ وہ پونی اس کی پشت پر بکھرے وہ سیاہ ریشمی بال بہت خوب صورت لگے تھے۔
"تم کہاں چلیں؟ ہمیں اچھی سی چائے تو پلاؤ۔ کیوں اشعر، خرد کے ہاتھ کی بنی چائے پینی ہے؟ چائے واقعی بہت مزے کی بناتی ہے۔"
وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموش بیٹھا رہا۔ خرد فوراً ہی چائے بنانے کچن میں چلی گئی تھی۔ اسے کیا بات بری لگ رہی ہے۔ وہ خود نہیں سمجھ پا رہا تھا۔
وہ چائے کی ٹرے لے کر آئی تو وہ اسے نظر انداز کیے بصیرت حسین سے بزنس کی بات چیت میں مصروف رہا۔ خرد نے چائے میں شکر ملا کر پہلا کپ بصیرت حسین کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے کپ تھام لیا تو دوسرے میں بغیر شکر ملائے کپ اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ یعنی وہ جانتی تھی کہ وہ کس طرح کی چائے پیتا ہے۔ لیکن اس نے اس کا کپ اس کے ہاتھ میں کیوں نہیں پکڑایا۔ میز پر کیوں رکھا۔ وہ کیا کوئی جن بھوت ہے، جو وہ یوں اس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ اس کی عادتوں کی خبر ہے، وہ اس کی سب باتوں کا دھیان رکھتی ہے۔ اس بات پر خوش ہونے کے بجائے چائے کا کپ اپنے ہاتھ میں نہ پکڑانے پر جھنجھلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

اسے اس کے ایک دوست نے ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔ یونہی دوستوں کی گیٹ ٹوگیدر تھی۔ آفس سے گھر واپس آنے کے بعد اس نے خرد سے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔
"میں۔۔۔؟" اس حیرت میں حیرت کم اور انکار زیادہ چھپا تھا۔
"ہاں تم۔۔۔ کیوں تمہیں میرے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض ہے؟" اس نے ابرو اچکا کر اسے قدرے رعب سے دیکھا۔
"نہیں۔۔۔" وہ منمنائی۔

2008/2/18 10:30pm
urdunovels.net

"آدھے گھنٹے بعد ہمیں جانا ہے۔ جلدی تیار ہو جاؤ۔" وہ وارڈ روب کھول کر پریشان سی کھڑی تھی۔ اور وہ اسے اس پریشانی میں گھرا چھوڑ کر نہانے گھس گیا تھا۔

اس کے بارے میں اس کے ابتدائی بہت سے اندازے غلط تھے۔ اگر وہ بہت خاموش رہتی تھی، بہت سادہ رہتی تھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اسے گفتگو کا، محفلوں میں شرکت کا، موقع کی مناسبت سے اچھی طرح تیار ہونے کا سلیقہ نہیں۔ اس نے ہلکا سا میک اپ کیا تھا۔ شام کی تقریب کے لحاظ سے لباس اور زیورات کے انتخاب میں بھی اس کا ذہن نمایاں تھا۔ وہ تیار ہو کر ڈریسنگ روم سے باہر نکلا تب وہ بالوں کو برش کر کے غالباً انہیں کسی نہ کسی انداز میں باندھنے کی تیار کر رہی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی تیار ہونے میں؟ رہنے دو بس ایسے ہی۔ جلدی نیچے آؤ، دیر ہو رہی ہے۔"

گاڑی کی چابی اور موبائل اٹھا کر وہ رعب سے کہتا فوراً گھر سے باہر نکلا۔ یہ اس سے کہنا تو کیا خود اعتراف کرنا بھی گویا انا کا مسئلہ تھا کہ اسے اس کے کھلے بال اچھے لگ رہے تھے۔ وہ اس کے بارعب لہجے اور عجلت بھرے انداز کو دیکھتی بالوں کو کھلا چھوڑ کر ہی اس کے پیچھے آگئی تھی۔ بالوں کی بیچ کی مانگ نکال کر انہیں دونوں طرف سے کانوں کے پیچھے کیا ہوا تھا تاکہ بالوں کی لٹیں چہرے پر آکر الجھن میں مبتلا نہ کریں۔ اگر ستائشی نگاہوں سے اس نے اسے دیکھا بھی تھا تب بھی منہ سے تعریفی ایک جملہ تو کیا، ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔

یہ اس کے قریبی اور خاص دوستوں کی محفل تھی اور وہاں سب ہی نے اس کی بیوی کو بڑے پرجوش طریقے سے خوش آمدید کہا تھا۔ جو دوست شادی شدہ تھے اور ان کی بیویاں ساتھ تھیں۔ اپنے ان دوستوں کی بیویوں سے اسے متعارف کروا کر ان کے پاس اسے چھوڑ کر وہ خود اپنے باقی دوستوں سے ملنے لگا تھا۔ دوستوں کے ساتھ وہ چاہے گفتگو میں جتنا بھی مصروف رہا ہو مگر تمام وقت وہ اسے بھی اپنی نظروں کے حصار میں لیے رہا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ وہ بہت بور ہو رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود اس تقریب میں اس کا کوئی انداز ایسا نہیں تھا جو اسے خجالت میں مبتلا کرتا۔ اپنے دوستوں کی اعلا تعلیم یافتہ بیویوں کے آگے اسے اپنی بیوی کی کم علمی پر شرمندہ کرتا۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ اس کے دوستوں کے حلقے میں سب نے اس کی بیوی کو پسند کیا تھا۔ وہ سب کو خاموش طبع ضرور لگی تھی مگر بیوقوف، جاہل یا گنوار نہیں۔

جس طرح یہاں آتے وقت وہ گاڑی میں سارا راستہ بالکل خاموش رہی تھی۔ اسی طرح واپس جاتے وقت بھی وہ نگاہیں گود میں رکھے اپنے ہاتھوں پر جمائے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

"ڈیڈی کے ساتھ کیسی اس کی فر فر زبان چلتی اور میرے ساتھ کیسے زبان کو تالے لگا کر بیٹھ جاتی ہے۔" اس نے سوچا تھا۔

"میوزک سنو گی؟" اس نے بری طرح چونک کر اپنا سر اوپر اٹھایا، ایک نظر اسے دیکھا، جو بغور اسی کو دیکھ رہا تھا۔

چند سیکنڈ کی سوچ بچار کے بعد لفظوں کو تولتے محتاط سے لہجے میں بولی۔

"آپ کا موڈ ہے تو لگا لیں۔"

اس کا دل چاہا وہ اپنا سر کسی چیز سے دے مارے۔ اس شاندار جواب کے بعد میوزک تو اسے کیا لگانا تھا ہاں غصے میں کھولتے اس نے گاڑی کی رفتار انتہائی تیز ضرور کر دی تھی۔ اس کی تیز رفتاری سے لاتعلق وہ اپنے ہاتھوں کو گھورتے، پھر مراقبے میں چلی گئی تھی۔

ان کی گاڑی اس وقت جس سڑک پر سے گزر رہی تھی اس کے دونوں اطراف کئی اچھے اچھے ریسٹورنٹس اور آئس کریم پارلر موجود تھے۔ چھ روز قبل اس شام جب وہ آفس سے گھر جلدی واپس آگیا تھا تب خرو بصیرت حسین کے ساتھ کہاں سے واپس آرہی تھی یہ اسے اسی شام ہی باتوں کے دوران اپنے ڈیڈی سے پتا چل گیا تھا۔ وہ دونوں روز شام میں گھر کے قریب ایک

پارک میں واک کرنے کے نتیجے میں جو کیلوریز خرچ ہوکر آئی ہے' انہیں پارک سے گھر واپسی میں باقاعدگی سے آئس کریم کھا کر دوبارہ بحال بھی کرلیتی ہے۔ اس بات سے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ شاید اسے آئس کریم بہت زیادہ پسند ہے۔ گاڑی ایک آئس کریم پارلر کے سامنے لاکر روکتے اس نے اسے دیکھا اور طنزیہ لہجے میں بولا۔

"آئس کریم کھاؤ گی؟ یا اگر میرا موڈ ہے تو میں جاکر کھا آؤں؟"

اور وہ بے وقوف ہرگز نہیں تھی۔ اس کا طنز سمجھ گئی تھی۔ تب ہی اس کی طرف دیکھے یا کچھ بھی کہے بغیر وہ گاڑی سے باہر اتر گئی تھی۔

یہاں سیلف سروس تھی۔ کاؤنٹر پر آئس کریم لینے کے لیے جانے سے پہلے اس نے اسے دیکھا۔

"کون سا فلیور لو گی؟ یا جو میرا موڈ ہو وہ لے آؤں؟" وہ اسے اتنی آسانی سے بخشنے کے موڈ میں نہ تھا۔

"اسٹرابیری" اس کے طنز کو اچھی طرح سمجھتے اس نے آہستہ جواب دیا تھا۔ وہ آئس کریم لے آیا اور اس کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تب یہ دیکھ کر اسے نئے سرے سے غصہ آنے لگا کہ وہ اس کے علاوہ آئس کریم پارلر میں موجود ہر جاندار اور ہر بے جان شے کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ قابل توجہ لکڑی کی میز اس پر رکھا ہوا پھولوں سے سجا گلدان' یہاں تک کہ سامنے دیوار پر بنے نقش و نگار تک اس سے زیادہ توجہ کے لائق نظر آرہے تھے اس لڑکی کو۔

"تمہیں کھانے میں کیا پسند ہے؟" اس کا خیال تھا اب وہ پھر مراقبے میں چلی جائے گی۔

اب یا تو یہ سوال اتنا مشکل نہیں تھا یا شاید اس کا طنز اسے دکھا گیا تھا۔ اس بے معنی اور فضول گفتگو کو آگے بڑھانے کے لیے اب اصولاً "اے اشعر" کہنی چاہیے تھی۔

اس کے کھانے پینے میں پسند پوچھنی چاہیے گفتگو کے عام طور پر ہوتا بھی یہی ہے کہ ہم گفتگو برائے گفتگو کے لیے کسی کی کسی معاملے میں پسند یا ناپسند پوچھتے ہیں تو

جواب دینے کے بعد گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے وہ اخلاقاً "ہماری پسند بھی ضرور دریافت کرتا ہے۔ مگر اس نے اس سے ایسا کچھ نہیں پوچھا۔ وہ نظریں اپنے آئس کریم کپ پر مرکوز رکھے خاموشی سے آئس کریم کھاتی رہی۔

اسے بے اختیار اپنے حلقۂ احباب میں شامل وہ تمام لڑکیاں یاد آئیں' جو اس کی ایک نگاہ التفات کی منتظر رہا کرتی تھیں۔ وہ خود سے کسی کو غیر معمولی اہمیت دے کر کوئی بات کرے' یہ تو خیر بہت ہی بڑی بات تھی۔ اس کی صرف ایک سے دوسری بار اٹھنے والی نگاہ ایک سے ایک مغرور اور حسین لڑکی کو کشاں کشاں اس کے پیچھے لے آیا کرتی تھی۔ اس کے نرم و نازک سراپے نے' اس کے ساتھ' اس تنہائی نے اگر اس کے دل میں کوئی نرم اور لطیف سے جذبات جگائے بھی تھے تو اس کے اس کٹھن انداز نے اس کے سارے جذبات پر پانی پھیر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس رات اگر اس کا موڈ بری طرح خراب ہوا تھا تو اگلے ہی روز کئی خوشگوار باتیں ایک ساتھ ایسی ہوئی تھیں جنہوں نے اسے حیران بھی کیا تھا اور بہت زیادہ خوش بھی۔

اگلے روز چھٹی کا دن تھا۔ اور اپنے معمول کے مطابق وہ چھٹی کے دن بھی صبح سویرے ہی بیدار ہوگیا تھا۔ صبح صبح وہ جاگنگ کرکے آیا تھا اور اب اندر میں ایکسرسائز کر رہا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ اپنی ایکسرسائز پر تھی مگر جھک کر پیروں کے انگوٹھوں کو چھوتے ہوئے بھی اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ جھکے ہوئے ہی اس نے اندازہ لگایا کہ سامنے کی طرف کہیں کوئی نہیں ہے۔ اسے پیچھے سے دیکھا جارہا ہے۔ واپس سیدھا ہوتا ہوا وہ یک دم ہی بڑی سرعت سے مڑا اور سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ اپنے کمرے کی بالکونی میں ریلنگ سے بازو ٹکائے وہ فرد کھڑی نظر آئی۔ اسے مڑتا دیکھ کر اس نے اپنی آنکھیں فوراً" یوں ہٹالی

2008/2/18 10:31pm

جیسے وہ یہاں صرف اور صرف صبح کے اس خوب صورت منظر اور تر و تازہ ہوا کا مزہ لینے کھڑی ہو۔ کل رات اس کے علاوہ دنیا کی باقی ہر چیز کو دیکھنے والی اس وقت اسے دیکھ رہی تھی۔ چپکے سے۔ اسے صبح صبح یہ خوشگوار سا انکشاف بہت اچھا لگا۔

صبح کی اس خوشگواری کا اثر ہی ابھی کم نہیں ہوا تھا کہ لنچ کے بعد فراغت کے عالم میں بہت دنوں بعد جب وہ اور بصیرت حسین کارڈز کھیل رہے تھے۔ تب اسے ایک دوسری بہت خوشگوار بات پتا چلی۔ وہ دونوں باپ بیٹا شطرنج کے کارڈز باقاعدہ ایک دوسرے کو ہرانے کا چیلنج دے کر کھیلا کرتے تھے۔

آج کا ان کا یہ مقابلہ لاؤنج میں ہو رہا تھا۔ فریدہ بھی ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر ان دونوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور بیچ بیچ میں کوئی نہ کوئی تبصرہ ان کے کھیل کے حوالے سے بھی کرتی جا رہی تھیں۔

بصیرت حسین کی فرمائش پر خرد ان لوگوں کے لیے کافی بنا رہی تھی۔ وہ کافی بنا کر لے آئی اور سب کو کپ دینے لگی تب بصیرت حسین اس سے بولے۔

"جانا مت خرد! بیٹھو یہاں۔ ذرا دیکھو آج میں اسے کیسا ہراتا ہوں۔" فریدہ نے اپنے برابر صوفے پر خرد کے لیے جگہ بنا دی تھی۔ وہ خاموشی اور سنجیدگی سے ان کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔ اپنے پتوں پر توجہ مرکوز رکھتے اس نے سرسری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا تو احساس ہوا وہ بصیرت حسین کے نہیں اس کے پتوں کو بغور دیکھ رہی ہے۔ کافی کے سپ لیتی وہ بظاہر سنجیدگی اور خاموشی سے ان دونوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی مگر ذرا توجہ سے اس نے اسے تھوڑی دیر بعد دیکھنا شروع کیا تو اس کے چہرے پر موجود تاثرات دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ وہ اس کے ڈیڈی کو نہیں اسے جتوانا چاہتی ہے۔ ان کے اس کھیل کی یہ دونوں تماشائی خواتین اس کی حمایتی ہیں۔ یہ جاننا اسے بے حد اچھا لگا۔ شطرنج میں اگر بصیرت حسین اکثر اوقات اسے ہرا دیا کرتے تھے تو کارڈز میں زیادہ تر وہ جیتا کرتا تھا۔ سو اسی روایت کو برقرار رکھتے اس نے آج بھی انہیں ہرا دیا تھا۔ انہیں ہراتے ہی اس نے فوراً انہیں نہیں بلکہ اسے دیکھا تھا۔ اور اس کے چہرے پر اپنی جیت کی ایک بے ساختہ سی خوشی نظر آئی تھی۔

یعنی وہ اشعر حسین اس کے لیے اہم تو تھا۔

وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے وہ صوفے پر سا گیا تھا۔

اور یہ آخری بات بھی اسی روز کی تھی۔ رات کو دونوں اپنے بیڈ روم میں تھے۔ خرد روز کی طرح کی میگزین کا مطالعہ کرنے کا تاثر دے رہی تھی اور وہ فون پر رضا زیدی سے بات کر رہا تھا۔ جو چھٹی کے دن بھی حسب عادت دفتر اور دفتری کاموں ہی سے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔

"اچھا دو روپے پچاس پیسے؟ یعنی 25x9500 یعنی کہ" کسی شیئرز کے نفع سے متعلق بات تھی۔

"یعنی" کہہ کر اس نے ذہن میں کیلکولیشن کرنے آس پاس کیلکولیٹر تلاشا۔

"23750" آہستہ آواز میں اسے یہ جواب رضا زیدی نے نہیں بلکہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھے اس خاموش وجود نے دیا تھا۔ حیرت سے اس کا منہ پورا پورا کھل گیا تھا۔ حیرت سے منہ پھاڑے وہ خود سے فاصلے پر بیٹھے اس جیتے جاگتے کیلکولیٹر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے جواب دے کر خرد نے ایک نظر اسے دیکھ کر نظریں دوبارہ میگزین کے صفحات پر جما دی تھیں۔ وہ ابھی ذہن میں کیلکولیٹ کر رہا تھا اور کس تیزی سے اس نے اسے جواب دے دیا تھا۔ وہ MIT سے MBA کر کے واقعی جھک ہی مار کر آیا تھا۔ اس سے کہیں اسمارٹ تو یہ لڑکی تھی جسے وہ چھوٹے شہر کی کم علم اور کم عقل لڑکی قرار دیتا رہا تھا۔ رضا سے فون پر گفتگو کو مختصر کر کے فون رکھنے کے بعد وہ پورا کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

"اسکول میں بچوں کو one سے Twenty تک ٹیبلز یاد کروائے جاتے ہیں۔ آپ کو 2.5 (ڈھائی) کا

urdunovels.net
2008/2/18 10:32pm

نیبل بھی یاد ہے؟" اس کے لہجے میں طنز کی جگہ تعریف محسوس کرکے وہ مسکرائی۔

"میرا میتھس بہت اچھا ہے۔ میرے میتھس میں ہمیشہ ہنڈریڈ پرسنٹ مارکس آتے تھے۔ میرے بابا میتھس کے ٹیچر تھے۔ مجھے میتھس ہمیشہ وہی پڑھاتے تھے۔"

اس کی ذہانت نے اسے اتنی حیرت اور خوشی سے دو چار نہیں کیا تھا جتنا اس کی اس بات نے۔ اس کے ساتھ اتنا طویل جملہ، وہ بھی خود سے پہلی مرتبہ بولی تھی۔

"تم کیا پڑھ رہی تھیں؟"

"میں نے اس سال بی ایس سی کیا ہے۔ فزکس، میتھ اور اسٹیٹس کے ساتھ۔"

"بی ایس سی؟ بی ایس سی کر چکیں؟" وہ حقیقت میں حیران ہوا تھا اور وہ اس کی حیرت پر حیران ہوئی تھی۔

"ہاں، کیوں؟"

"اتنی چھوٹی سی لگتی ہو۔ میں سمجھا تھا تم کہو گی، میں نے اس سال تھرڈ ایئر میں ایڈمیشن لیا ہے۔"

"میں بیس سال کی ہو چکی ہوں۔" اس نے جھٹ اس کی تصحیح کی تھی۔

"بیس سال کی؟ ہاں تب تو تم واقعی بہت بڑی ہو چکی ہو۔"

وہ محظوظ ہونے والے انداز میں بے ساختہ ہنسا۔ جب کہ وہ بے اختیاری میں عمر بتانے والی اپنی بات اور اس پر اشعر کے جوابی تبصرے سے جھینپ سی گئی۔

"جب تمہارا میتھس اتنا اچھا ہے پھر تو تم نے اس سبجیکٹ کو آگے پڑھنے کے متعلق بھی سوچا ہو گا؟"

وہ پہلی بار اس کے ساتھ اپنے بارے میں اس طرح بات کرنے کے لیے آمادہ تھی تو اس گفتگو کو وہ اتنی جلدی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے اپنا مذاق اڑاتا انداز ترک کرکے فوراً ہی سنجیدگی سے دوستانہ انداز میں بولا۔

"ہاں میرا ارادہ تھا۔ میں ایپلائیڈ میتھس میں ماسٹرز کروں گی۔ بابا کی بھی یہی خواہش تھی۔ لیکن پھر ابا بیمار ہو گئیں۔ تو بی ایس سی فائنل ایئر میں تو مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میں فیل ہو جاؤں گی۔ میری بالکل بھی پڑھائی ہو ہی نہیں سکی تھی۔" اس کے لہجے میں کچھ اداسی سی اتر آئی۔ شاید وہ ماں کی بیماری کے دن یاد کرکے دکھی ہو گئی تھی۔

"لیکن پھر بھی تم اچھی ڈویژن کے ساتھ پاس ہوئی ہو گی، ہے ناں؟" اس کے پر یقین انداز کے جواب میں اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں، میری فرسٹ ڈویژن آئی تھی۔"

"تم اپنی اسٹڈیز دوبارہ سے شروع کر دو۔ اب یونیورسٹی میں ایڈمیشن شروع ہوں تو تم ماسٹرز میں ایڈمیشن لے لینا۔"

خرد نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی حیرت کو بھانپتے ہوئے فوراً بولا۔

"اس میں اتنے تعجب کی کیا بات ہے؟"

"میں خوش ہو رہی ہوں۔" اس نے تصحیح کرنے والے انداز میں کہا۔

"اچھا، پہلی بار پتا چلا ہے خوشی کا اظہار اس طرح حیران ہو کر بھی کیا جاتا ہے۔" وہ مسکراتا ہوا بیڈ پر سے اٹھا اور پہلی بار لائٹ بند کرنے سے پہلے اس سے پوچھا۔

"لائٹ آف کر دوں یا تمہیں ابھی میگزین اور پڑھنا ہے؟"

پڑھنے کا لفظ اس نے قصداً خاصا کھینچ کر ادا کیا تھا اور وہ جتنی ذہین لڑکی تھی۔ سمجھ بھی گئی تھی کہ وہ اس کی کون سی بات اسے جتا رہا ہے مگر بظاہر چہرے پر کوئی تاثر لائے بغیر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس روز کے بعد ان کے بیچ حائل تکلفات کی بہت سی دیواریں گر گئی تھیں۔ دوستانہ قسم کی بے تکلفی تو اسے ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا مگر محتاط ہو کر ہی سہی، کم از کم اب وہ اس سے بات کرنے تو لگی تھی۔

2008/2/18 10:32pm

اب رات میں سونے سے پہلے وہ کوئی ایسی دلچسپی ڈھونڈتا جس میں اسے بھی اپنے ساتھ شریک کرسکے۔ اکثر وہ مشترکہ دلچسپی ٹی وی ہی ٹھہرتی۔ وہ اس سے چائے یا کافی بنانے کو کہتا اور پھر اسے اپنے ساتھ بٹھالیتا۔

اگر اسپورٹس، نیوز یا اسی نوعیت کا کوئی اور بے ضرر چینل ہوتو ٹھیک لیکن اگر کوئی مووی چینل لگا ہوتا اور اس میں ہیرو، ہیروئن کے بیچ ذرا بھی کوئی بولڈ سین آتا تو اسکرین پر اداکاری کرتی وہ ہیروئن تو نہیں ہاں اس کے برابر میں بیٹھی وہ شرمندہ سی ہوکر نظریں چرا رہی ہوتی۔ اور اسے وہ فلم اور وہ سین نہیں بلکہ اس کا بلش کرتا وہ انداز دلچسپ لگا کرتا۔ پہلی بار ہنسی آنے کے ساتھ اسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے حلقہ احباب میں شامل کسی لڑکی کو اتنی معمولی باتوں پر تو کیا بڑی بڑی باتوں پر بھی شرماتے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور اگلی بار سے اس چیز کا عادی ہونے کے بعد پھر وہ صرف ہنسا کرتا تھا۔

کئی بار وہ اسے آؤٹنگ کے لیے یا ڈنر کرانے بھی اپنے ساتھ باہر لے گیا تھا۔ اگر وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیار بھری باتیں نہیں کرتی تھی تو اب کہیں جاکر اتنا تو ہو ہی گیا تھا کہ وہ اس سے خود سے بھی مخاطب ہونے لگی تھی۔ اس سے مختلف موضوعات پر باتیں کرنے لگی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اب کم از کم وہ اس سے دور نہیں بھاگتی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ سنجیدگی اور خاموشی کے خول میں خود کو بند نہیں کرلیا کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس شخص کے پاس اپنی انا اور عزتِ نفس گنوا کر آئے اسے پورے پانچ دن ہوچکے تھے۔ ان پانچ دنوں میں زندگی میں دوسری بار اس نے اتنی شدتوں سے اس شخص کا انتظار کیا تھا۔ مگر اس کا یہ انتظار کل بھی لاحاصل ثابت ہوا تھا اور ساڑھے چار سال بعد آج بھی لاحاصل ہی رہا تھا۔ اس شخص کو نہ کل اپنی بیوی اور ہونے والے بچے پر رحم آیا تھا اور نہ آج اس کی بیماری نے اس کا دل نرم کیا تھا۔

"کیا ہوا خرد! اشعر نے تم سے رابطہ کیا؟ کچھ بات بنی؟" اس رات افشین کا فون آیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا افشین! کچھ بھی نہیں۔ میں ایک بار پھر اس شخص کو آزمانے چلی تھی۔ اس بار نرم دلی اور انسانیت کی توقع وابستہ کرنے لگی تھی جس کے پاس دل اور انسانیت جیسی چیزیں موجود ہی نہیں ہیں۔ میں ہار گئی میں ہار گئی۔ افشین! میں آخری در بھی کھٹکھٹا لیا اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟"

وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ اس کی بیٹی کی زندگی داؤ پر لگی تھی۔ اس کی دنیا اس کی زندگی اندھیرے میں گم ہونے جارہی تھی۔

"تم ہمت مت ہارو خرد! اللہ کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا کرے گا۔ تم کہو تو میں تمہارے پاس کراچی آجاتی ہوں۔"

اس کی دوست کے پاس اس کے لیے تسلیاں تھیں، دلاسے تھے۔ خلوص تھا، محبتیں تھیں۔ وہ ان سب کی دل سے قدر کرتی تھی مگر یہ بھی جانتی تھی کہ ان میں سے کوئی ایک بھی چیز اس کی مشکل کو آسان نہیں بنا سکتی۔ اسے اپنا وجود تاریکیوں میں، کسی پاتال میں اترتا محسوس ہورہا تھا۔

"ماما! کیا ہوا؟" وہ موبائل ہاتھ میں لیے بے بسی سے کھڑی رو رہی تھی۔ جب حریم نے کمرے میں آکر جھانکا تھا۔

"کچھ نہیں جانو۔" اس نے جلدی سے دوپٹے سے آنکھیں اور چہرہ صاف کیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ حریم اسے روتا دیکھ کر اس بارے میں کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ اس نے فوراً اس کی توجہ بدل دی۔

"دیکھ لیا ٹام اینڈ جیری۔ یہ جیری آخر ٹام کو اتنا تنگ کیوں کرتا ہے؟"

"ٹام، جیری کو کھانا چاہتا ہے ماما۔"

اس نے جیسے اسے یہ سمجھانا چاہا کہ حق پر اور اچھے کردار کا حامل جیری ہے نا کہ ٹام۔"

"بھئی کچھ بھی کہو میرا فیورٹ تو ٹام ہی رہے گا۔ دیکھتے ہی پیار کرنے کو دل چاہے۔"

"ماما! ٹام گندا ہے۔ جیری اچھا ہے۔" حریم روٹھے ہوئے فوراً بولی۔

وہ اس کا دھیان اپنے آنسوؤں سے ہٹانے میں کامیاب ہوچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

صرف اس روز کی اس بورڈ میٹنگ محدود نہیں تھی۔ پچھلے پانچ دنوں میں امور میں بھی اس کا یہی رویہ رہا درحقیقت کوئی کام نہیں کیا جارہا تھا۔

آج چھٹا دن تھا اسے اس الاؤ میں جلتے ہوئے۔ نیند، سکون اور آرام تو پہلے ہی رخصت ہوچکے تھے مگر پچھلی ایک پل بھی نہیں سویا تھا۔

یہ پانچ راتیں پوری کی پوری خود اس نے سگریٹوں کا دھواں اپنے اندر تھیں حالانکہ اسموکنگ سے اسے شدید

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ دنوں کے لیے گھر پر ریسٹ کیوں نہیں کے ادارے کا ڈائریکٹر فنانس رضا زید ساتھ اشعر کے بہت پرانے اور گہرے تھے۔ امریکہ میں Yale میں اسٹڈیز دوستی ہوئی تھی۔

وہ اشعر سے کئی سال سینئر تھا۔ عمر تھا مگر اس سب کے باوجود ان کی بہت ا تھی۔

"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ انداز میں کہا تھا۔

وہ سنگاپور کی ایک کمپنی کے ساتھ و کرنے جارہے تھے۔ اسی حوالے سے کرنے اور ڈیل پر سائن کرنے اس ایگزیکٹوز اور ٹاپ مینجمنٹ پر مشتمل

دیکھتے ہی پیار کرنے کو دل چاہے۔"

"ماما! تمام گندا ہے۔ جیری اچھا ہے۔" حریم برا مانتے ہوئے فوراً بولی۔

وہ اس کا دھیان اپنے آنسوؤں سے ہٹا لینے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

صرف اس روز کی اس بورڈ میٹنگ تک ہی بات محدود نہیں تھی۔ پچھلے پانچ دنوں میں دیگر تمام دفتری امور میں بھی اس کا یہی رویہ رہا تھا۔ اس سے درحقیقت کوئی کام نہیں کیا جا رہا تھا۔

آج چھٹا دن تھا اسے اس الاؤ میں نئے سرے سے جلتے ہوئے۔ نیند، سکون اور آرام تو زندگی سے بہت پہلے ہی رخصت ہو چکے تھے مگر پچھلی پانچ راتوں میں وہ ایک پل بھی نہیں سویا تھا۔

یہ پانچ راتیں پوری کی پوری خود اذیتی میں جلتے سلگتے اس نے سگریٹوں کا دھواں اپنے اندر اتارنے گزاری تھیں حالانکہ اسموکنگ سے اسے شدید نفرت تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی اشعر! تم کچھ دنوں کے لیے گھر پر ریسٹ کیوں نہیں کر لیتے۔" یہ ان کے ادارے کا ڈائریکٹر فنانس رضا زیدی تھا۔ اس کے ساتھ اشعر کے بہت پرانے اور گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ امریکہ میں Yale میں اسٹڈیز کے دوران ان کی دوستی ہوئی تھی۔

وہ اشعر سے کئی سال سینئر تھا۔ عمروں میں بھی فرق تھا مگر اس سب کے باوجود ان کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔" اس نے پُرزور انداز میں کہا تھا۔

وہ سنگاپور کی ایک کمپنی کے ساتھ وہ جوائنٹ وینچر کرنے جا رہے تھے۔ اسی حوالے سے تفصیلات طے کرنے اور ڈیل پر سائن کرنے اس کمپنی کے سینئر ایگزیکٹوز اور ٹاپ مینجمنٹ پر مشتمل ایک وفد آیا ہوا تھا۔

ملٹی میڈیا پریزنٹیشن کے ذریعے اس کمپنی کے ایک سینئر ایگزیکٹو اسے اور باقی سب کو پروجیکٹ کی تفصیلات بتا رہے تھے اور وہ ان گراف، چارٹس اور ان اعداد و شمار کو بے توجہی سے دیکھ رہا تھا۔ جب پریزنٹیشن ختم ہونے کے بعد وہ خود سے کچھ بھی نہ بولا تو وہاں کے ایک ایگزیکٹو نے از خود اس سے اس کی رائے طلب کی۔ اس نے کچھ دیکھا اور سمجھا ہوتا تو بول پاتا، وہ تو غائب دماغی سے سارا وقت اس لیپ ٹاپ اور آس پاس کی دیواروں کو دیکھتا رہا تھا۔ قبل اس کے کہ مقابل بیٹھی کمپنی کے سینئر ارکان اس کی بے توجہی پر کچھ برا محسوس کرتے رضا زیدی اور ان کی کمپنی کے چند دوسرے ایگزیکٹوز صورت حال کو بخوبی سنبھال لیا تھا۔

میٹنگ کے بعد اب اپنے آفس میں بیٹھا وہ خود اپنے آپ پر جھلا تا یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے خود کو سنبھالنا اور لوگوں کے سامنے بالکل نارمل ظاہر کرنا چاہیے کہ رضا زیدی اس کے آفس میں داخل ہوا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی دفتری باتیں کرنے کے بعد اس نے اس کی طبیعت کے متعلق استفسار کیا تھا۔

"یا تو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا پھر تم کسی ٹینشن میں ہو۔"

"تمہاری دونوں ہی باتیں بالکل غلط ہیں۔ میں نہ تو بیمار ہوں اور نہ ہی کسی ٹینشن میں۔" اپنے سامنے رکھی فائل بند کرتے ہوئے اس نے رضا زیدی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"چلو مان لیتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر تیسری ایک ہی بات بچی ہے اور وہ یہ کہ تم مسلسل کام سے بہت زیادہ تھک گئے ہو۔ ذرا خود کو بریک دو، تھوڑا آرام کرو۔ ان شاء اللہ تم بہت بہتر محسوس کرو گے۔"

"اگر آپ کی نصیحتیں ختم ہو گئی ہیں اور میرا بزرگ بننے کا شوق بھی پورا ہو چکا ہے تو کیا ہم کام کی بات کر سکتے ہیں۔ ٹریڈ شو کے لیے ہماری پریزنٹیشن میں پروفائل میں امپروومنٹ کی ضرورت ہے۔ تمہارا

کیا خیال ہے؟" خود کو مزید موضوع گفتگو بننے سے بچانے کے لیے اس نے فوراً" ہی گفتگو کا رخ موڑ کر اسے ترکی میں عنقریب منعقد ہونے والے ایک ٹریڈ شو کی طرف کردیا تھا اور رضا بچہ تھا نہ بے وقوف جو یہ نہ سمجھ پاتا کہ وہ اپنے بارے میں کوئی بات فی الحال سنجیدگی سے کرنے کے موڈ میں نہیں ہے یوں وہ خاموش ہوگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

باغبانی اس کا شوق اور مشغلے سے بڑھ کر عشق تھا۔ اپنے گھر کے اس وسیع و عریض گارڈن کی خوب صورت، ہریالی، شادابی اور خوشنمائی کا سارا کریڈٹ سو فیصد اسی کو جاتا تھا۔ ہر طرح کے پھولوں، پودوں اور درختوں سے اسے محبت تھی، وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ انسانوں کی طرح یہ بے زبان پودے بھی محبت کی زبان بخوبی سمجھتے ہیں۔ انہیں پیار اور توجہ دو تو کھل کر اپنے رنگ، خوشبو اور خوب صورتی بکھیر کر یہ اس محبت کا محبت ہی سے جواب بھی دیتے ہیں۔ وہ ایک بہت ماہر اور بہت اچھا گارڈنر تھا۔ دو چار کمرنے والا ایک پکا بزنس مین کہیں سے باقاعدہ کوئی تعلیم حاصل کیے بغیر باغبانی کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا۔ جتنی باقاعدہ تعلیم حاصل کیے کسی Horticulturist کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر باغبانی ایک فن ہے تو وہ اس فن کا واقعی ماہر تھا۔

ایسے کتنے ہی لوگ تھے جن کے ساتھ نہ اس کا عمر کا جوڑ بنتا تھا۔ نہ پیشے اور قومیت کے لحاظ سے وہ اس جیسے تھے۔ مگر صرف اس ایک دلچسپی کے مشترک ہونے کے سبب بیرون ملک اس کی ان سے دوستیاں ہوگئی تھیں۔ جو انٹرنیٹ کے ذریعے برقرار بھی تھیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو فن باغبانی کے بارے میں نئی تحقیقات سے آگاہ کرتا رہتا۔

دفتری مصروفیات کے بعد اس کے پاس اتنا وقت نہیں بچتا تھا جتنا وہ اپنے گارڈن کو دینا چاہتا تھا۔ روز صبح ایکسر سائز کے دوران ہی اس کا ایک پورا چکر اپنے گارڈن کا لگتا۔ خود کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا سوائے ہی جس پودے کے بارے میں کوئی ہدایت دینا ہوتی دے دیتا۔ ہاں ہفتہ وار چھٹی کے دن وہ کئی گھنٹے اپنے گارڈن کو سجانے، سنوارنے میں گزارتا۔

اس روز چھٹی کا دن تھا اور وہ ناشتے کے بعد سے بڑے جی جان سے گارڈن کی دیکھ بھال میں لگا ہوا تھا۔ موسم تبدیل ہو رہا تھا، سردیاں رخصت ہو رہی تھیں، اب نئے موسم کے لحاظ سے نئے پھول اور نئے پودے گارڈن میں لائے جانے تھے۔ گھر آتے جاتے روز ایک نظر تو پڑتی ہی تھی کہ کہیں کوئی پودا، کوئی بیل، کوئی کیاری یا کوئی گملا نظر انداز تو نہیں ہو رہا۔ کوئی پھول یا پودا مرجھایا ہوا تو نہیں لگ رہا۔ مالی صحیح طرح ان کی دیکھ بھال کر رہا ہے کہ نہیں مگر اس چھٹی کے دن جب وہ اپنے گارڈن کو پورا وقت دے رہا ہوتا تب حبیب جوان کا مالی تھا، اس کی شامت آئی رہتی تھی۔ ذرا بھی کوئی ایک پودا بھی اسے مرجھایا ہوا نظر آجاتا یا کسی کیاری میں ذرا بھی کسی پودے کی کاٹ چھانٹ درست نہ ہوتی تو وہ حبیب کی ٹھیک ٹھاک خبر لے ڈالتا۔ آج صبح سے بھی یہی سب کچھ ہو رہا تھا۔ گھر کے اندر کیکٹس کے جتنے گملے رکھے تھے انہیں دھوپ میں رکھوانے کے بعد اس نے گھر کے اندر موجود تمام ان ڈور پلانٹس جنہیں ہر پانچ چھ روز بعد دھوپ اور روشنی کی ضرورت ہوتی تھی باہر رکھوائے۔

دوپہر تک وہ اسی کام میں مصروف رہا پھر وہ حبیب کو ساتھ لے کر کچھ نئے پودے خریدنے نرسری چلا گیا۔ وہاں سے ایک گھنٹے بعد واپس ہوا۔ وہ گارڈن کی طرف آیا تو یہ دیکھتے ہی اس کا پارہ ایک دم ہائی ہوگیا کہ درختوں کے نیچے اور دیوار کے ساتھ اس کے چھاؤں میں رکھے گئے قیمتی گملے سارے کے سارے کسی نے بڑی ترتیب سے بڑی اچھی سی قطار بنا کر عین سورج اور دھوپ کے نیچے رکھ دیے ہیں۔ غصے سے اس کا دماغ کھول گیا۔

"یہ کس نے کیا ہے؟ ان گملوں کو یہاں لا کر کس نے رکھا ہے بتا بھی یہ شیڈ لونگ پلانٹس ہیں"

ڈائریکٹ سورج کی روشنی پڑ کر ان کا کیا حشر ہوگا۔ یہ کیا پاگل تھا' جو انہیں چھاؤں میں رکھا ہوا تھا میں نے؟"

غصے سے کھولتے ہوئے وہ بول رہا تھا۔

اسے گلاب کی کیاری کے پاس قدرے چھاؤں والی جگہ پر خرد بیٹھی نظر آئی۔

"خرد! یہ گملے یہاں کس نے رکھے ہیں؟ تم نے دیکھا کسی کو یہ یہاں رکھتے؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس کی غصے سے بھری تیز آواز سن کر حبیب اور جمال بھی وہاں آ چکے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ مل کر اس نے جلدی جلدی سارے گملے واپس چھاؤں میں جہاں وہ پہلے رکھے ہوئے تھے' رکھوا دیے۔

خرد وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ گملے واپس رکھ دیے گئے تب وہ دوبارہ اپنے ادھورے تمام کاموں میں مصروف ہو گیا۔ موسم کے پھولوں کے بیج اور پنیریاں گملوں میں لگانے کے ساتھ وہ اپنے گارڈن کے لینڈ اسکیپ میں بھی کچھ نئی تبدیلیاں کر رہا تھا۔ گارڈن کے بیچوں بیچ موجود تالاب کے گرد خوشنمائی پیدا کرتے چھوٹے چھوٹے رنگین پتھر اور مختلف اقسام کے پودوں اور پھولوں کی بہار دکھاتے گملے رکھوا رہا تھا۔

صبح سے کاموں میں بری طرح مصروف رہنے اسے نہ بھوک نے ستایا تھا اور نہ ہی لنچ ٹائم کے گزر جانے کا کوئی خیال آیا تھا۔ اب سب کاموں سے فارغ ہوا اور گارڈن کی نئی سج دھج سے جب وہ مطمئن ہوا تب اسے لنچ کا خیال آیا۔ فریدہ اور بصیرت حسین آج ایک دوست کے ہاں لنچ پر مدعو تھے۔ دو بجے وہ وہاں چلے گئے تھے اور ابھی ان کی واپسی ہوئی تھی۔ دھول' مٹی کھاد میں اٹا وہ اندر آیا تو خرد لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتی نظر آئی۔

"خرد! پلیز ذرا جلدی سے کھانا لگوا دو۔ بڑے زوروں کی بھوک لگ رہی ہے۔" اس سے کہتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں پر لگی کھاد' مٹی سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنے کمرے میں آ گیا۔

بہت ہی کو تک قسم کا شلوار لے کر وہ چند ہی منٹوں بعد نیچے آیا تو ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگائے اسے خرد اپنے انتظار میں بیٹھی نظر آئی۔ وہ سمجھا کہ وہ یونہی اسے کمپنی دینے کے لیے اس کے ساتھ بیٹھی ہے مگر جب وہ پلیٹ میں اپنے لیے کھانا نکالنے لگی تب وہ بری طرح چونکا۔

"کیا مطلب' تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟"

"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" اس مشرقی ادا پر اسے خوشی نہیں ہوئی تھی بلکہ بے تحاشا غصہ آیا تھا۔ اس کے انتظار میں وہ شام کے پانچ بجے تک بھوکی بیٹھی تھی۔ کوئی تک بھی تھی اس فضول حرکت کی۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلتے غصے اور ناگواری کو بھانپ گئی تھی اسی لیے مدافعانہ انداز میں فوراً" وضاحت کرنے لگی تھی۔

"آج لنچ میں نے بنایا ہے' اس لیے میں نے سوچا کہ ہم ساتھ....." وہ بولتے بولتے خود ہی جھجک کر چپ ہو گئی۔

ابھی تک اس نے میز پر سجے کھانے پر توجہ سے نظر نہیں ڈالی تھی۔ اب تفصیلی نظر ڈالی تو میز پر اپنی پسند کی کئی ڈشز رکھی نظر آئیں۔ وہ بیجی میل راکس' اسموکی آلمنڈ چکن' ڈھیر سارے سبز زیتون والی اس کی من پسند اٹالین سلاد اور میٹھے میں اسٹرابیری ٹارٹ۔ اس کی بیگم نے پہلی بار اس کے لیے کھانا بنایا تھا اور وہ بھی اس کی پسند کو مدنظر رکھ کر' خوشی تو ہونی ہی تھی۔

"یہ بات تھی تو مجھے پہلے بلا لیتیں کھانے کے لیے۔"

"آپ اتنے بزی تھے اپنے کام میں۔"

"تو کیا ہوا۔ کام تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ کر میں آ سکتا تھا۔" اپنی پلیٹ میں سلاد ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔ خرد کا خود کو اہمیت دینا' اپنے لیے خاص طور پر لنچ تیار کرنا اور پھر اپنے ساتھ لنچ کرنے کی خواہش رکھنا اسے بہت اچھا لگا تھا۔

"تمہیں کوکنگ آتی ہے؟ میں تو سمجھتا تھا تمہیں صرف چائے اور کافی بنانا آتی ہے۔"

"آتی ہے' لیکن یہ آلمنڈ چکن اور اسٹرابیری

ٹارٹ میں نے فرسٹ ٹائم بنائے ہیں۔ بی بی سی فوڈ پیج ریسپی دیکھی تھی میں نے۔ آپ ٹیسٹ کر کے بتائیں، دونوں چیزیں کیسی ہیں۔"

اگر کھانا خوش ذائقہ نہ بھی ہوتا تب بھی اسے تو وہ اچھا ہی لگتا، لیکن وہ واقعی بہت مزے دار تھا۔ وہ کھانے کی دل کھول کر تعریف کرتا، خوب مزے لے کر اور بہت خوشی سے کھانا کھا رہا تھا۔ لیکن کھانے کے دوران ہی اسے محسوس ہوا تھا کہ خرد کچھ بے چین سی ہے۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی ہے مگر کہہ نہیں پا رہی۔

"کیا بات ہے خرد! تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

کھانے کے بعد بھی جب اس نے اس کا الجھا ہوا انداز دیکھا تو پوچھ بیٹھا مگر وہ نفی میں سر ہلاتی اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

رات بارہ بجے وہ دونوں سونے کے لیے لیٹ چکے تھے جب لیٹنے کے کچھ دیر بعد اس نے خرد کی آواز سنی۔

"آپ سو گئے؟" وہ کروٹ لیے لیٹا تھا۔

خرد کی آواز پر اس نے کروٹ بدل کر اسے دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھے بغیر وہ بہت سنجیدہ آواز میں بولی۔ براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تو وہ کبھی اسے دیکھتی ہی نہیں تھی۔ اگر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا ہوتا تو وہ ہمیشہ نظریں ادھر ادھر کسی دوسری چیز پر مرکوز رکھتے اس سے بات کیا کرتی تھی۔ شروع میں ان باتوں پر حیران ہونے کے بعد اب وہ اس کی اس دقیانوسی طرز کی مشرقیت کو انجوائے کیا کرتا تھا۔

"میں نے دوپہر میں آپ سے جھوٹ بولا تھا۔" وہ شرمندہ سی آواز میں نظریں جھکائے بولی۔

"آپ نرسری گئے ہوئے تھے۔ تب وہ سارے گملے میں نے دھوپ میں رکھے تھے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ شیڈ میں رکھنے والے پلانٹس ہیں۔ مجھے گارڈننگ کی الف، ب بھی نہیں آتی۔ پلانٹ کو کس طرح اور کس جگہ رکھا جاتا ہے مجھے بالکل نہیں پتا۔ مجھے تو بس آپ کی گارڈننگ میں اتنی زیادہ انوالومنٹ دیکھ کر شوق ہوا تھا کہ میں بھی یہ کام کروں۔ میں سمجھی، وہ پلانٹس آپ نے غلطی سے یا جلدی میں درختوں کے نیچے اور دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیے ہیں۔ وہ اتنے خوب صورت گملے تھے اور ان میں موجود پلانٹس بھی اتنے خوب صورت لگ رہے تھے میرے خیال سے انہیں اتنی دور اور اتنا الگ تھلگ تو نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ جہاں ان پر کسی آنے والے کی فوراً نظر بھی نہ پڑ سکے۔ میں سمجھی کہ شاید نرسری سے واپس آکر آپ کو بھی یہی کام کرنا ہوگا۔ انہیں سامنے ہی سجانا ہوگا۔ اس لیے خود ہی انہیں ان کے سائز کے لحاظ سے ترتیب دے کر رکھ دیا۔"

وہ جتنی سادگی سے اپنی پوری کارگزاری اسے سنا رہی تھی۔ وہ اسے حیرت میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اتنے گھنٹوں سے اتنی معمولی سی بات کی وجہ سے پریشان تھی اور وہ پتا نہیں کیا کیا سوچ رہا تھا۔ اسے خاموش پا کر خرد نے نظریں اٹھا کر ایک پل اسے دیکھا پھر دوبارہ نظریں جھکا کر بولی۔

"میں جھوٹ کبھی نہیں بولتی۔ لیکن اس وقت آپ اتنے غصے میں تھے مجھے یہ بتاتے ڈر لگا تھا کہ یہ گملے کسی ملازم نے نہیں بلکہ میں نے یہاں لا کر رکھے ہیں۔"

"اس وقت ڈر لگا تھا اب نہیں لگ رہا؟ غصہ تو مجھے ابھی بھی آسکتا ہے۔" اس سادگی اور معصومیت بھرے انداز سے مبہوت سا ہوتے اس نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا۔ گویا اپنے غصے سے ڈرانا چاہا۔

"لگ رہا ہے، لیکن میں جھوٹ بول کر سو نہیں سکتی۔ بات معمولی ہے، لیکن جھوٹ تو جھوٹ ہے، چاہے بڑی بات پر بولا جائے چاہے چھوٹی اور معمولی بات پر۔"

وہ حیرت سے آنکھیں کھولے اس بہت مختلف لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"بابا کہتے تھے جھوٹ بولنا صرف پہلی بار آسان لگتا

ہے اس کے بعد ہمیشہ مشکل ہوتی ہے اور سچ بولنا صرف ایک بار مشکل لگتا ہے اس کے بعد آسانی ہی آسانی ہوتی ہے۔"

وہ حیرت میں گھرا ایک ٹک خود سے تھوڑے سے فاصلے پر لیٹی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے رشتے داروں میں' اس کے جاننے والوں' ملنے والوں میں اس کے دوستوں میں ایسی کوئی ایک بھی تو لڑکی نہیں تھی۔ جہاں ایسی معمولی معمولی بے ضرر باتیں کیا' لوگوں کی پوری پوری زندگیاں جھوٹ کے اوپر کھڑی تھیں۔ ایسی سادگی' ایسی معصومیت اور ایسی سچائی اس نے زندگی میں کبھی کہیں نہیں دیکھی تھی۔ وہ اسے اتنی خالص' اتنی نایاب اور اتنی انمول سی لگی کہ بے اختیار اسے اپنے آپ پر رشک سا آیا۔ یہ اتنی منفرد اور اتنی خاص لڑکی بن مانگے اسے مل گئی ہے؟ وہ تو اپنی شریک حیات میں صرف ذہنی سطح' ذہانت' خود اعتمادی اور مزاج کی ہم آہنگی جیسی باتیں چاہتا تھا اور قسمت نے بن مانگے اسے وہ کچھ دے دیا تھا جو اسے طلب کرنا شاید آتا بھی نہیں تھا۔ اس نے بے ساختہ اسے اپنے قریب کیا۔ اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے کر ایک پیار بھری سرگوشی اس کے کانوں میں کی۔

"تمہیں پتا ہے خرد! تم بہت اچھی ہو۔ تم سے اچھی لڑکی میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی۔ ہمیشہ ایسی ہی رہنا خرد! تمہاری یہ سادگی' تمہاری یہ سچائی انمول ہے۔"

پہلے اگر اسے لگتا تھا کہ وہ خرد کے ساتھ اپنے رشتے کو قبول کرنے لگا ہے' وہ اس سے مانوس ہونے لگا ہے' اسے پسند کرنے لگا ہے۔ تو اب جا کر پتا چلا تھا کہ اسے اس سے صرف انسیت نہیں ہوئی ہے۔ وہ اسے پسند بھی نہیں کرنے لگا بلکہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ اب سے نہیں بلکہ کافی دن پہلے سے اور اس محبت کی وجہ نہ اس کی خوبصورتی ہے نہ ذہانت۔

وہ جیسے خاص اس کے لیے تخلیق کی گئی تھی۔ اس کی کسی نیکی کا انعام' کسی کی سچے دل سے دی دعا یا خالق کا اس پر لطف و کرم' اتنی مختلف' اتنی منفرد' سب سے الگ کہ اسے یہ سوچ کر خود پر فخر محسوس ہوتا کہ وہ اس کی ہے۔ صرف اور صرف اس کی۔ کوئی بھی مرد' خواہ کتنا بھی ماڈرن اور کتنا بھی لبرل کیوں نہ ہو' عورت کی حیا اسے ہمیشہ اپیل کرتی ہے۔ اپنی طرف کھینچتی ہے اور جو لڑکی اسے ملی وہ تو اس سے' اپنے شوہر تک سے آنکھوں میں حیا لیے اس طرح پلکیں گرا کر بات کرتی کہ وہ مبہوت ہی رہ جاتا۔

وہ بھی اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ لفظوں میں کبھی اس نے کہا نہیں تھا پر اس کی محبت کو وہ اس کے رویوں سے پہچان سکتا تھا۔

وہ خود کو اس کی پسند کے سانچے میں ڈھال رہی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کی پسند ناپسند کا بہت خیال رکھا کرتی تھی۔ بارہا اس نے یہ بھی نوٹ کیا تھا کہ جب وہ —— کسی دوسرے کام میں مصروف ہوتا ہے تب وہ چپکے چپکے اسے دیکھتی رہتی ہے۔ جس رشتے کے لیے اسے لگا تھا کہ وہ اسے کس طرح نبھا پائے گا صرف نبھانا کیا' وہ تو اس رشتے کو اپنے دل کی بھرپور آمادگی اور سچی خوشی کے ساتھ قبول کر چکا تھا۔

ہاں یہ سچ تھا کہ اشعر حسین نے خرد احسان کو محض اپنے باپ کے کہنے پر اپنایا تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑا سچ یہ تھا کہ وہ اپنی بیوی خرد احسان سے محبت کرنا تھا' شدید محبت' والہانہ محبت اور اپنی محبت کے اظہار میں وہ کبھی بخل سے کام نہیں لیتا تھا۔ اس کی زندگی کی ترتیب ہی دوسرے لوگوں سے تھوڑی مختلف تھی۔ پہلے شادی' پھر محبت اور اس کے بعد اظہار محبت۔

☆ ☆ ☆

آج میٹنگ میں جو رویہ اس کا رہا تھا اور پھر بعد میں رضا نے اسے اس کی غیر حاضر دماغی کا احساس دلایا اس کے بعد سے وہ واقعی بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

اسی لیے وہ شام میں آفس سے جلدی اٹھ گیا تھا۔ اس کے ایک کاروباری دوست ہارٹ اٹیک کے سبب ہاسپٹلائز تھے۔ ایک ہفتے سے اسے یہ بات پتا تھی مگر نہ تو خود ان کی عیادت کے لیے ہسپتال گیا نہ ہی بزنس

اپنی کیئر کا خیال رکھنے پھولوں کا ایک گلدستہ تنیک تندرستی اور جلد صحت یابی کی دعاؤں سے مزین کوئی کارڈ بھی انہیں بھجوایا۔

سو آج وہ آفس سے سیدھا ان کی عیادت کے لیے ہسپتال آگیا تھا۔

گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ گارڈن کے قریب سے چلتا ہوا جا رہا تھا۔ گارڈن میں وہیل چیئر پر کچھ مریض بھی نظر آرہے تھے اور ان کے عزیز و اقارب بھی۔ وہ ایک سرسری نگاہ سے گارڈن کو دیکھتا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ جب اچانک ہی سرخ، سبز، نیلی اور نجانے کتنے رنگوں اور کتنے ہی مشہور کارٹون کیریکٹرز کی تصاویر سے سجی ایک کلر فل سی ہوا سے پھلانے والی بڑی سی بال آکر اس کے پیروں سے ٹکرائی۔ سامنے سے سرخ فراک میں ملبوس جو چھوٹی سی بچی تیز قدموں سے اسی طرف آرہی تھی۔ یہ گیند یقیناً اسی کی تھی۔ بیچ کی مانگ نکال کر بالوں کی دو پونیاں بنا کر ان میں سرخ ہی رنگ کے پھولوں والے خوبصورت بینڈز لگائے وہ بچی بہت خوب صورت تھی۔ اپنے پیروں میں پڑی بال اس نے جھک کر اٹھائی اور پھر اپنی طرف تیزی سے آتی اس بچی کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ بچی اب اس کے قریب آچکی تھی۔

"انکل! میری بال ــــ" وہ اس کے پاس بھاگتی ہوئی نہیں بلکہ چلتی ہوئی آئی تھی۔ پھر بھی اس کی سانس بہت زیادہ پھولی ہوئی تھی ۔ وہ بہت پیاری اور خوبصورت بچی تھی مگر بہت ہی کمزور اور دبلی پتلی بھی تھی۔ شاید وہ کچھ بیمار تھی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے کالی گہرے حلقے پڑے ہوئے تھے اور چہرے کی رنگت اور خاص طور پر ہونٹ بجائے گلابی ہونے کے ہلکے نیلے سے نظر آرہے تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے بالکل سامنے بیٹھا۔ اس طرح کہ اس کے قد کے برابر آسکے۔ اور پھر مسکراتے ہوئے بال اس کی طرف بڑھادی۔

"تھینک یو انکل۔" بال اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا پھر کچھ ٹھٹک کر وہ بغور اسے دیکھنے لگی۔

"آپ پاپا ہیں؟" بولتے ہوئے اس بچی نے اس کے چہرے پر آہستہ سے یوں ہاتھ پھیرا۔ جیسے کسی جانے پہچانے نقش کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ ہونق بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی بات بالکل بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

"آپ پاپا ہیں۔ آپ فوٹو والے پاپا ہیں۔" اس بار وہ سوالیہ انداز میں نہیں بلکہ بہت یقین سے بولی۔

"ماما! دیکھیں پاپا، فوٹو والے پاپا۔" بچی کی جوش میں گھری اس پکار پر وہ بے اختیار گردن گھمانے پر مجبور ہوا۔ سامنے سے چل کر اسی طرف آتی خرد احسان کو اس نے بے یقینی سے دیکھا۔ وہ ان دونوں ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اسی طرف آرہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا نہ ہو سکا۔ وہ وہاں سے ہل تک نہ سکا۔ اس نے گردن موڑ کر پھر اس بچی کو دیکھا۔ جس کے ننھے ننھے ہاتھ ابھی بھی اس کے رخساروں پر جمے ہوئے تھے۔ وہ بالکل ساکت ٹکٹکی باندھے اس بچی کو دیکھ رہا تھا۔

"چلو حریم! ہمارا نمبر آنے والا ہے۔" قریب آکر خرد نے خشک سے لہجے میں بچی کو مخاطب کیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اشعر کے پاس سے ہٹایا۔ پھر اسے مکمل نظر انداز کرتی وہ بچی کا ــــــ ساتھ لیے ہسپتال کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ گم صم، بالکل منجمد سا، جہاں تھا وہیں کا وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھا رہ گیا۔

"آپ پاپا ہیں؟" اس نے بے اختیار اپنے گالوں، ہونٹوں اور ناک پر ویسے ہی ہاتھ پھیرا جیسے وہ پھیر رہی تھی۔

"آپ پاپا ہیں۔" اب لہجے میں سوال نہیں بلکہ یقین تھا۔ اتنا یقین، اتنی surety، اتنی خوشی، اتنی معصومیت، اتنی سچائی، اسے لگا جیسے اس کے گرد کائنات کے ہر گوشے سے صرف ایک ہی پکار سنائی دے رہی ہے۔

"آپ پاپا ہیں؟"

باقی آئندہ شمارے میں

خرد احسان بچپن سے ہی نامساعد حالات کے زیر اثر رہی ہے۔ والد کے انتقال کے بعد میمونہ احسان نوکری کر کے اس کی پرورش کرتی ہیں۔ اس کے کریچویشن کے دوران ہی میمونہ کی طبیعت خراب رہنے لگتی ہے۔ اس کی باعث خرد کریچویشن کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ گھریلو حالات اور ماں کی بیماری نے خرد کو حساس اور ذمہ دار بنا دیا ہے۔ ایسے میں ماموں اور ان کے بیٹے کی آمد اسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا جیسے کے مترادف لگتی ہے۔ وہ پوری جان سے ماں کی تیمارداری کرتی ہے۔ محض مرتی ہوئی ماں کی تشفی کے لیے وہ ماموں زاد اشعر سے شادی کرتی ہے۔ اسے ہر وقت یہ احساس بے کل رکھتا ہے کہ اسے اشعر پر مسلط کیا گیا ہے۔

ابتدا میں اشعر اور خرد کے مابین اجنبیت حائل رہتی ہے لیکن خرد کی معصومیت، سادگی اور خوبصورتی اشعر کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ اس کی سچائی اور ذہانت اشعر کو دیوانہ بنا دیتی ہے۔ اور خرد بھی بالآخر اس کی محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اشعر حسین اپنے آپ کو خوش نصیب ترین انسان سمجھتا ہے مگر اچانک اس کی خوش باش زندگی اندھیوں کی زد میں آجاتی ہے۔ خرد بغیر کچھ بتائے گھر چھوڑ جاتی ہے۔

کئی سال گزرنے کے باوجود خرد کی بے وفائی اشعر کو سنبھلنے نہیں دیتی۔ محض ماں کی خاطر وہ اپنے آپ کو سنبھالتا ہے اور خود کو کاروباری مصروفیات میں غرق کر لیتا ہے کہ ایک دن خرد احسان آفس میں اس سے ملنے چلی آتی ہے۔ خرد کی دختر اس کا خون کھولا دیتی ہے۔ خرد بتاتی ہے کہ ان دونوں کی ایک بیٹی حریم ہے جو دل کی مریضہ ہے اور اس کے علاج کے لیے رقم درکار ہے۔ وہ اپنی بات کی صداقت کے لیے تمام ثبوت اور اپنا ایڈریس اس کے پاس چھوڑ جاتی ہے۔ اشعر کو خرد کی کسی بات کا یقین نہیں ہے، ان ہی دنوں وہ اسپتال میں اپنے ایک دوست کی عیادت کرنے آتا ہے کہ اچانک حریم سے اس کا سامنا ہو جاتا ہے۔ وہ اسے پاپا کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ اس صورت حال پر وہ سکتے میں آجاتا ہے۔

۲

دوسری قسط

یک لخت ہی اس کے اندر بہت عجیب، بہت ناقابل فہم جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ابل نکلا۔ ایک ان جانی سی کشش تھی جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اسے پکار پکار کر اپنی سمت بلا رہی تھی۔

اس کے جسم میں دور تک تمام خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آگیا تھا۔ بے خودی کی کیفیت میں وہ کسی بہت زور آور قوت کے زیر اثر کھنچتا ہسپتال کے اندرونی حصے کی طرف جا رہا تھا۔ چند منٹوں کے اندر اس نے خود کو ہسپتال کے اندر اس جگہ کھڑا پایا جہاں ابھی ابھی وہ گئی تھی۔ وہ ننھی پری۔ وہاں کرسیوں اور بینچوں پر اپنے والدین کے ساتھ بیٹھے بہت سے بچے نظر آرہے تھے، مگر وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ یہیں تو آئی تھی۔ پھر کہاں چلی گئی؟ اس نے دیوانوں کی طرح چاروں طرف نظریں گھمائیں۔ اس کے دل کی دنیا ایک ہی پل میں ایسی بدلی تھی کہ اسے اس ننھے وجود کی تلاش کے سوا، دنیا کے کسی منظر اور کسی شخص سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ اس کی بے قرار نگاہوں کو یک لخت ہی قرار ملا تھا۔ وہ اسے نظر آگئی تھی۔ کوریڈور کے آخری سرے پر جو ایک کمرہ نظر آرہا تھا وہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے اس کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

اس نے کمرے کے باہر لگی نیم پلیٹ پڑھی۔

"ڈاکٹر انیس رضوی۔" اس نے بے اختیار اپنے ننھے دل پر ہاتھ رکھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے اس پری کا کمزور، بیمار چہرہ آنے لگا، اس کی آنکھوں کے نیچے پڑے گہرے حلقے، اس کا دبلا پتلا کمزور جسم، اور پھولی طرح پھولی ہوئی سانسوں کو قابو کرتی ہوئی۔ سانسیں آنے لگیں۔

اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں جیسے تھمنے سی لگیں۔ وہ یہاں کسی کاروباری دوست کی عیادت کے لیے آیا تھا۔ وہ بھول گیا۔ اسے یہاں سے ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ وہ بھول گیا۔ اشعر حسین اب زندگی میں دوبارہ کبھی کسی سے کوئی رشتہ جوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا۔ وہ اب مرتے دم تک بھی کسی سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہ بات بھی بھول گیا۔ اسے یاد تھی تو صرف ایک بات' ایک آواز' ایک پکار اور ایک کسک۔

"آپ پاپا ہیں؟" بے خودی کی سی حالت میں اس نے اپنے چہرے کے نقوش پر ہاتھ پھیرا۔

وہ مڑا اور تھکے تھکے قدموں سے چلتا واپس ہسپتال کے گارڈن میں آگیا۔ وہ وہاں ایک بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

"یہ میری چار سال کی بیٹی حریم حسین کی تصویر ہے۔ بدقسمتی سے میری اس بیٹی کے۔ بائیولوجیکل فادر آپ ہیں۔"

چھ روز قبل خرد احسان اس کے آفس میں آکر کیا گر گئی تھی' اس پر کون سی بجلی گرا کر گئی تھی وہ اب سوچ رہا تھا۔ اب یاد کر رہا تھا۔ خرد احسان کو اپنے سامنے اس ڈھٹائی سے جیتا جاگتا کھڑا دیکھ کر جس ناقابل بیان اذیت ناک احساسات میں وہ گھرا تھا۔ یہ سمجھنے اور سمجھنے کی نوبت ہی نہ آپائی تھی کہ وہ اس کی دھلائی ہوتی باقی قیامت کو سوچ پاتا۔ سمجھ پاتا۔

اس عورت کے گناہوں کی کوئی حد بھی تھی۔ اس کی پستیوں اور اس کے نیچ پن کی کوئی انتہا بھی تھی۔ وہ اس سے اسی کی اولاد کو چھپائے کہیں روپوش رہی تھی۔ اپنے پریگننٹ ہونے کی بات' اتنی بڑی بات اس سے چھپائی اور صرف اتنا ہی نہیں اسے اسی کی اولاد کی پیدائش سے بھی آگاہ کرنا تک گوارا نہ کیا۔

وہ اس عورت کو باقی ہر بات کے لیے اگر کبھی معاف کرنے کا ظرف اپنے اندر پیدا کر بھی سکے تب بھی اس بات کے لیے کیسے معاف کر سکے گا۔ وہ صرف اس کی ہی نہیں اس کی بیٹی کی بھی مجرم تھی۔

وہ ظالم عورت اس سے بیٹی کے علاج کے لیے پیسے ہی مانگنے آئی تھی۔ اگر پیسے درکار نہ ہوتے تو وہ اب بھی اسے اس کی بیٹی کے وجود سے لاعلم ہی رکھتی۔ اگر ایسا کوئی رشتہ اس کا اس عورت سے قائم ہونا تو وہ ایک بار اسے جھنجھوڑ' جھنجھوڑ کر یہ ضرور پوچھنا چاہتا تھا کہ اس کے کس گناہ کی سزا کے طور پر اس نے اس کی بیٹی کو اس سے چار سالوں تک چھپائے رکھا تھا؟

اس کی بیٹی' اس کا خون' اس کی اولاد' وہ اپنے وجود کی آپ گواہی تھی۔ وہ ایک پل میں اس کے دل کا مضبوطی سے بند دروازہ بڑی آسانی سے کھول کر اس میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ اس کا باپ ہے' یہ بولتے وہ ننھی بچی' اتنی پُریقین تھی کہ اس کے اس یقین کے آگے وہ اپنی پوری حیات ہارنے کو تیار تھا۔

اس نے وہاں بیٹھ کر ان دونوں کے باہر آنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر بہت تیزی سے فوراً" اپنے آفس آگیا تھا۔ چھ دنوں میں آج پہلی بار اس نے ان چیزوں کو ہاتھ لگایا۔ جو اس کی میز پر اسی حالت میں جوں کی توں اور ان چھوئی پڑی تھیں۔ اس نے صرف تمام میڈیکل رپورٹس کی وہ فائل اور وہ تصویر اٹھائی اور باقی جو تمام گھٹیا پن لیے کاغذات اپنی ذہنی پستی کا ثبوت دیتی خرد احسان اس کے پاس چھوڑ کر گئی تھی۔ اس نے ان سب پر ایک نظر بھی ڈالے بغیر انہیں پرزے پرزے کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ وہ اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

بہت طویل عرصے بعد کسی کو دیکھ کر اس کے دل میں خوشی کا بہت سچا احساس جاگ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر خوشی سے بھری ایک بھرپور مسکان ابھری تھی۔

"اب تک کہاں چھپی بیٹھی تھی پری؟" اس نے اس تصویر کو پیار کیا۔ اس کی شکل اس سے نہیں ملتی تھی پھر بھی اسے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش میں اپنی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تصویر میں کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ اسے اس کی ہنسی بالکل اپنے جیسی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا رنگ، بالکل اسی جیسا تھا۔ گہرا سیاہ۔ اس کے ہونٹوں کی بناوٹ بالکل اسی کے جیسی تھی۔ وہ اس تصویر کے ایک ایک نقش کو پیار کرتا رہا۔ خوشی کے ساتھ دل درد اور کرب سے بھی بھرا ہوا تھا۔ ایک درد اس بات کا کہ وہ اپنی بیٹی کے وجود سے اتنی دیر بعد آگاہ ہوا ہے اور دوسرا درد یہ کہ بہت دیر سے ملنے والی اس کی بیٹی بیمار ہے۔ اس کی تصویر کو اس نے بڑی احتیاط اور محبت سے اپنے والٹ میں رکھ لیا۔

وہ اب اس کی میڈیکل رپورٹس دیکھ رہا تھا۔

"میرے خدا۔" بری طرح پریشانی میں مبتلا ہوتے اس نے فائل بند کی۔ وہ اس کی بیٹی جس سے وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی متعارف ہوا ہے۔ وہ بے۔ اتنی زیادہ بیمار ہے۔ ایک شاک کی سی کیفیت میں کافی دیر تک سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھا رہا۔

اسے پہلی فرصت میں شہر کے سب سے اچھے کارڈیالوجسٹ سے اپائنٹ لینا تھا' اسے اپنی بیٹی کا بہترین علاج کروانا تھا۔ اس کی زندگی ہر قیمت پر بچانی تھی۔ اس نے فائل اور تصویر کے ساتھ رکھی وہ چٹ اٹھائی جس پر اس جگہ کا پتا درج تھا جہاں اس کی بیٹی رہتی تھی۔ اس چٹ کو لیے وہ فوراً" کرسی پر سے اٹھا۔ وہ تیز رفتاری سے چلتا اپنے آفس سے باہر نکل آیا تھا۔ پارکنگ میں آکر اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے بہت تیز رفتاری سے دوڑا لے گیا۔

ایک گنجان آباد کمرشل ایریا میں وہ بہت تنگ اور گھٹے ہوئے فلیٹس تھے جگہ جگہ پان کی پیکیں تھیں' صفائی ستھرائی کا فقدان تھا' ایسی جگہ لفٹ کی توقع ہی عبث تھی۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ پانچویں منزل پر پہنچا تو اس ڈربا نما تنگ و تاریک فلیٹوں کو دیکھ کر اس کا دل دکھ اور کرب سے کٹنے لگا۔ اس کی بیٹی یہاں رہتی تھی؟ اس گندگی کے ڈھیر میں؟ اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس نے بیل پر انگلی رکھی۔ دروازہ ایک ادھیڑ عمر عورت نے کھولا تھا۔

"میں اشعر حسین ہوں' مجھے۔۔۔" ان کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں ابھی اس نے کہنا چاہا تھا کہ انہوں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آیئے' آیئے پلیز' اندر آجایئے۔"

"خرد! اشعر صاحب آئے ہیں۔" اسے اندر آنے کی پرجوش سی دعوت دینے کے ساتھ ہی انہوں نے وہاں کھڑے کھڑے ہی آواز لگائی۔

اس ڈربے کی وہ چھوٹی سی کائنات اسے دروازے سے داخل ہوتے ہی پوری کی پوری نظر آنے لگی تھی۔ سامنے ہی ایک کرسی پر بیٹھی خرد اور اس کی گود میں بیٹھی حریم بھی اسے وہیں سے نظر آگئی تھیں۔ ابھی تین گھنٹے پہلے ہی وہ اس سے ملا تھا۔ سو وہ اس بچی کو اچھی طرح یاد تھا۔ اسے پہچانتی وہ ماں کی گود سے اتر کر دوڑتی ہوئی اس کے پاس آنے لگی۔

"حریم! بھاگو مت۔" خرد نے اسے ٹوکا' مگر وہ ان کی بات نظر انداز کر کے اسی طرح دوڑتی اس کے پاس چلی آئی۔ اس نے بے اختیار اسے گود میں اٹھا لیا اور اس کے گال پر پیار کیا۔

"آپ پاپا ہیں ناں؟ حریم نے آپ کی فوٹو دیکھی تھی۔" اس کی زبان بڑی صاف اور واضح تھی۔ وہ تتلا کر نہیں بولتی تھی اور بولنے کا انداز اس کا ایسا معصومانہ اور اتنا کیوٹ سا تھا کہ کسی راہ چلتے انجان شخص کو بھی اس پر بے ساختہ پیار آجائے۔ اس نے سر اثبات میں ہلا کر دوبارہ اسے پہلے سے بھی زیادہ والہانہ انداز میں دونوں گالوں پر پیار کیا۔

خرد کرسی پر سے اٹھ کر ان دونوں کے پاس آگئی تھی۔ جب کہ اس کے لیے دروازہ کھولنے والی خاتون ان لوگوں کو پرائیویسی فراہم کرنے کو منظر سے ہٹ گئی تھیں۔ وہ دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس کا اندر آنے اور بیٹھنے کا قطعاً" کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ جگہ اس

کی بیٹی کے لائق نہیں تھی۔ اس گھٹے ہوئے تنگ و تاریک فلیٹ کو دیکھ کر اس نے ایک پل میں فیصلہ کرلیا تھا۔

"بیٹا! آپ اپنا سارا سامان پیک کرلو۔ پاپا آپ کو کل یہاں سے لے جائیں گے۔" خرد کو مکمل طور پر نظر انداز کرکے اس نے بیٹی کو مخاطب کیا۔

"کہاں؟"

"ایک دوسرے گھر میں، ٹھیک ہے؟ پاپا کے ساتھ رہو گی؟" اس کے استفسار پر حریم نے بہت جوش و خروش سے گردن اقرار میں ہلائی۔

"آپ حریم کو ڈول دلائیں گے؟ وہ بری (بڑی) والی جو بولتی ہے۔" اس کا بے ساختہ سا اپنائیت جتاتا انداز اس کے دل کو ایک بڑی انوکھی خوشی سے ہم کنار کررہا تھا۔

"سب کچھ دلاؤں گا بیٹا! جو جو کچھ کہو گی وہ سب کچھ۔" اس نے اسے پھر پیار کیا اور بولا۔

"ابھی میں جارہا ہوں۔ کل تمہیں لینے آؤں گا۔ ٹھیک ہے؟" اس نے حریم کو گود سے اتارا تو خرد فوراً بولی۔

"حریم! جاؤ، فضہ باجی کو دیکھو کیا کررہی ہیں۔" اس نے حریم کو وہاں سے ہٹایا۔ جیسے ہی وہ وہاں سے گئی۔ خرد جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں نے آپ سے صرف اپنی بیٹی کے علاج کے لیے پیسے مانگے تھے۔ اسے کہیں لے جانے کو نہیں کہا تھا۔"

اس عورت کی جرات اور ہمت پر اس کا دل چاہا وہ کھینچ کر اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کرے۔ اپنے کسی جرم پر اسے کوئی احساس ندامت نہیں۔ وہ ایک چار سالہ بچی کا باپ اب سے تین گھنٹے قبل زندگی میں پہلی بار اس بات سے آگاہ ہوا تھا کہ اس کی کوئی اولاد بھی ہے۔ وہ کسی کا باپ بھی ہے۔ اس سے اس اتنی بڑی حقیقت کو چھپائے رکھنے والی یہ عورت کس ڈھٹائی اور بے حسی سے اس کے سامنے تن کر کھڑی تھی۔

مزید کچھ بولنے سے قبل اس نے اپنے شدید ترین غصے کو کنٹرول کیا۔ نفرت اور غیض و غضب سے بھرے انداز کو سرد اور سپاٹ انداز میں تبدیل کیا۔

"میری بیٹی کہاں رہے گی، کیا اس کا کہاں علاج ہوگا۔ اب سے یہ فیصلہ صرف میں کروں گا۔ تم سے نہ میں نے تمہاری رائے مانگی ہے نہ مرضی پوچھی ہے۔ اتنی چھوٹی بچی کو میں اس کی ماں سے جدا نہیں کرسکتا اس لیے اگر تم آنا چاہو تو شوق سے ساتھ آجانا، ورنہ کل اپنی بیٹی کو تو میں یہاں سے ہر حال میں لے ہی جاؤں گا۔"

اپنی بات ختم کرکے وہ اس کے تاثرات دیکھے بغیر ایک سیکنڈ کے اندر دروازے کا لاک کھول کر اس تنگ اور بدبودار جگہ سے باہر نکل آیا تھا۔

اب اس کے سامنے دو اہم ترین کام تھے۔ پہلا یہ کہ شہر کے سب سے بہترین کارڈیالوجسٹ سے نزدیک ترین اپائنٹمنٹ لے لے اور دوسرا اپنی بیٹی کے لیے اس کے شایان شان رہائش کا انتظام۔ جو اس کا گھر کا تھا، وہ اس کی بیٹی ہی کا تھا۔ اس کا حق تھا کہ وہ اپنے باپ کے گھر جائے، وہاں رہے۔ مگر وہ اسے اس طرح بالکل اچانک اپنے گھر نہیں لے جاسکتا تھا، وہ وہاں اکیلا

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
خوشبو کا گھر کوئی نہیں
رخسانہ نگار عدنان
قیمت ---/150 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

نہیں رہتا تھا۔ وہاں اس کی ایک ماں بھی رہتی تھیں۔ ساری دنیا میں وہ واحد شخصیت جو خرد احسان کے ہر کرتوت سے واقف تھیں۔ وہ ایک دم سے حریم کو ان کے پاس لے جا کر ان کے اعصاب اور ان کے جذبات کو کسی کڑی آزمائش اور توڑ پھوڑ سے نہیں گزارنا چاہتا تھا' کیا کہے گا وہ اپنی ماں سے۔

"میری گھر سے بھاگی بیوی ساڑھے چار سالوں بعد گوشہ گمنامی سے نکل کر اچانک ہی واپس آگئی ہے۔ میری ایک بہت بیمار چار سال کی بیٹی بھی اس کے ساتھ ہے؟"

وہ مرد تھا' اتنی بڑی بات آسانی سے جھیل گیا مگر اس کی ماں ایک کمزور بوڑھی عورت ہیں۔ وہ اپنی اپنی چار سالہ پوتی کے ہونے کی خبر پا کر وہ بھی اس اطلاع کے ساتھ کہ وہ شدید بیمار ہے نجانے کس اذیت' کس دکھ اور کس اضطراب سے گزریں۔

وہ اتنے بڑے بڑے صدمے دیکھ چکی تھیں کہ اب انہیں ایسی کوئی بھی بات ایک دم سے بتا کر وہ انہیں آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ انہیں حریم کے وجود سے آگاہی کچھ وقت ٹھہر کر اور حریم کے صحت یاب ہو جانے کے بعد دے گا۔

اس نے چند فون گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی کیے۔

رات ہو گئی تھی۔ شہر کے تمام اچھے کارڈیالوجسٹ کے متعلق معلومات حاصل کر لینے کے باوجود وہ ابھی کہیں پر بھی اپائنٹ نہیں لے سکتا تھا۔ اپائنٹ لینے کے لیے اسے صبح کا انتظار کرنا تھا مگر اپنا دوسرا کام وہ ابھی کر سکتا تھا۔ وہ اسی وقت دو تین اسٹیٹ ایجنٹس سے ملا۔ پیسہ ہاتھ میں ہو تو کوئی کام ناممکن نہیں رہتا۔

رات بارہ بجے جب ایک پوش علاقے کی شاندار رہائشی عمارت سے باہر نکل کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا تب اس بلڈنگ کے فرسٹ فلور پر چار کمروں کا ایک فرنشڈ لگژری اپارٹمنٹ وہ کرائے پر حاصل کر چکا تھا۔ کل صبح ڈاکٹر سے اپائنٹ لینے کے بعد اسے یہاں آکر ضرورت کا کچھ دوسرا سامان رکھنا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ کل شام یا رات تک اس سارے کام سے فارغ ہو کر اپنی بیٹی کو یہاں لے آئے گا۔

"نہیں کیا ہو گیا ہے خرد!" اشعر نے حریم کو اپنی بیٹی تسلیم کر لیا ہے۔ بجائے اس بات پر خوش ہونے کے تم نجانے کہاں کا قصہ لے بیٹھی ہو۔" اشعر کے چلے جانے کے چند گھنٹوں بعد رات میں اس کی افشین سے فون پر بات ہو رہی تھی۔

"صرف تسلیم نہیں کیا' وہ اس پر حق جتا رہا ہے۔ میں نے اس سے صرف حریم کے علاج کے لیے پیسے مانگے تھے اور وہ۔۔۔" افشین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اس میں برائی کیا ہے خرد! صرف اپنی انا کا مسئلہ سوچو' حریم کا سوچو۔ اگر اس سنگ دل انسان کے دل میں اللہ نے رحم ڈال ہی دیا ہے کہ وہ حریم کو اپنی اولاد مان رہا ہے تو تم بچکانہ پن کا ثبوت مت دو۔ اس وقت تمہارے سامنے صرف حریم کا علاج ہونا چاہیے۔ الحال اہمیت اس کی صحت اور اس کی زندگی کی ہے۔" افشین اسے تدبر سے سمجھا رہی تھی۔

حریم کو اس شخص نے "میری بیٹی" کہا تھا تو اسے خوشی نہیں ہوئی تھی' اپنے دامن پر پڑے چھینٹے دھونے پر کوئی مسرت نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے غصہ آیا تھا۔ زبانی دعوے کرنے والا باپ۔ جو بیٹی کی زندگی کے مرحلے پر کبھی اس کے ساتھ نہ تھا۔ تقدیر نے اسے اس موڑ پر لا کر نہ کھڑا کیا ہوتا' وہ اتنی بے بس نہ ہوتی تو اس شخص کے سائے سے بھی اپنی بیٹی کو بہت دور رکھتی مگر اب اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

افشین سے بات ختم کر کے وہ موبائل میز پر رکھ حریم کے پاس آئی تو وہ گدے پر لیٹی اس کے لاکٹ سے کھیلتی نظر آئی۔ زمرد اور ڈائمنڈز سے سجا یہ بہت بیش قیمت اور خوب صورت لاکٹ تھا۔ اسے اپنے وجود سے کبھی جدا نہ کرنے کا اس نے خود سے وعدہ بھی کیا تھا مگر خود سے کیا ہر وعدہ اسی روز ٹوٹ گیا تھا جب اس نے سرکاری اسپتال میں موت سے لڑتے اس نے اپنی بیٹی کو جنم دیا تھا۔ تب ان تنہائیوں میں نفرتوں کی انتہا پر پہنچ کر اس نے وہ نیکلیس گلے سے اتار کر پھینک دیا

تھا اور جو بعد میں غالباً" کسی ایمان دار نرس نے وہاں فرش پر پڑا دیکھ کر اس کے بیگ میں ڈال دیا تھا پھر وہ بیگ اسی بیگ کی سامنے والی جیب میں سالوں تک پڑا رہا تھا۔ یہ تو ابھی چھ ماہ قبل جب وہ کارڈیالوجسٹ کے پاس علاج کے لیے حریم کو لے کر کراچی آرہی تھی تب اس بیگ کو الماری سے نکالا تھا تاکہ اس میں اپنا اور حریم کا سامان رکھ سکے تب اس بیگ میں سے یہ نیکلس نکلا تھا۔ حریم بیڈ پر اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے اٹھانے سے قبل ہی اس نے وہ نیکلس اٹھالیا تھا۔ اسے الٹ پلٹ کر توجہ سے دیکھتے اس کے ہاتھ سے اس میں موجود لاکٹ کھل گیا تھا اور اس لاکٹ میں موجود وہ تصویر بھی اس کی نگاہوں کے سامنے آگئی تھی۔

"ماما! یہ کون ہیں؟"

"یہ تمہارے پاپا ہیں حریم!" ایک نہ ایک دن وہ اس سے اپنے باپ کے متعلق سوال ضرور کرتی۔

وہ حریم کا ذہن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اور پھر اس نے حریم کے ذہن پر باپ کا ایک اچھا سا نقش بٹھانا شروع کیا تھا۔ حریم کو اس تصویر سے متعارف کراتے اس نے اسے بتایا تھا کہ اس کے پاپا کہیں بہت دور دوسرے شہر میں رہتے ہیں۔ وہ حریم سے بہت پیار کرتے ہیں اور تب ہی اس نے اس بہت چھوٹی اور کچھ بچی کی ذہنی سطح کے مطابق اس کے باپ کے کہیں دور دراز جگہ پر رہنے کی ایک بہت خوبصورت اور فرضی کہانی اسے سنائی تھی۔ اس نے اسی روز خود سے یہ پختہ عہد کیا تھا کہ وہ حریم کے سامنے اس کے باپ کا ایک بہت اچھا خاکہ بنا کر پیش کرے گی اور دو تین سال بعد جب حریم ذرا اور سمجھ دار ہو جائے گی تو اسے بتائے گی کہ وہ دوسرا شہر آخر ہے کتنا دور جو اس کا باپ اس سے ملنے آ ہی نہیں پاتا تب اس کے کسی بھی بات کے سوچنے سے پہلے ہی وہ اس کے جیتے جاگتے باپ کو مار دے گی۔ اس کا بہت خیال کرنے والا ایک آئیڈیل باپ جو اس کے پاس آنے ہی والا تھا کہ موت نے اسے آلیا۔ حریم کے لیے باپ کی موت کو قبول کرنا آسان ہو گا بہ نسبت اصل تلخ اور ذلت آمیز سچائی کے جاننے کے۔

حریم نے وہ لاکٹ اس سے لینا چاہا تو اس نے چین میں سے نکال کر وہ لاکٹ اسے دے دیا تھا۔ وہ لاکٹ حریم کے دیگر کھلونوں کے ساتھ پڑا رہتا تھا اور دن بھر اپنے کھلونوں سے کھیلنے کے دوران ان پانچ چھ ماہ میں وہ اس تصویر کے ایک ایک نقش کو بہت اچھی طرح پہچان ہو چکی تھی۔ اور اس کے خیال میں اس کی ماما نے ٹھیک کہا تھا فوٹو والے پاپا اس سے پیار کرتے تھے اور وہ دوسرے شہر سے جو بہت دور تھا آ نہیں سکتے تھے۔ اس سے آگے سوچنے سمجھنے والی اس کی عمر ہی نہیں تھی۔

وہ خاموشی سے آکر حریم کے برابر گدے پر لیٹ گئی۔ اپنے کھلونے سے کھیلتی لاکٹ کو کھولتی بند کرتی حریم اپنے کام میں مگن رہی۔ یہ کمرہ جو ریحانہ نے سونے کے لیے اسے اور حریم کو دے رکھا تھا، دراصل ان کے اس چھوٹے سے فلیٹ کا وہ دوسرا کمرہ تھا جسے وہ لوگ بطور ڈرائنگ روم استعمال کرتے تھے۔ دو چھوٹے چھوٹے کمروں کا وہ فلیٹ ان کی کائنات تھا۔ ان دنوں خرد اور حریم کے زیر استعمال تھا۔ خرد کو اس کا بہت زیادہ احساس تھا۔ ان لوگوں کی وجہ سے فضہ بے چاری کے پڑھنے تک کے لیے فلیٹ میں کوئی جگہ نہیں بچی تھی۔ اتنی زحمت اٹھانے کے باوجود مجال تھی جو ریحانہ یا فضہ اس پر ایسی کوئی بات ظاہر کرتیں کہ اس کی وجہ سے انہیں کچھ مشکل پیش آرہی ہے۔ ان کی مہمان نوازی اور خلوص کی وجہ سے وہ ان کی احسان مند تھی۔

☆ ☆ ☆

"بھائی شادی کے لیے کیوں نہیں مان جاتے۔ ممی! آپ انہیں فورس تو کریں۔ آخر اس طرح تنہا زندگی کب تک گزارتے رہیں گے۔" یہ بات ان سے ابھی کچھ دیر قبل فون پر کنزیٰ نے کہی تھی۔ دونوں بہنیں دور رہتی تھیں پر اس دوری میں بھی انہیں اکلوتے بھائی کی زندگی کی تنہائی اور ویرانی کی فکر ستائے رکھتی

تھی۔ میں جتنا سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں، کرتی ہوں بیٹا! دیکھو شاید اسے قائل کرپاؤں۔ کوشش تو پوری کررہی ہوں۔" ایک دکھ بھری سانس بھرتے ہوئے انہوں نے کنزیٰ کو جواب دیا تھا۔ اس سے گفتگو کے دوران تو انہوں نے خود کو بدقت روتے سے روکے رکھا تھا مگر اب فون بند کردینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی بری طرح رو رہی تھیں۔ وہ ایک بہت بہادر اور حوصلہ مند عورت تھیں۔ اپنی این جی او چلانے والی ایک مشہور سوشل ورکر اور پروفیشنل کے طور پر جانتے تھے، کبھی کسی نے انہیں روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ کامیاب سوشل ورکر اور پروفیشنل کے طور پر جانتے پھر اکلوتے بیٹے کی زندگی کی بربادی۔ ان کا دل کٹتا تھا، وہ انہیں کیا بتاتیں کہ اشعر اس موضوع پر ان کی ایک بات بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جو کچھ خرد نے اس کے ساتھ کیا، اس کی سزا وہ خود اپنے آپ کو دے رہا تھا۔ کتنی بار انہوں نے چاہا تھا اشعر ان سے خرد کے متعلق بات کرے۔ اس کے لیے جتنی نفرت اور جتنا غصہ اس کے اندر ہے، وہ سب بول کر اپنے اندر کا سارا غبار نکال دے مگر وہ خرد کے بارے میں بات کرنا تو کجا، اس کا نام سننے کے لیے بھی آمادہ نہیں تھا۔

خرد نے در حقیقت اشعر کے ساتھ کیا کیا تھا، یہ انہوں نے کسی بھی فرد کو یہاں تک کہ اپنی دونوں بیٹیوں تک کو بھی پتا نہیں چلنے دیا تھا۔

سمونا اور کنزیٰ بس یہ جانتی تھیں کہ خرد کسی بھی وجہ کے بغیر اشعر کو چھوڑ کر چلی گئی تھی اور اشعر نے خرد کے چلے جانے کو اتنا زیادہ دل پر لے لیا تھا کہ وہ اب زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنے پر آمادہ ہی نہیں تھا۔

وہ پوری پوری رات آفس سے گھر نہیں آتا۔ گھر آجاتا تو ساری ساری رات کمرے میں جاگ کر سگریٹیں پیتے ہوئے گزار دیا کرتا تھا۔ ان کا وہ خوش مزاج زندگی کو بھرپور انداز میں جینے والا بیٹا جیسے ہمیشہ کے لیے کہیں کھو گیا تھا۔ تین ساڑھے تین سال پہلے تک وہ سوچا کرتی تھیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ اشعر خود کو سنبھال لے گا مگر وہ تو اتنے سالوں بعد آج بھی اول روز جیسا ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

خرد سے اس کی محبت بھرپور تھی، اس کا اظہار محبت والہانہ تھا لیکن اس کی اس محبت اور اظہار محبت کے باوجود خرد کے دل میں پتا نہیں کس کھرچ کے وسوسے تھے۔ اشعر، بصیرت حسین اور فریدہ ان تینوں ہی کا سوشل سرکل بہت وسیع تھا۔ سو آئے دن گیٹ ٹو گیدرز اور پارٹیوں کا اہتمام رہا کرتا۔ کبھی یہ لوگ کہیں مدعو ہوتے اور کبھی ان کے گھر پر کوئی پارٹی، کوئی ڈنر ہو رہا ہوتا۔ اس نے نوٹ کیا کہ خرد ان تمام پارٹیز میں اپنی تیاری کے حوالے سے بہت کانشس رہتی تھی۔ ایسا کب سے ہوا اور کیوں ہوا۔ یہ وہ نہیں جانتا تھا لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس کے حلقہ احباب میں شامل ماڈرن اور اسٹائلش لڑکیوں کے ساتھ اپنا موازنہ کرتی ہے اور یہ بات اسے بالکل بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ اگر وہ وہ کسی مل اونریا انڈسٹریلیسٹ کی بیٹی نہیں تھی۔ اگر اس نے کسی نامی گرامی مشہور اور بڑے تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی تو یہ کوئی کمی نہیں تھی، یہ کوئی برائی نہیں تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ خرد اپنے بارے میں ویسی ہی کانفیڈنٹ، ویسی ہی پراعتماد رہے جیسے پہلے تھی۔ کسی بیوروکریٹ، کسی صنعت کار کی بیوی یا بیٹی اگر اس سے، وہ شادی سے پہلے کہاں رہتی تھی اور اس کے والد کیا کرتے تھے جیسی باتیں مغرورانہ انداز میں پوچھے تو ان سوالوں کے جواب دیتے وہ خود کو ان کے مقابل کم تر نہ سمجھنے لگے۔ وہ جانتا تھا اس کی کلاس کی اکثر خواتین انسانوں کو ان کی خوبیوں اور خامیوں سے نہیں، ان کی حیثیت اور فیملی بیک گراؤنڈ سے تولا کرتی تھیں لیکن وہ خرد کو بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ نہ پہلے کسی سے کم تر تھی، نہ اب کسی سے کم تر ہے لیکن اسے کوئی مناسب موقع نہیں مل رہا تھا پھر اس روز جب انہیں ایک پارٹی میں جانا تھا،

تب اسے یہ موقع خود خرد ہی نے دے دیا تھا۔ وہ آفس سے آنے کے بعد کمرے میں رائٹنگ ٹیبل کے آگے بیٹھا ایک فائل کے مطالعے میں مگن تھا۔ ایک اہم رپورٹ تھی جو اسے آج شام ہی ان کے دبئی کے برانچ آفس میں مارکیٹنگ منیجر کی جانب سے موصول ہوئی تھی۔ وہ کافی سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ رپورٹ دیکھ رہا تھا۔ خرد بھی کمرے میں تھی۔ وہ وارڈروب کھولے پارٹی میں جانے کے لیے اپنے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"زیادہ اچھا کلر گرین ساڑھی پر بنا ہے مگر رات کے لائٹنگ میں بلیک کلر زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ہے نا؟"

"ہوں۔" فائل سے سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھتے اس نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔ اس کی توجہ پوری کی پوری اپنی زیر مطالعہ رپورٹ پر ہی تھی۔ خرد نے ہاتھوں میں دو ہینگرز پکڑ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک پر سیاہ رنگ کی ساڑھی تھی اور ایک پر سبز رنگ کی۔

"یہ بلیک ساڑھی زیادہ اچھی لگے گی نا پارٹی میں؟"

"ہاں۔" اس کا جواب پھر سرسری تھا۔

"آپ میری بات سن رہے ہیں نا؟"

"سن تو رہا ہوں۔" اس کے خفگی لیے سوال کا اس نے پھر بے دھیانی سے ایک نظر اس پر ڈالتے جواب دیا۔

"سن نہیں رہے بلکہ سننے کا تاثر دے رہے ہیں۔ اس فائل کو سامنے سے ہٹا کر میری بات دھیان سے سنیں۔"

وہ اس کے خفا خفا سے چہرے کو دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا۔

"میرا سارا دھیان آپ کی طرف ہے جناب! اب آپ فرمائیے کیا کہہ رہی تھیں۔" اس نے فائل بند کر کے اپنے سامنے سے ہٹائی۔

"کچھ نہیں کہہ رہی تھی میں۔ صرف یہ سوچ رہی تھی کہ کسی بھی لڑکی کو کبھی کسی ایسے کام کے جنونی سے شادی نہیں کرنی چاہیے جو شام میں آفس سے واپس آتے پورا کا پورا آفس گھر اٹھا کر لے آتا ہو۔"

ماہنامہ کرن

اگست 2007 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ مشہور و معروف اداکار اور ہدایت کار "عادل مراد" سے ملاقات،
☆ اداکارہ "فائزہ حسن" "دوکا پہاڑہ" کی زد میں،
☆ "پیا کا گھر پیارا لگے" میں "فرح اقبال حسین" کی باتیں،
☆ "ماں جی" خوبصورت سلسلہ رابعہ افتخار شیخ کے قلم سے،
☆ "آواز دے کہاں ہے" قارئین کے پیغامات،
☆ "راہِ جنوں" نگہت سیما کا ناول اپنے اختتام کی طرف،
☆ "بساط دل" آمنہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
☆ فوزیہ یاسمین اور نبیلہ عزیز کے مکمل ناول،
☆ رخسانہ نگار عدنان، شگفتہ بھٹی، رضوانہ ارشاد احمد مدیحہ تبسم اور صبا تبسم کے ناولٹ،
☆ صائمہ احمد، امیقہ انا، عطیہ انعام الحق، فارینہ جاوید اور نزہت جبیں ضیاء کے افسانے اور مستقل دلچسپ سلسلے،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

خواتین گھر بیٹھے اپنی آمدنی میں اضافہ کریں۔ کرن کتاب
"خواتین روزگار"
اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کرے گی۔ جو کرن کے ہر شمارے کے ساتھ تحفے میں دستیاب ہے۔

خرد کا اپنے ساتھ بے تکلف انداز گفتگو اسے بہت اچھا لگا تھا۔ اس لیے کہ اس بے تکلفی تک اسے لانے کے لیے اس نے حقیقتاً" بڑی محنت کی تھی۔ اسے اپنی محبت' اپنی چاہت کا ہزار طرح سے یقین دلایا تھا۔ اس وقت بھی وہ اس کے لفظوں سے زیادہ اس کے ناز بھرے حق جتاتے انداز کو پوری طرح محسوس کرتا' مسکراتے ہوئے رائٹنگ ٹیبل پر سے فوراً" اٹھا۔

"خدایا اتنی بدگمانی! اتنا کھویا ہوا بھی نہیں بیٹھا تھا میں۔ مجھے پتا ہے اس وقت کون سا مسئلہ زیر غور ہے۔ میری بیگم پارٹی میں بلیک ساڑھی پہن کر جائیں یا گرین۔"

"یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا مذاق اڑایا جائے۔" وہ اس کے غیر سنجیدہ انداز کا برا مانتے ہوئے منہ پھلا کر بولی۔ وہ اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"مذاق اڑاؤں گا' وہ بھی اتنے سنجیدہ مسئلے کا؟" لبوں پر ایک شرارت بھرا تبسم لیے وہ خرد کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ سیریس نہیں ہو رہے۔ میں پارٹی میں اچھی لگنا چاہتی ہوں۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ اس کے اعصاب پر اس وقت صرف اور صرف وہ پارٹی سوار تھی جہاں آج انہیں جانا تھا۔

"کس کے مقابلے میں؟" وہ اپنی غیر سنجیدگی ترک کر کے یک دم ہی سنجیدگی سے بولا۔ اتنی دیر سے وہ غیر سنجیدہ تھا مگر اب اچانک ہی اسے احساس ہوا تھا کہ شاید یہی وہ مناسب وقت ہے جب وہ خرد سے وہ بات کر سکتا ہے۔ اسے یہ خدشہ لاحق تھا کہ وہ نازک سی لڑکی ہرٹ نہ ہو مگر اب تو اسے اس کے دل کی بات کرنے کا موقع خرد خود ہی دے رہی تھی۔ اگر اس کے حلقہ احباب یا خاندان کے کسی فرد نے خرد سے کوئی ایسی بات کہی تھی جو اس کے اس کامپلیکس کا سبب بنی تھی تو وہ اسے باور کرا دینا چاہتا تھا کہ اس کے مڈل کلاس بیک گراؤنڈ کے حوالے سے اسے کچھ کہنے والا انسان دراصل اس سے جلن اور حسد میں مبتلا ہو گا۔

"احمق ہو تم جو ان فیشن زدہ فضول لڑکیوں کے ساتھ اپنا کمپیریژن کرتی ہو۔ تم ان سب سے کہیں زیادہ اچھی ہو۔ مجھ سے پوچھو تو تم سب سے اچھی ہو۔ تمہاری سادگی تمہاری سب سے بڑی خوبصورتی ہے۔ تم اندر باہر سے ایک جیسی ہو جو ہو نہیں' وہ ظاہر بھی نہیں کرتیں ان مصنوعی لڑکیوں کی طرح۔"

اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر محبت بھری مضبوطی کے ساتھ جما کر وہ سنجیدگی اور رسانیت سے کہہ رہا تھا۔ خرد کے ہاتھوں سے اس نے وہ دونوں ہینگرز لے کر پیچھے بیڈ پر اچھالے اور دوبارہ اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر بولا۔

"مائی سوئیٹ وائف! تمہیں اچھا لگنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں' تمہیں کسی فیشن پریڈ میں حصہ لینے کی ضرورت نہیں۔ تم ان نیلی پیلی ساڑھیوں اور ڈھیر ساری جیولری اور میک اپ کے بغیر اس سادہ انداز میں بھی بہت اچھی لگتی ہو۔ تم ہمیشہ اور ہر انداز میں اچھی لگتی ہو۔ تمہارے جتنا اچھا کوئی اور لگ ہی نہیں سکتا۔"

وہ بہت سچائی اور پورے دل سے اس کی تعریف کر رہا تھا اور وہ لبوں پر مدھم سی مسکان لیے تعریف وصول کر رہی تھی لیکن اسے اپنے کچھ اور قریب کر کے جو اس نے ذرا گہری نگاہیں اس پر ڈالیں وہ حسب عادت فوراً" پلکیں جھکا گئی۔ اس کے اس شرمیلے انداز سے محظوظ ہوا۔ اسے یہ سوچ کر ہنسی آئی کہ جن لڑکیوں کو خود سے برتر محسوس کر کے وہ ان جیسا بننے کی کوشش کر رہی تھی' لاکھ کوششیں کر لیتی' تب بھی ان جیسی بے دھڑک اور بے باک نہیں بن سکتی تھی۔

"تمہیں تو واقعی میک اپ کی کوئی ضرورت نہیں۔" اور پھر ہولے سے اس کے سرخ پڑتے رخسار کو چھو کر بولا۔

"مجھے نہیں پتا تھا' اکیسویں صدی میں لڑکیاں اب بھی شرماتی ہیں اور شرمائیں تو ان کے گال بلش بھی کرتے ہیں۔" اس نے اپنے بازوؤں کا پیار بھرا حصار اس کے گرد مزید مضبوط کیا اور پھر آہستہ سے اپنا پیار

بھری سرگوشی کی۔ ”تمہیں پتا ہے خرد! تم میرے لیے کتنی خاص ہو، کتنی اہم ہو۔ کبھی خود کو کسی سے کم تر مت سمجھنا۔ اگر تم نے کبھی خود کو کسی کے مقابلے میں کم تر سمجھا تو مجھے لگے گا کہ شاید میری محبت میں کوئی کمی رہ گئی ہے جو تمہیں میری زندگی میں اپنے سب سے اہم اور سب سے خاص ہونے کا یقین نہیں۔“

اور پھر اس رات جب وہ دونوں اس پارٹی میں آئے، تب گاڑی سے اتر کر اندر داخل ہوتے اس نے خرد کا ہاتھ تھام لیا۔

”ہاتھ چھوڑیں پلیز۔“ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ مگر وہ ان سنی کرتا اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر داخل ہو چکا تھا۔

وہ اسے ساتھ لیے اپنے تمام جاننے والوں سے یوں مل رہا تھا جیسے کوئی خود کو ملنے والے کسی اعلا ترین اعزاز کو سب کو دکھاتا پھرے۔ پاگل تھی خرد جو اسے اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ خود کو دوسروں سے بہت بلند اور خاص سمجھتی یہ فیشن زدہ لڑکیاں درحقیقت اس کے آگے خود کو کتنا کم تر اور حقیر سمجھتی ہیں۔ اس سے کس قدر حسد کرتی ہیں۔

اس روز اپنے ہر ہر انداز سے اس نے خرد کو یہ باور کرایا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے چٹ پر نمبر دیکھ کر خرد کا موبائل نمبر ملایا۔

”ہیلو! کال فورا“ ریسیو کی گئی تھی۔

”میری حریم سے بات کراؤ۔“ اس نے سرد اور بے تاثر لہجے میں فورا“ کہا۔

اسے ”ہولڈ کیجیے“ وغیرہ جیسا کوئی جملہ کہے بغیر دوسری طرف اسی کے سے سرد لہجے میں حریم کو پکارا گیا تھا۔

”حریم... آؤ بات کرو، تمہارا فون ہے۔“ حریم کی آواز اس نے فورا“ ہی سنی تھی۔

”ہیلو پاپا!“ شاید خرد اسے پہلے ہی اشارتا“ سمجھا چکی تھی کہ اس کے باپ کا فون ہے۔

”ہیلو بیٹا! کیسی ہو؟“

”فائن پاپا!“

”ویری گڈ۔ اچھا بیٹا! میں نے اس لیے فون کیا ہے کہ میں تھوڑی دیر میں آپ کو لینے آرہا ہوں۔ آپ تیار ہو جاؤ۔“

”جی پاپا!“ اسے اپنی بیٹی کے بات کرنے کا مہذب انداز بہت اچھا لگ رہا تھا۔ چار سال کی عمر کے لحاظ سے وہ کافی سمجھ دار، مہذب اور شائستہ سی بچی تھی۔

اس نے حریم کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا اور ایک آخری نگاہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کے لیے سجائے اس اپارٹمنٹ پر ڈالی۔ صبح سویرے سے وہ یہاں کی تزئین و آرائش میں مصروف تھا۔ اپارٹمنٹ کی سجاوٹ کے ساتھ ہی وہ شہر کے سب سے نامور اور قابل کارڈیالوجسٹ اور بچوں کے دل کے امراض کے ماہر سرجن ڈاکٹر عابد انصاری سے کل کا اپائنٹمنٹ بھی لے چکا تھا۔

اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ گاڑی کی چابی اٹھا کر وہ وہاں سے باہر نکل آیا۔ وہ ایک بار پھر اس تنگ و تاریک فلیٹ پر پہنچا تو اس کے بیل کرنے پر اندر سے ”کون ہے؟ کیا پاپا ہیں؟“ کی باریک سی سوالیہ آواز نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

”جی، پاپا ہیں۔“ اس نے فورا“ ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اشعر کی اس پر نظر پڑی تو وہ پنک بلاؤز اور بلیو اسکرٹ پہنے بالکل تیار نظر آئی۔ اس نے پیروں میں بلاؤز سے میچ کرتے پنک کلر کے شوز پہن رکھے تھے اور سر میں جو ڈھیر سارا آرائشی سامان پھلوں، پھولوں اور اسٹارز سے مزین ہیئر کلپس اور بینڈ کی صورت میں سجا نظر آرہا تھا، وہ سب بھی تمام تر پنک اور بلیو کلرز ہی کا تھا۔ شاید اس کی بیٹی کو سجنے سنورنے کا بے حد شوق تھا۔

وہ اس کی تیاریوں کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حریم نے اسے سلام کر کے ہاتھ ملانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو بجائے اس کا ہاتھ تھامنے کے اس نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

لاتعلق خاموشی سے بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ حریم باپ سے کیا کیا باتیں کر رہی ہے' اس سے بھی اسے کوئی مطلب نہیں تھا۔

"پاپا! Songs لگائیں۔" حریم کو گانے سننے کا شوق ہو رہا تھا۔ میوزک جیسی تفریحات سے وہ عرصے سے دور تھا۔ کوئی سی ڈی' کوئی کیسٹ گاڑی میں نہ ہونے کے سبب اس نے ریڈیو لگا دیا۔ ایف ایم کا کوئی سا چینل تھا جس پر گانے چل رہے تھے۔ گاڑی اس نے بلڈنگ کے بیس منٹ میں موجود پارکنگ میں لا کر کھڑی کی۔

گاڑی سے اتر کر وہ پیچھے آیا۔ پچھلا دروازہ کھول کر اس نے حریم کو گود میں اٹھا لیا اور پھر ڈکی کی طرف آگیا۔ ان بیگز میں سے ایک بیگ جس پر کچھ کارٹون کریکٹرز بنے ہوئے تھے' اس نے پنک گلر کا وہ بیگ دوسرے ہاتھ میں اٹھا لیا تھا۔ تب تک خرد بھی گاڑی سے اتر چکی تھی۔ وہ ڈکی کے سامنے سے ہٹ گیا۔ خرد نے دوسرا بیگ ہاتھ میں اٹھا لیا اور سنجیدہ انداز میں کھڑی رہی۔ حریم کو گود میں لیے اس نے چلنا شروع کیا' تب وہ بھی چلنے لگی۔ وہ اس سے کافی پیچھے چل رہی تھی۔ وہ اس سے بے زار ہے' وہ اس سے نفرت کرتی ہے' وہ اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی' یہ سب کچھ اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر تھا۔ زندگی میں یہ تماشا اشعر حسین واقعی پہلی بار دیکھ رہا تھا جب ایک مجرم اپنے جرم پر شرمندہ ہونے کے بجائے اسی کو نفرت سے یوں دیکھے جیسے ایک مظلوم کسی ظالم کو دیکھتا ہے۔ یہ نجانے ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کا کون سا انداز تھا۔

وہ لفٹ کی طرف آگیا۔ خرد احسان کے ہاتھ میں موجود بھاری بیگ اسے لفٹ کی طرف لے آیا تھا اور بٹن کا بٹن دباتے پہلے وہ خود جھنجلایا پھر یہ سوچ کر خود پر جبر کیا کہ ایسا اسے اللہ نے بنایا ہے۔ وہ اپنے بدترین دشمن کے ساتھ بھی جواب میں کبھی وہ کچھ نہیں کر سکتا جو اس دشمن نے اس کے ساتھ کیا ہو۔ جو خرد نے اس کے ساتھ کیا تھا' اگر جواب میں وہ بھی وہی کر رہا ہوتا تو اپنی بیٹی کو اس سے چھین کر لے آیا ہوتا۔ آج خرد احسان یہاں اس کے ساتھ نہ آ رہی ہوتی۔

اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر وہ حریم کو گود میں لیے اندر داخل ہوا۔

"یہ حریم کا گھر ہے۔ کیسا لگ رہا ہے یہ گھر' اچھا ہے؟"

اندر آ کر اس نے حریم سے کہا۔ وہ دلچسپی سے چاروں طرف نظریں گھماتی اپنے اس نئے گھر کو دیکھ رہی تھی۔

"ہم ریحانہ آنٹی کے گھر نہیں جائیں گے؟"

"اب سویٹ ہارٹ' تم کہیں بھی نہیں جاؤ گی۔ ہمیشہ پاپا کے ساتھ رہو گی۔ یہ ہمارا گھر ہے' پاپا بھی یہیں رہیں گے اور پاپا کی پرنسس بھی یہیں رہے گی۔" وہ پیار سے اس کے گالوں کو چھوتے ہوئے بولا۔

"اور ماما بھی تو... ہیں نا ماما؟" حریم نے فوراً ہی کہا اور فوراً ہی پاس کھڑی خرد سے تصدیق بھی چاہی۔

خرد جواب میں لاتعلقی اور خاموشی سے کھڑی رہی تو ایک گہری سانس لیتے ہوئے اسے آہستگی سے حریم کو جواب دینا پڑا۔

"ہاں' تمہاری ماما بھی۔"

"پہلے کچھ دیر بیٹھنا ہے یا پہلے سارا گھر دیکھنا ہے؟"

"گھر دیکھنا ہے پاپا!" خرد کو وہیں چھوڑ کر وہ حریم کو اپنے ساتھ اندر لے آیا تھا۔ اس کی گود سے اتر کر اب وہ خود چلتی اس سے پہلے ہر کمرے میں بہت شوق سے داخل ہو رہی تھی۔ دلچسپی سے سب چیزوں کو دیکھ رہی تھی ڈرائنگ روم۔ لیونگ روم۔ کچن۔ بالکونی اور دیگر سب جگہیں دکھا لینے کے بعد وہ آخر میں حریم کو لے کر اس کمرے میں آگیا جو اس نے بڑی محبت سے خاص طور پر اس کے لیے تیار کیا تھا۔ فرنیچر سے لے کر دیگر چھوٹی چھوٹی چیزوں کا یہاں ایسا اہتمام کیا تھا جنہیں دیکھ کر حریم خوش ہو۔ حریم آنکھوں میں بے تحاشا دلچسپی لیے اس کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بیڈ پر پوہ کی جگہ رکھے pooh کو دیکھ کر بہت حیران ہوئی پھر جب بیڈ پوش کو غور سے

پیالے میں نوڈلز ڈالے اور کیچ اپ کی بوتل جو وہ خرید کر ساتھ لایا تھا وہ بھی کھول کر اس کے سامنے رکھ دی۔ حریم نے نوڈلز پر کیچ اپ ڈالونا چاہا تو اس نے تھوڑا سا کیچ اپ اس کے پیالے میں نوڈلز کے اوپر ڈال دیا۔

"پاپا! کیچ اپ اور۔" وہ تھوڑا سا ڈال کر بوتل واپس بند کرنے لگا تو وہ فوراً بولی۔

"یہ آپ نوڈلز کے اوپر کیچ اپ ڈال کر کھا رہی ہیں یا کیچ اپ میں تھوڑے سے نوڈلز ملا کر کھا رہی ہیں؟" کیچ اپ اس کے پیالے میں مزید ڈالتے وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"حریم کو کیچ اپ اچھا لگتا ہے پاپا! ماما اتنا اچھا کیچ آپ بناتی ہیں۔ حریم وہ سارا finish کر دیتی ہے۔" نوالہ منہ میں رکھتے اس نے جواب دیا۔ اس کے اوپری ہونٹ کے اوپر جو کیچ اپ لگ گیا تھا وہ اسے اور کیوٹ بنا رہا تھا۔

"جب میں تمہارے جتنا تھا تو مجھے بھی کیچ اپ بہت اچھا لگتا تھا۔ میری ماما بھی کیچ اپ بہت اچھا بناتی تھیں مگر میں کیچ اپ کے ساتھ ساتھ باقی کھانا بھی کھاتا تھا۔" اس کے لیے گلاس میں ایپل جوس ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔ حریم زبان سے ہونٹ کے اطراف لگا کیچ اپ صاف کرتے ہوئے اس بات پر بہت حیران ہوئی۔

"ماما؟ پاپا کی ماما؟" وہ اس کے حیرت بھرے بچکانہ انداز سے جی بھر کر محظوظ ہوا۔ پھر اپنی حیرت میں حریم نے دور بیٹھی خرد کو بھی شامل کرنا چاہا۔

"ماما! پاپا کی ماما؟"

"حریم! باتیں مت کرو۔ کھانا جلدی ختم کرو۔ پھر تمہیں میڈیسن بھی لینی ہے۔" وہ اپنی لاتعلقی اور بے گانگی ترک کر کے ایک دم ہی صوفے پر سے اٹھی اور حریم کے پاس آ کر غصے سے بولی۔

پھر حریم کے برابر والی کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھی اور حریم کے ہاتھ سے چمچ اور کانٹا لے کر خود اسے جلدی جلدی کھانا کھلانے لگی۔

"ماما! کیچ اپ اور۔" وہ منمنائی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے جو پلیٹ میں یہ ڈھیر لگا رکھا ہے اسے ختم کرو۔" الفاظ سے بھی زیادہ اس کا لہجہ اور نگاہیں غصے سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ اپنے غصے کو بمشکل پیتا۔ حریم کی طرف دیکھ کر بدستور مسکرا رہا تھا جو ماں کے غصے سے خائف سی ہوتی جلدی جلدی کھانا کھانے لگی تھی۔ اسے اپنے لیے نہیں اپنی بیٹی کے لیے اس عورت پر غصہ آیا۔ اس کی بیٹی معصومانہ باتیں کرتی باپ کے ساتھ اپنا پہلا ڈنر انجوائے کر رہی تھی اور اس سنگ دل عورت نے اس کے چہرے کی ہنسی بجھا کر اس پر ڈر اور خفگی طاری کر دی۔ ماں کے غصے سے ڈری حریم اس کے ہاتھوں سے بہت جلدی جلدی پیالے میں موجود سب نوڈلز ختم کر چکی تھی۔ خرد اسے فوراً ہی کرسی سے اٹھانے لگی۔

"ماما! حریم کی سوئیٹ ڈش۔"

حریم نے اٹھنے سے انکار کرتے کچھ احتجاجی انداز میں کہا۔ حریم نے اس سے اسٹرابیری آئس کریم کی فرمائش کی تھی۔ حریم کے لیے کھانے کا کوئی پرہیز نہیں تھا سوائے اس کے کہ اس کے کھانے میں نمک کی مقدار کم ہو اور چکنائی اس کی خوراک میں شامل نہ ہو۔ حریم کے لیے آئس کریم لانا اسے ٹھیک نہ لگا تو آئس کریم کے متبادل کے طور پر وہ اس کے لیے فروزن اسٹرابیری یوگرٹ لے آیا تھا جو کہ فیٹ فری بھی تھا اور حریم کے لیے اسٹرابیری آئس کریم کا ایک بہترین اور صحت مند متبادل بھی وہ دیگر بھی کئی فلیورز لے آیا تھا۔

"بس اب سوئیٹ ڈش کل کھا لینا۔ تمہاری دوا کو پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ ابھی کھانے بیٹھیں تو تمہاری میڈیسن اور نیند دونوں اور بھی لیٹ ہو جائیں گے۔" حریم کو مزید کسی احتجاج کا موقع دیے بغیر اس نے اسے گود میں اٹھایا اور سیدھی اس کمرے میں لے گئی جو اشعر نے حریم کے لیے سجایا تھا۔ اس کا کھانا کھانے کا موڈ مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا۔ اپنی پلیٹ میں موجود کھانا یونہی چھوڑ کر وہ میز پر سے اٹھ گیا۔ شیشے کا سلائیڈنگ ڈور کھول کر وہ بالکونی میں نکل آیا۔ ریلنگ پر

کر کہیں دور نہیں پھینک سکتا تھا۔ حریم ساتھ ہوگی تو وہ بھی ہوگی۔

وہ حریم کو آرام کرنے کا کہہ کر خود گاڑی کی چابی لے کر اٹھ گیا۔ باہر نکل کر اس نے دیکھا تو خرد اسے سامنے ہی لیونگ روم میں صوفے پر بیٹھی نظر آئی۔ بیگ اپنے پیروں کے پاس رکھ کر وہ صوفے پر بالکل لاتعلق سی بیٹھی تھی۔ یوں جیسے اسے اس جگہ اور اس منظر سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"حریم کو ڈاکٹر نے کچھ خاص پرہیز تو نہیں بتایا ہوا؟" اسے مخاطب کرنا مجبوری تھی سو بحالت مجبوری اس نے بے تاثر لہجے میں اس سے پوچھا۔ اس نے بھی اسی خشک انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر اس کے سوال کا جواب دے دیا تھا۔

پھر کھانا لا کر اس نے خود ہی ڈائننگ ٹیبل پر سب کچھ لگایا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی حریم بھی کمرے سے نکل آئی تھی مگر اس بار اس نے اسے چلنے پھرنے سے منع کر کے کچن میں کاؤنٹر پر چڑھا کر بٹھا دیا تھا۔ ٹیبل پر سب کچھ لگا چکا تو اس نے حریم کو گود میں اٹھا لیا اور اسے ڈائننگ ٹیبل پر لے آیا۔

"اپنی ماما کو بلا لو۔" ڈائننگ روم اور لیونگ روم کے بیچ کوئی دروازہ نہیں تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ وہ اتنی دیر سے یہیں بیٹھی برتنوں کی کھٹر پٹر یقیناً سن رہی تھی مگر گردن گھما کر اس سمت اس نے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ماما! کھانا کھالیں۔" اس نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے ماں کو آواز دی۔

"تم کھالو حریم! مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔"

یہ حق وہ عرصہ دراز پہلے کھو چکی تھی کہ وہ اس کے نخرے اٹھاتا۔ اس کی ناز برداریاں کرتا۔ نہیں کھا رہی تو نہ کھائے۔ وہ اس پر اور اس کے نخروں پر چار حرف بھیجتا کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک اچھے سے چائنیز ریسٹورنٹ سے وہ حریم کے لیے بہت مزے کے نوڈلز لایا تھا جس میں چکن اور ویجیٹیبلز بھی شامل تھے۔ اس نے حریم کے لیے

اپنے بازوؤں کا وزن ڈالے وہ سڑک پر دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کو بے توجہی سے کافی دیر تک دیکھتا رہا۔ یونہی کھڑے کھڑے اسے سگریٹ کی طلب ہوئی تو اپنے کمرے سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھانے کے لیے وہ بالکونی سے واپس اندر آیا۔ اس کے بالکل ساتھ والا کمرہ حریم کا تھا اور اس کمرے کے پاس سے گزرتے اسے خرد کی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔

"حریم! میرا دماغ مت خراب کرو۔ دوائی کھانے میں اتنے نخرے۔ آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے تمہاری منتیں کرتے۔ اب اگر تم نے مجھے تنگ کیا اور دوا نہیں لی۔ تو میں واقعی تمہیں ماروں گی۔"

وہ ایک زور دار دھماکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ حریم اور خرد دونوں نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ خرد ایک ہاتھ میں چمچہ جس میں کوئی سیرپ لیے کھڑی تھی۔ حریم بیڈ پر منہ بسورے بیٹھی تھی۔ وہ کھانے کے وقت سے ضبط کر رہا تھا۔ پتا نہیں کہاں کہاں کا اور کس کس کا غصہ وہ اس معصوم بچی پر اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ایک دم بہت تیزی سے حریم کے پاس آیا اور اسے گود میں اٹھا لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھ کر اس کا خون کھولنے لگا۔

"موڈ کیوں آف ہے میری پرنسس کا؟" مسکراتے ہوئے اس نے اس کے ماتھے پر پیار کیا اور اس کا چہرہ ہاتھ سے پکڑ کر اپنے بالکل سامنے کیا۔

"پاپا!" باپ کو اپنا ہمدرد پا کر اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور وہ آنسو دیکھ کر اشعر حسین کو یوں لگا جیسے کوئی اس کے دل میں سوئیاں چبھو رہا ہو۔ جیسے کسی نے اس کے کلیجے پر ہاتھ ڈالا ہو۔

"پاپا! ماما دوا دے رہی ہیں۔ پاپا دوا کروی ہوتی ہے۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتا اسے پیار کر رہا تھا جب وہ کڑوی کو کروی بولی۔ "ڑ" کی جگہ ر۔ بولنے کا اس کا انداز اتنا پیارا سا تھا کہ باوجود شدید ترین غصے کے وہ بے اختیار ہنسنے پر مجبور ہو گیا۔

"ہاں دوا کروی تو ہوتی ہے مگر کھانی تو پڑے گی پرنس۔ ورنہ جلدی سے ٹھیک کیسے ہو گی۔ ہوں؟" وہ اس کی ناک سے اپنی ناک ملاتے ہنستے ہوئے بولا۔

"اچھا یوں کرتے ہیں کہ پہلے ہم دوا لے لیتے ہیں اور پھر فوراً" اسٹرابیری یوگرٹ کھائیں گے۔ وہ اتنی میٹھی اور اتنی ٹیسٹی ہو گی کہ اسے کھا کر پھر پتا ہی نہیں چلے گا کہ دوا کتنی کروی تھی۔"

وہ اسی کے سے انداز میں بولا۔ پھر اسے گود میں لیے کمرے سے باہر کچن میں آ گیا۔ فریزر سے ایک کپ اور کٹلری کے اسٹینڈ سے ایک چمچ لے کر وہ اسے گود میں اٹھائے واپس کمرے میں آ گیا۔ جہاں ہاتھ میں دوا سے بھرا چمچہ لیے خرد ابھی تک کھڑی تھی۔

"دو ادو۔" بغیر دیکھے اس نے سرد لہجے میں اس سے کہا۔ اس نے چمچہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"جلدی سے۔ شاباش۔ تاکہ مجھے پتا تو چلے کہ میری پرنسس کتنی بہادر ہے۔" اسے پیار کرتے بہلاتے اس نے چمچ اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ پھر خود کو بہادر ثابت کرنے کے لیے یا شاید اس ٹھنڈی میٹھی اسٹرابیری یوگرٹ کے لالچ میں اس نے منہ کھول دیا۔

"دوا کروی ہے پاپا! سوئیٹ ڈش دیں۔" ابھی چمچ منہ میں گیا بھی نہیں اور اس نے کڑوے ہونے کا شور مچا دیا تھا۔ اس نے فروٹ یوگرٹ کا ایک چمچ بھر کر پکڑا ہوا تھا۔ دوا حلق سے اترنے بھی نہیں پائی ہو گی کہ حریم نے وہ چمچ جھٹ منہ میں لے لیا۔ بغیر دیکھے یا کچھ کہے اس نے خرد کی طرف دوسری دوا مانگنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"بس اور نہیں دینی۔" باقی دوا شاید وہ پہلے ہی دے چکی تھی۔ حریم اب کپ اپنے ہاتھ میں لیے جلدی جلدی یوگرٹ کھا رہی تھی۔ خرد حریم کو اس کی گود سے اٹھانے لگی تو خفگی سے منہ پھیر کر اس نے اس کے کندھے میں منہ چھپا لیا۔

"حریم! دانت برش کر کے سونا ہے۔ پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔"

"حریم آپ سے کٹی ہے۔ پاپا اچھے ہیں۔ پاپا حریم

کے فرینڈ ہیں۔"

"پاپا کے ساتھ سوؤ گی حریم۔؟" اس نے آہستہ سے اس کے کان میں پوچھا۔ اس کے کندھے میں منہ چھپائے چھپائے اس نے سر کو زور زور سے اقرار میں ہلایا۔

وہ اسے گود میں اٹھائے وہاں سے اپنے کمرے میں لے آیا۔ اسے بیڈ پر لٹا کر اسے سی چلایا اور پھر خود اس کے برابر میں تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔ سائڈ ٹیبل پر رکھے سگریٹ کے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر اس نے منہ میں دبائی سگریٹ کو شعلہ دکھانے ہی لگا تھا کہ اس کی حریم کے چہرے پر نظر پڑی۔ وہ آنکھیں حیرت سے وا کیے بڑی معصومیت اور دلچسپی سے اس کی اس تمام کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ جتنی کثرت سے وہ راتوں کو جاگ جاگ کر سگریٹس پیا کرتا تھا۔ وہ اس کی صحت کو کس طرح متاثر کرے گا' یہ پروا اسے کبھی نہیں رہی تھی۔ مگر سگریٹ کا یہ دھواں اس کی بیمار بیٹی کی صحت پر کیا اثرات ڈالے گا۔ یہ فکر اسے ایک پل میں لاحق ہوئی تھی۔ ایک سیکنڈ بھی نہیں لگا تھا اسے اس شعلے کو بجھانے میں۔ بڑی بے اختیاری کی کیفیت میں اس نے ایک لمحے میں سگریٹ واپس منہ سے نکالی تھی۔ سگریٹ اور لائٹر دونوں دوبارہ میز پر رکھ دیے تھے۔ حریم کے من موہنے چہرے کو محبت سے تکتا وہ اس کے برابر میں لیٹ گیا۔ وہ آنکھیں کھولے لیٹی تھی۔ شاید اسے ابھی نیند نہیں آرہی تھی۔

"حریم۔ نیند نہیں آرہی۔؟"

اس نے سر اقرار میں ہلایا پھر فوراً" ہی اس سے کہا۔ "پاپا۔ کہانی سنائیں۔" اس نے اپنا ننھا منا سا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

"کہانی۔؟" وہ ایک پل کے لیے چپ ہوا۔ پھر اس کی آنکھوں میں کہانی سننے کی خواہش کو دیکھتے سر اثبات میں ہلا گیا۔ یہ کام زندگی میں کبھی کیا نہیں تھا مگر کوشش کرکے وہ یاد کرکر کے جانوروں کی ایک کہانی اسے سنانے لگا۔ لیکن کچھ ہی دیر میں حریم کے چہرے پر جوش و خروش کم ہوتا نظر آنے لگا تھا۔

"کیا ہوا پرنسس۔ کیا کہانی اچھی نہیں ہے۔؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"ماما کے پاس جانا ہے۔" بغیر ہچکچاہٹ کے اس نے اسے اپنی بے چینی کی وجہ بتادی۔ ابھی ماں سے ناراض ہو کر اس سے منہ پھلا کر اس کے ساتھ یہاں آئی تھی اور اب تھوڑی ہی دیر بعد دوبارہ وہیں جانا تھا۔ وہ ماں اس کی بیٹی کے لیے اتنی زیادہ ناگزیر ہے۔ یہ احساس اسے کوخوشی نہیں دے رہا تھا مگر اس کی مجبوری تھی بیٹی کی خواہش پوری کرنا۔ وہ حریم کو گود میں اٹھا کر واپس اسی کمرے کے پاس آگیا۔ اس بار اس دروازے پر ناک کیا تھا۔ شرعی اور قانونی لحاظ سے یہ عورت ابھی بھی اس کی بیوی تھی جس نے اس کے ناک کرنے پر دروازہ کھولا تھا۔ اسے اگنور کرتا وہ سائڈ سے نکل کر کمرے کے اندر آگیا اور حریم کو بیڈ پر لٹا دیا۔ خرد واپس بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ حریم کو لٹا کر اسے پیار کرتا وہ وہاں سے ہٹنے لگا تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پاپا۔ اسٹوری تو finish کریں۔"

"پرنسس! اب باقی کی اسٹوری کل سنیں گے ٹھیک ہے۔؟"

"نہیں آج۔" وہ ضدی انداز میں بولی۔

اس نے خرد کی طرف تھوڑا سرکتے بیڈ پر اشعر کے لیے جگہ بنائی اور بولی۔ "پاپا۔ اسٹوری۔"

"سوئیٹ ہارٹ۔ باقی اسٹوری کل سن لیں گے ابھی تمہیں سونا ہے ناں۔"

"اسٹوری سنائیں' نہیں تو حریم روئے گی۔"

اس دھمکی پر ہار مان کر مسکراتا وہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ "ہاں تو ہم کہاں پر تھے۔؟" اس نے حریم سے پوچھا۔

"ایسے نہیں۔ لیٹ کر سنائیں۔" اس بار بغیر حجت اس کی ضد سے پہلے ہی ہار مان کر وہ اس کے پاس لیٹ گیا۔

"ماما۔ پاپا کو animals کی بہت اچھی اسٹوری آتی ہے۔" اس نے بیڈ کے دوسرے کونے پر لاتعلق

بیٹھی خرد کو مخاطب کیا۔ وہ جواباً کچھ نہ بولی۔

"ماما۔ ادھر آئیں ناں۔ لیٹیں ناں۔" حریم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کی لاتعلقی سے باہر نکال کر اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔

کچھ دیر قبل اس معصوم بچی پر بلاوجہ غصہ اتارتی۔ خرد نے اس بار مسکرا کر اسے دیکھا اور اس کی ضد پر اسے ڈانٹنے یا اس پر ناراض ہونے کے بجائے اس کے کچھ قریب ہوگئی۔ وہ لیٹی نہیں تھی ہاں مگر وہ حریم کے قریب ضرور ہوگئی تھی۔ وہ بیڈ پر بہت فارمل طریقے سے بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹانگیں سمیٹ کر بالکل سیدھی۔ حریم ان دونوں کے بیچ میں مزے سے لیٹی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ اس نے اشعر کے اوپر رکھا ہوا تھا اور دوسرے سے مضبوطی سے خرد کو پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسے کہانی سنانے لگا تھا اور کہانی صرف دس۔ بارہ منٹ سن کر ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ خرد آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی اور صرف چند منٹوں ہی میں وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

اس کے سونے کے بعد وہ ایک سیکنڈ میں اس کمرے سے باہر آگیا تھا۔ اس عورت کے ساتھ ایک کمرے میں اپنی موجودگی اس کی برداشت کا کڑا امتحان تھی۔ آج جو رویہ اس نے صرف اس پر اپنا غصہ اور اپنی نفرت ظاہر کرنے کے لیے حریم کے ساتھ اپنایا۔ وہ اس پر اسے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر حریم کی نیند خراب نہ ہو اس خیال سے اس وقت کچھ کہا نہیں تھا۔

صبح وہ معمول کے مطابق اپنے وقت پر بیدار ہوا۔ اپنے کچھ کپڑے اور ضروری سامان وہ کل گھر سے یہاں لے آیا تھا اس لیے آرام سے آفس جانے کے لیے تمام تیاری کرلی۔ کچن میں آکر ناشتے کے طور پر اس نے فرج میں سے دودھ کا ڈبا نکالا اور اس میں سے ایک گلاس ٹھنڈا دودھ یونہی بغیر شکر ملائے پی لیا۔

کچن سے نکل کر اس نے کوٹ پہنا۔ بریف کیس۔ موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھائی۔ اپارٹمنٹ سے نکلنے سے قبل وہ وہ حریم کے کمرے میں آیا۔ اس نے آہستگی سے دستک دی۔ خرد جاگی ہوئی ہی تھی تب ہی اس ہلکی سی دستک پر اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ حریم کروٹ لیے خوب گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کے قریب آیا۔ بہت آہستگی سے جھک کر اس کے ماتھے پر پیار کیا اور پھر خرد کو اپنے ساتھ باہر آنے کا اشارہ کرتا کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ اس کے پیچھے کمرے سے باہر آگئی تھی۔

"آج دوپہر دو بجے کا ڈاکٹر عابد انصاری کے پاس اپائنٹمنٹ لے رکھا ہے میں نے۔ اسے لنچ کرا کر تیار رکھنا میں ایک۔ سوا ایک بجے تک آجاؤں گا۔ اس کا اب تک جو جو ٹریٹمنٹ ہوچکا ہے اور جو کچھ میڈیسنز اسے دی جاتی رہی ہیں ان سب کی details (تفصیل) اور اس کے اب تک ہوئے تمام ٹیسٹوں کی رپورٹس سب کچھ تیار رکھنا۔" اس نے سرد لہجے میں اس سے کہا۔ خرد کے چہرے پر اس وقت لاتعلقی نہیں تھی۔ وہ پوری توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔ ہاں اس کی طرف دیکھنے والی اس کی نگاہیں ضرور سپاٹ اور بے تاثر تھیں۔

"میں نے حریم کے لیے ایک میڈ کا بندوبست کیا ہے۔ زینت خاتون نام ہے اس کا۔ شاید ابھی ایک۔ دو گھنٹے میں وہ یہاں آجائے گی۔ اس کے آجانے کے بعد حریم کے سارے کام وہ کیا کرے گی۔ میرے بیٹی اسے نخرے دکھائے یا اس کا وقت برباد کرے۔ میں اسے اس سب کی تنخواہ دوں گا۔ تمہیں اب میری بیٹی کے کاموں اور اس کے دوا نہ لینے پر چڑنے اور غصہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کل رات میں نے برداشت کرلیا۔ آئندہ کبھی تم اس پر چلائیں اور میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔"

اس کے لہجے میں برف کی سی ٹھنڈک تھی اور اس کے تاثرات دو ٹوک اور نفرت سے بھرے۔ اپنی بات ختم کرکے، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس شام وہ آفس سے قدرے جلدی آگیا تھا۔

بصیرت حسین تو اپنے معمول کے مطابق پہلے ہی گھر آچکے تھے۔ یہ شام کی چائے کا وقت تھا۔ چنانچہ خردان لوگوں کے لیے چائے اور اس کے ساتھ چند ایک ہلکے پھلکے سے اسنیکس لے آئی تھی۔ ابھی ان لوگوں نے چائے پینی شروع ہی کی تھی کہ فریدہ بھی گھر آگئیں۔

"اچھے وقت پر آگئیں۔ آجاؤ چائے پیو۔" چیز کیک کھاتے بصیرت حسین نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

"اگر چائے خرد نے بنائی ہے تو پیوں گی۔ ورنہ نہیں۔" پرس اور گاڑی کی چابی سینٹر ٹیبل پر رکھ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے کہا۔ تعریف پر خرد بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"چائے بھی میں نے بنائی ہے ممی اور یہ چیز کیک بھی۔ آپ چکھ کر بتائیں۔ کیسا بنا ہے۔" خرد بصیرت حسین کو ابھی بھی ماموں ہی کہتی تھی جبکہ فریدہ نے شادی کے ابتدائی کچھ عرصے بعد ہی خود کو ممانی کہنے سے روک دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ انہیں اپنی بہو کے منہ سے خود کو ممانی کہلوانے سے اجنبیت اور فاصلے کا احساس ہوتا ہے۔ سو ان کی خواہش پر خرد انہیں اشعر ہی کی طرح ممی کہنے لگی تھی۔ بصیرت حسین ہوں یا فریدہ دونوں ہی کو چائے اور کافی صرف اور صرف خرد ہی کے ہاتھ کی پسند آتی تھی۔

شام کی چائے پر تو سب کا اکٹھا ہونا بہت ہی کبھی کبھار ہوا کرتا تھا۔ ہاں رات کے کھانے کے بعد یا چھٹی والے دن ضرور خرد سے فرمائش کر کے چائے یا کافی بنوا کر وہ دونوں پیا کرتے تھے۔ فریدہ نے خرد کا بنایا کیک چکھنا شروع کیا۔ وہ ڈائٹ کانشس تھیں جم جاتی تھیں۔ بھرپور ایکسرسائز اور یوگا کرتی تھیں۔ کھانے پینے میں کیلوریز کا پورا پورا دھیان رکھتی تھیں مگر۔ یہ کیک چونکہ خرد نے خود بنایا تھا اس لیے وہ اسے تھوڑا سا چکھنے لگی تھیں۔ اتنی دیر میں خردان کے لیے چائے نکال چکی تھی۔

اس نے ان کے ہاتھ میں کپ پکڑا دیا اور خود بھی چائے پینے لگی۔ ہلکی پھلکی گپ شپ کے ساتھ وہ سب ساتھ مل کر شام کی اس چائے کو انجوائے کر رہے تھے۔ ابھی فریدہ نے چائے کا کپ خالی کر کے واپس ٹرے میں رکھا ہی تھا کہ نور افزا نے ان کی کچھ ملنے والی خواتین کی آمد کی اطلاع دی۔

"میری بہت اچھی جاننے والی ہیں۔ اسلام آباد سے آئی ہوئی ہیں، آؤ خرد! تمہیں بھی ملواؤں۔" انہوں نے صوفے پر سے اٹھتے ہوئے خرد کو بھی اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں آنے کے لیے کہا۔

وہ دونوں ساس، بہو ڈرائنگ روم میں چلی گئیں تو حسب عادت ان کے درمیان دفتری معاملات زیر گفتگو آگئے تھے۔

"تم خرد کے ساتھ خوش ہو ناں اشعر؟" بزنس کی باتیں کرتے کرتے انہوں نے اچانک ہی اس سے پوچھا۔

"آپ کو کیسا لگتا ہوں۔؟" ان کے یک دم ہی موضوع تبدیل کرنے پر لمحہ بھر حیران ہونے کے بعد وہ زیر لب مسکرا کر بولا۔

"لگتے تو خوش ہو۔" وہ بھی جواباً مسکرائے۔

"پھر تو آپ کو بالکل غلط لگتا ہے۔" ان کی بات کی سنجیدگی سے نفی کر کے اس نے ایک پل کا توقف کیا اور پھر اسی سنجیدگی سے بولا۔

"میں صرف خوش نہیں۔ بلکہ بہت بہت بہت زیادہ خوش ہوں۔ آپ کا انتخاب بہترین ہے ڈیڈی! میں خود اپنے لیے ڈھونڈنے نکلتا تو ایسی لڑکی کبھی نہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔ وہ تو بہت انمول، بہت نایاب سی ہے دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔"

بصیرت حسین طمانیت بھرے انداز میں سرشاری سے مسکرائے "تمہیں خرد کے ساتھ خوش دیکھ کر میں بہت خوش ہوں اشعر۔ ورنہ شادی کے بعد شروع میں تم مجھے جتنے الجھے ہوئے اور ناخوش نظر آتے تھے اس سے ہر پل میرے اندر ایک مجرمانہ احساس کروٹیں لیتا رہتا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ شاید اچھا بھائی ہونے کا ثبوت دیتے۔ میں ایک بہت برا باپ ثابت ہو گیا ہوں۔"

انہوں نے توقف کیا۔

"خرد۔ مجھے تمہاری بہت تعریف کرتی ہے۔ پتا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔ "اور اب تم نے اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروادیا ہے اس سے تو وہ بہت زیادہ خوش ہے۔"

خرد کی خوشی کو تو وہ بھی بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ یونہی روا روی میں وہ اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوانے کی بات کر گیا تھا اور اب اتنے دنوں بعد اپنی اس رات کی اسے ماسٹرز میں ایڈمیشن دلوانے کی بات اسے بھول بھی چکی ہوگی مگر ایڈمیشن شروع ہونے پر جب اس نے خرد سے ایڈمیشن لینے کی بات کی تب اس کی حیرت اور پھر خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"تم اور خرد ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہو۔ میرا دل یہ دیکھ کر بہت خوش ہے۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تم دونوں یونہی ہنسی خوشی زندگی گزارو۔ اپنی اولاد کو خوش دیکھنے سے بڑی خوشی والدین کے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ بس اب اللہ سے دعا ہے وہ مجھے میرے پوتا یا پوتی کی خوشی اور دکھادے۔ پھر ایسا لگے گا جیسے دنیا کی ساری نعمتیں مجھے مل گئیں۔"

وہ باپ کی محبت بھری دعاؤں کو بڑی سنجیدگی سے سن رہا تھا مگر اپنے دعائیہ جملوں کے اختتام پر جو بات انہوں نے کہی اسے سنتے اس کے ذہن میں بے ساختہ خرد آئی۔ اگر ابھی وہ یہاں موجود ہوتی تو ڈیڈی کی دعا کے اس آخری جملے پر اس کا کیا ردعمل ہوتا۔ اس کا بے تحاشا سرخ پڑتا چہرہ اس کے تصور میں آکر اسے بے تحاشا ہنسنے پر مجبور کر رہا تھا اور وہ اپنی ہنسی بمشکل باپ سے چھپا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے دفتری کام سے لندن گیا تھا۔ مگر خرد کے لیے شاپنگ کیے بغیر وہ کیسے واپس آسکتا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے خرد سے پوچھا کہ وہ اس کے لیے کیا لائے تو وہ۔ "پتا نہیں" جیسی بیوی ہونے کا ثبوت دیتے

"کچھ بھی نہیں۔ بس آپ خیریت سے واپس آجائیں مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ میرے پاس سب کچھ ہے۔" کچھ بھی نہیں کہہ کر بات ختم کردیتی تھی۔

اس نے لندن میں مختلف جگہوں پر جو جو کچھ سمجھ آیا۔ وہ سب اس کے لیے لے ڈالا۔ ڈیزائنر سوئٹرز، ہینڈ بیگز، سن گلاسز، قیمتی پرفیومز۔ میک اپ کا سامان اور بھی کافی کچھ۔ مگر جو سب سے خاص اور سب سے قیمتی چیز اس نے اس کے لیے لی وہ ایک نیکلیس تھا۔ خرد کی سالگرہ آنے والی تھی اور وہ یہ نیکلیس اسے اس کی برتھ ڈے پر دینا چاہتا تھا۔ وائٹ گولڈ کی بہت وزنی چین تھی جس میں بیضوی شکل کا ڈائمنڈ اور زمرد سے مرصع نازک سا لاکٹ لٹک رہا تھا۔ بے حد خوب صورت اور نفیس تھا۔ وہ لاکٹ درمیان سے کھلتا تھا اور ایک شرارت بھری مسکراہٹ آنکھوں میں لیے اس نے اس کے دونوں طرف اپنی ہی تصویریں لگائی تھیں۔

اس کے واپس آنے کے اگلے روز خرد کی سالگرہ تھی اور اس روز اس نے وہ نیکلیس خود اپنے ہاتھوں سے اسے پہنایا تھا اور خود جیولری باکس ہاتھ میں لیے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا تھا۔

"خبردار ابھی آنکھیں نہیں کھولنی" نیلے رنگ کے باکس میں سے نیکلس باہر نکالتے اس نے اسے تنبیہہ کی۔ وہ اس کے عین پیچھے کھڑا تھا۔

"ہاں۔ اب آنکھیں کھولو۔" بڑی محبت سے وہ نیکلس اس نے اسے اپنے ہاتھوں سے پہنا دیا تھا۔ وہ چین کا لاک لگا رہا تھا اور خرد کبھی اپنی گردن میں سجے اس خوب صورت سے نیکلس کو اور کبھی آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی بکھری ہوئی تھی۔

نیکلس پر آہستگی سے ہاتھ پھیرتے اسے یہ احساس ہوا کہ لاکٹ کھل سکتا ہے تو اس نے فوراً ہی لاکٹ کو کھول لیا۔ وہ متبسم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "اس میں میری تصویر کیوں نہیں؟ دونوں طرف اپنی تصویریں کیوں لگائی؟"

گھونٹ کے بعد میں دودھ پینے سے صاف انکار کردیتا۔"

"بہت انوکھی سی عادت تھی آپ کی۔ بڑوں میں تو میں نے بہت سوں کو بغیر کسی بیماری یا پرہیز کے شوقیہ اور عادتاً" پھیکی چائے وغیرہ پیتے دیکھا ہے مگر کسی بچے کو کبھی نہیں دیکھا۔"

☼ ☼ ☼

"پاپا کہاں ہیں؟" سو کر اٹھنے کے ساتھ ہی حریم کو باپ کی فکر لاحق ہوئی تھی۔ رات مما، پاپا دونوں اس کے پاس سوئے تھے مگر اب صبح کے وقت اپنے کمرے میں تو کیا اسے اپارٹمنٹ کے کسی حصے میں پاپا نظر نہیں آرہے تھے۔

"وہ دوسرے شہر چلے گئے۔ حریم کو ڈول بھی نہیں دلائی۔" جو بات اس نے ایسے اشعر سے ملنے سے قبل کئی بار بتائی تھی، وہ اسے یاد تھی۔ کچھ دیر وہ حریم کی "پاپا کہاں ہیں؟" کی گردان کو نظرانداز لیے اس کا ناشتہ تیار کرنے میں مصروف رہی۔ فرج میں اور کچن کے کیبنٹس میں ہر طرح کی اشیائے خورونوش موجود تھیں۔ اس نے بہت اچھا سا ناشتہ حریم کے لیے تیار کیا مگر اس نے ناشتہ کرنے سے انکار کردیا تھا۔

اسے اپنی بہت چھوٹی اور معصوم سی بیٹی کے چہرے پر یہ خوف پھیلا نظر آرہا تھا کہ اس کے پاپا پھر اس سے کہیں دور چلے گئے ہیں۔ سو کر اٹھنے پر اسے وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا، تب وہ کیسے منہ بسور کر بیٹھ گئی تھی۔ اپنے آپ کو درمیان سے نکال کر دیکھتی، صرف حریم کا سوچتی تو وہ واقعی اپنی بیٹی کے لیے بہت خوش تھی۔ صبح وہ اس سے جو کچھ بھی تلخی اور غصے سے کہہ کر گیا تھا، اگر چاہتی تو وہ جواب میں اسی وقت اسے بہت کچھ کہہ سکتی تھی مگر وہ چپ رہی تھی، اس لیے نہیں کہ وہ اس شخص کی نفرت اور غصے سے خائف ہوگئی تھی بلکہ اس لیے کہ اسے بس اپنی بیٹی کی صحت یابی سے غرض تھی۔ وہ اس دوران چاہے اسے جتنا بھی تندو تلخ کہہ لے، اسے جتنا بھی بے عزت کرلے، وہ پلٹ کر جواب نہیں دے گی۔

"حریم! جانو، ناشتہ تو کرلو۔ تمہارے پاپا آفس گئے ہیں، تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔" وہ ناشتے کی ٹرے لے کر اس کے پاس بیٹھی تھی اور وہ تکیے میں منہ دے کر رو رہی تھی۔

"پاپا چلے گئے، پاپا دوسرے شہر کیوں گئے؟" اس کی ضد سے ہار مان کر اس نے اپنا موبائل اٹھایا، اشعر کا موبائل نمبر ملایا اور پھر بیل ٹھیک جاتی دیکھ کر کال ریسیو کیے جانے سے پہلے موبائل حریم کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔

"لو خود بات کرلو۔ دیکھ لو، تمہارے پاپا کہیں نہیں گئے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

وہ ایک فائل پر دستخط کرتے، انٹرکام پر اپنی سیکریٹری کو کچھ ہدایات دینے میں مصروف تھا، جب اس کے موبائل پر بیپ بجی۔ شدید مصروفیت کے دوران اس وقت وہ کسی دوسری کال کو نظرانداز کردیتا مگر خرد کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً" وہ کال ریسیو کی۔

"ہیلو پاپا!" یہ روئی روئی سی آواز حریم کی تھی۔

"میں ابھی کچھ دیر میں بات کرتا ہوں۔" اس نے سیکریٹری کو عجلت میں فارغ کیا۔

"ہاں بیٹا! بولو کیا ہوا؟"

"آپ دوسرے شہر چلے گئے ہیں نا؟ حریم کو بڑی (بڑی) والی ڈول بھی نہیں دلائی۔ حریم! آپ سے کٹی۔ حریم آپ سے بات نہیں کرے گی۔"

"ارے ارے... اتنی ناراضی؟ پرنسس! پاپا آفس میں ہیں۔ تھوڑی دیر میں آپ کے پاس آجائیں گے اور بہت بڑی سی ڈول بالکل حریم کے جتنی آج ہی اسے دلائیں گے بلکہ ایک نہیں، بہت ساری ڈولز دلائیں گے اور بھی ڈھیر سارے کھلونے حریم کو دلائیں گے۔" بالکل اسی کے انداز میں "بڑی" کو "بڑی" کہتے اس نے اسے پیار سے یقین دلایا۔

"پرامس؟"

Tissue
Fax #: (92-21) 2562570-2560911

تمہارے آس پاس ہر طرف بس میں ہی رہوں۔ تم خود اتنی اپنے پاس نہ ہو' جتنا میں تمہارے پاس ہوں۔ چاہو تو میری سالگرہ پر اپنی تصویر والا ایسا ہی گفٹ تم بھی مجھے دے دینا۔"

پھر اس سالگرہ کو ذرا اور اچھی طرح منانے وہ اسے ایک اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کرانے لے آیا تھا۔ بہت رومینٹک سا کینڈل لائٹ ڈنر۔ خرد نے سرخ رنگ کا بہت خوبصورت لباس پہنا تھا اور بالوں کو اس کی فرمائش پر کھلا رہنے دیا تھا۔ اس کی گردن میں اس کا گفٹ دیا نیکلس سج رہا تھا تو دائیں ہاتھ میں فریدہ کا دیا ہوا بریسلیٹ۔ خرد کو آج اپنی سالگرہ کے موقع پر ساس اور سسر بھی سرپرائز گفٹس ملے تھے۔ بصیرت حسین کی تو وہ تھی ہی لاڈلی چہیتی بھانجی۔ وہ اسے بہو کی حیثیت سے زیادہ ابھی بھی بھانجی کے رشتے ہی سے پیار کرتے تھے اور فریدہ جن کے ساتھ شادی کے بعد کے ابتدائی دنوں میں خرد اسی طرح دور دور اور کھنچی کھنچی رہتی تھی جیسے اس کے ساتھ اب وہ ان کے بھی کافی نزدیک ہو گئی تھی۔ شروع میں فریدہ اس رشتے سے زیادہ خوش نہیں تھیں۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ جب ان میاں بیوی نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ان کے زندگی کے ساتھی چننے کی پوری پوری آزادی دی تھی تو پھر بیٹے کے ساتھ یہ جبر کیوں؟ مگر اشعر اور خرد کی شادی کے ابتدائی ایک دو ماہ بعد ہی خرد کی عادات اور اس کے مزاج کی خوبیاں جب ان پر ظاہر ہوئیں تو خود بخود ہی ان ساس' بہو کے بیچ حائل دوری اور تکلفات بھی دور ہوتے چلے گئے۔ سونے کا وہ خوبصورت بریسلیٹ جو فریدہ ہر وقت پہنے رہتی تھیں۔ خرد نے کسی وقت اس کی ان سے تعریف کر دی تھی۔ اس وقت تو انہوں نے اس کی تعریف پر کوئی خاص ردِ عمل ظاہر نہیں کیا تھا مگر اس کی سالگرہ پر انہوں نے اپنے جیولر سے بالکل اسی پیٹرن کا بریسلیٹ جیسا ہی ایک بریسلیٹ خرد کے لیے بنوا کر اسے تحفے میں دیا تھا۔ ان کے دیے بریسلیٹ کا یہ تحفہ بہت قیمتی تھا مگر خرد کے لیے اس کی اصل قیمت وہ محبت تھی جس کے ساتھ انہوں نے وہ اسے دیا تھا۔

بجی سنورہی خرد اس کے ساتھ بیٹھی اپنی سالگرہ کے دن کو یادگار بناتے اس کینڈل لائٹ ڈنر سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"کسی سیانے نے کہا ہے کہ Olives (زیتون) کھانے اور انہیں پسند کرنے کے لیے آپ کو پہلے وہ ٹیسٹ ڈیولپ کرنا پڑتا ہے کہ آپ ان کے ذائقے کو انجوائے کر سکیں۔" خرد نے اپنی پلیٹ میں کانٹے سے ہٹا ہٹا کر جو تمام زیتون ایک جگہ جمع کیے تھے' وہ انہیں دیکھ کر مسکرایا اور پھر اس کی پلیٹ میں جمع شدہ وہ تمام زیتون اپنی پلیٹ میں منتقل کر لیے۔ وہ Olives Garlic stuffed green اس کی جان تھے۔ زیتون اسے جتنے مرغوب تھے' خرد کو اتنے ہی ناپسند تھے۔ وہ خوب مزے لے لے کر سیاہ' سبز ہر رنگ اور ہر قسم کے زیتون خوب شوق سے کھایا کرتا تھا۔ اسے ان کی کوالٹی کی بھی خوب پہچان تھی۔ اٹلی میں زیادہ اچھی زیتون پیدا ہوتی ہے یا اسپین میں یا یونان میں' اسے اپنے پسندیدہ پھل کے بارے میں بہت معلومات تھیں۔

جتنی دیر میں اس نے کانٹے کی مدد سے اس کے جمع شدہ زیتون اپنی پلیٹ میں منتقل کیے' اتنی دیر میں وہ اس کا ایپل جوس کا گلاس اٹھا کر سارا جوس پی گئی تھی جبکہ اپنا جوس کا گلاس تو وہ پہلے ہی خالی کر چکی تھی۔ اپنے گلاس کو خالی پایا تو اس نے اسے گھور کر دیکھا' وہ لاپروائی سے شانے اچکا کر ہنس دی تھی۔

"آپ پھیکی چائے اور کافی کیسے پی لیتے ہیں۔ میں تو کبھی نہیں پی سکتی۔" ڈنر کے بعد وہ دونوں کافی پی رہے تھے جب خرد نے اس سے کہا۔

"اپنی اپنی پسند اور عادت کی بات ہے۔ مجھے چائے' کافی وغیرہ کا ٹیسٹ یونہی زیادہ اچھا لگتا ہے۔" کافی کا گھونٹ لیتے اس نے اسے جواب دیا پھر کپ واپس پرچ پر رکھتے مسکرا کر بولا۔

"ممی بتاتی ہیں جب میں چار' پانچ سال کا تھا اور ممی میرے فیورٹ مگ میں میرے لیے دودھ لے کر آتی تھیں تو اگر انہوں نے اس میں چینی ملا دی ہوتی تو ایک

بھرے انداز میں بکھرا کر بولا۔ "اور آپ روئیں نہیں بچے ناشتہ کیا ہے؟"

"ماما لائی ہیں۔ حریم نے نئیں کھایا۔"

"بری بات۔ اچھے بچے ماما پاپا کی بات مانتے ہیں۔ شاباش جلدی سے ناشتہ کرو پھر ٹی وی دیکھو بس تھوڑی دیر میں بھی آجاؤں گا۔" فون بند ہو جانے کے بعد وہ کتنی دیر موبائل ہاتھ میں لیے یونہی بیٹھا رہا۔

"آپ دوسرے شہر چلے گئے ہیں نا؟" اس کی چار سال کی ننھی، معصوم سی بیٹی، اس بچپنے ہی میں کیسے کیسے خوف اور اندیشے اپنے دل میں پیدا کر بیٹھی تھی۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ٹھیک سوا ایک بجے اشعر گھر آگیا تھا۔ چابی پاس ہونے کے باوجود اس نے بیل کی۔ اس کی آمد پر اس کی بیٹی دروازہ کھولنے خوشی خوشی کیسے آتی ہے، یہ منظر وہ کل دیکھ چکا تھا اور آج پھر دیکھنا چاہتا تھا۔

"پاپا آگئے۔" کا نعرہ لگاتے دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ ریڈ ٹراؤزر اور وائٹ سلیولیس ٹاپ میں وہ اسے بہت پیاری بہت کیوٹ لگی۔

"You are looking very pretty darling"

جھک کر اسے پیار کرتے اس نے بڑی محبت سے کہا۔

"تھینک یو پاپا!" بڑی ادائے بے نیازی سے اس نے تعریف یوں ادا کیا جیسے اپنی تعریفیں صبح، شام سننا اس کے لیے معمول کی بات ہے۔

"ماما! پاپا آگئے۔ پاپا دوسرے شہر نئیں گئے۔" اس نے جوش و خروش سے ماں کو آواز دی۔

"پاپا نے تمہیں چھوڑ کر کبھی دوسرے شہر نہیں جانا۔ ہیپی بارتھ ڈے میں کے سو سال پاپا ہمیشہ اپنی پرنسس کے ساتھ رہیں گے۔" اس کی آواز بھرا سی گئی۔ وہ اپنی بیٹی سے زیادہ اپنی بیٹی کے لیے آزردہ تھا۔ خود سے

عورت پر ہرگز ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اب ہم ایک بہت اچھے ڈاکٹر انکل کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ ہماری پرنسس کا ٹھیک سے چیک اپ کریں گے۔ اسے میٹھی میٹھی میڈیسنز دیں گے تاکہ ہماری پرنسس جلدی سے بالکل ٹھیک ہو جائے۔" اس نے گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھی حریم سے کہا۔

"پھر ماما! حریم کو اسکول جانے دیں گی؟"

"بالکل جانے دیں گی۔ جب پاپا کی پرنسس بالکل ٹھیک ہو جائے گی تو پاپا اسے بہت اچھے والے اسکول بھیجیں گے۔"

"نئیں حریم کو اچھے اسکول نئیں جانا۔ حریم کو اپنے اسکول جانا ہے۔ وہاں سی سا بھی ہے۔ سی سا میں بہت مزا آتا ہے پاپا!" وہ اپنے اسکول، دوستوں اور ایک نارمل لائف کو کس قدر مس کر رہی تھی، اپنے ہم عمر بچوں کی طرح وہ نہ اسکول جا سکتی تھی، نہ کھیل کود، تفریحات اور دوستوں کی سنگت کو انجوائے کر سکتی تھی۔ بھاگنا، دوڑنا اور کھیلنا کودنا کیا اس کے لیے ذرا سا چل لینا ہی کڑی مشقت بن جایا کرتا تھا۔

ان کی گاڑی جس جگہ سے گزر رہی تھی، وہاں اس سڑک پر آگے پیچھے کئی اسکولز تھے اور ان اسکولز کی یہ چھٹی کا ٹائم تھا۔ حریم ان اسکولوں سے نکلتے یونیفارم پہنے صحت مند، تندرست، بھاگتے، دوڑتے، ہنستے، مسکراتے بچوں کو آنکھوں میں حسرت لیے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی۔ بیک ویو مرر میں وہ اس کا ہر تاثر پڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں یہ حسرت اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"میری پرنسس کس کلاس میں پڑھتی تھی۔ اپنے اس سی ساوا لے اسکول میں؟"

"کے جی ون میں۔"

"کے جی ون میں۔ زبردست بھئی۔"

"پاپا! حریم کو اسکول جانا ہے۔ ماما اسکول نئیں جانے دیتیں پاپا! ماما رمشہ اور علی کے ساتھ کھیلنے نہیں

دیتی ہیں۔ اس نے بسورے اس سے ماں کی شکایت کی۔

"ابھی آپ کی طبیعت تھوڑی سی خراب ہے بیٹا! اس لیے ماما منع کرتی ہیں۔ آپ ڈاکٹر انکل کا کہنا مانو گی تو میڈیسنز وہ دیں گے، وہ سب کو دیکھنا کتنی جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔ رمشہ اور علی کے ساتھ کھیلو گی بھی اور پھر پاپا اور حریم سی سا پر بیٹھیں گے اور دوسرے بھی بہت سارے جھولوں پر بیٹھیں گے اور جب تک آپ کی طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتی تب تک ایسا کر لیتے ہیں کہ حریم گھر پر ماما اور پاپا کے ساتھ پڑھائی کر لے گی اور ماما اور پاپا کے ساتھ ہی کھیلے گی بھی۔ ماما اور پاپا کو بھی بہت سارے اچھے اچھے نیوز آتے ہیں، وہ حریم کو بور نہیں ہونے دیں گے۔ کیوں بھئی میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

حریم سے بات کرتے جملے کے اختتام پر اس نے اپنے برابر والی نشست پر بیٹھی خرد کو مخاطب کیا جو کل کی طرح لاتعلقی سے نہیں بیٹھی تھی۔ وہ اس کی اور حریم کی باتیں دھیان سے سن رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر حریم کی طرف مسکرا کر دیکھا اور سر کے اثبات میں ہلایا۔ بیٹی کی خوشی کے لیے دل پر جبر کر کے اسے مخاطب بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کی بیمار بیٹی جس کی زندگی میں اور کچھ بھی نارمل نہیں، وہ اسے اتنی تھوڑی سی خوشی ماں، باپ کے سنگ گزارنے چند خوشگوار روز و شب بھی کیا بیماری کے ان دنوں میں نہیں دے سکتا تھا۔ بیماری کے ان دنوں میں اس چھوٹی، ناسمجھ بچی کے لیے خوشیوں بھرے دن، رات کے یہ ڈرامے بہت اہم تھے، بہت ضروری تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ ہسپتال پہنچے اور کچھ دیر کے انتظار کے بعد ان کی باری آئی تو آخر کار وہ ملک کے اس نامور ترین pediatric heart surgeon کے روبرو پہنچے جن کی بھاری فیسوں کے سبب کوئی عام آدمی ان سے علاج کرانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر عابد انصاری، بچوں میں دل کے امراض کے علاج کے حوالے سے ایک ملکی ہی نہیں بین الاقوامی طور پر ایک تسلیم شدہ کامیاب اور قابل احترام نام۔

"واہ رے مولا تیری شان۔ پیسے میں اتنی طاقت ہے۔ اتنی زیادہ طاقت" اس مشہور ہستی کے روبرو پہنچنے پر اس کے دل نے کہا۔ وہ حریم کو علاج کے لیے ڈاکٹر عابد انصاری کے پاس بھی لا سکتی ہے۔ یہ تو شاید اس نے تصور میں بھی نہیں سوچا تھا۔ دوسری جانب ڈاکٹر عابد انصاری نے مسکرا کر بڑی خوش دلی کے ساتھ ان لوگوں کو خوش آمدید کہا تھا۔

ڈاکٹر عابد انصاری نے دو منٹ اشعر کے ساتھ ہلکی پھلکی سی تعارفی گفتگو کی پھر وہ حریم کی طرف متوجہ ہوئے۔ "کیا نام ہے اس سوئیٹ گرل کا؟" انہوں نے حریم سے پوچھا۔

"حریم حسین۔ پر پاپا حریم کو پرنس کہتے ہیں۔" ڈاکٹر انصاری اس جواب سے محظوظ ہوتے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ اس ہنسی میں اشعر کی ہنسی بھی شامل تھی جبکہ وہ بھی بیٹی کی بچکانہ سی سنجیدگی پر مسکرا رہی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ سوئیٹ گرل تو واقعی بالکل کسی پرنس جیسی ہی لگ رہی ہے۔" ڈاکٹر انصاری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حریم کے لبوں کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اسے ڈاکٹر انکل پسند آ گئے ہیں۔ انہوں نے اشعر کے ہاتھ سے حریم کی رپورٹس والی فائل لی۔ چند منٹ ان رپورٹس کو بغور دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے پہلے حریم سے گفتگو شروع کی۔

ڈاکٹر انصاری اس سے بچکانہ انداز میں باتیں کر کے اس کی بعض کیفیات کے متعلق اندازے قائم کرنا چاہ رہے تھے۔ حریم کے بعد وہ خرد کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

زبانی طور پر حریم کی یہ تمام میڈیکل ہسٹری لے لینے کے بعد اس کے فزیکل ایگزام کے لیے انہوں نے اسے مریضوں کے لیے مخصوص میز پر بلایا اور پھر وہاں لٹا کر اس کا تفصیلی معائنہ کیا۔

خرد نے اتنے ڈاکٹروں کی خاک چھانی تھی اور اتنے

سارے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا تھا کہ وہ بخوبی جانتی تھی کہ سرجری کے علاوہ دوسرا کوئی علاج حریم صحت یاب نہیں کر سکتا پھر بھی وہ نئے سرے سے یہ دعا کرنے لگی تھی کہ یہ کامیاب اور قابل ڈاکٹر کچھ ایسا طریقہ علاج انہیں بتائے کہ حریم کسی major کیا minor سی سرجری کے بھی بغیر ہی صرف میڈیسنز ہی سے ٹھیک ہو جائے۔

پہلی وزٹ کے اختتام پر ڈاکٹر انصاری نے انہیں بتایا کہ حریم کے تمام ٹیسٹ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ اس کی اوپن ہارٹ سرجری ہونی ہے اور جلد از جلد ہونی ہے۔ یہ ایک بالکل طے شدہ حقیقت ہے۔ کچھ ٹیسٹ جو حریم کے پہلے بھی ہو چکے تھے۔ انہوں نے وہ دوبارہ کروانے کو کہا تھا اور باقی وہ tests ——— جو حریم کے ہو تو چکے تھے مگر وہ انہیں اپنے ہاں کی لیبارٹریز میں دوبارہ کروانا چاہتے تھے۔ غالباً" وہ ان کے نتائج سے سو فیصد مطمئن نہیں تھے۔

انہوں نے اشعر اور خرد کو بتایا تھا کہ بعض اوقات بچوں میں پیدائشی طور پر دل کے ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ نقائص موجود ہوتے ہیں اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ پیدائشی طور پر تو بچے کے دل میں صرف کوئی ایک ہی نقص ہوتا ہے مگر وہ نقص اپنی شدت کے سبب دل کی ساخت اور اس کے کام کرنے کے طریقہ کار میں بری طرح بگاڑ لا چکا ہوتا ہے۔ ایسے کسی نقص کا پتا ان جدید اور advanced tests ہی کے ذریعے چل پاتا ہے وہ ان کے نتائج دیکھنے کے بعد سرجری کے وقت اور طریقہ کار کے بارے میں بتائیں گے۔

"آپ سرجری کے نام سے اتنا کیوں ڈر رہی ہیں مسز اشعر۔؟" ان کے لبوں پر مقابل کو حوصلہ اور اطمینان دلانے والی ایک نرم سی مسکراہٹ تھی۔

"بچوں میں in heart defects congenital بہت عام بات ہے اور ان کو بذریعہ سرجری درست کرنا اس سے بھی زیادہ عام بات۔ آپ کی بیٹی تو پھر چار سال کی ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے چند ماہ کے بچوں کے تو کیا چند ہفتوں کے بچوں تک کی اوپن ہارٹ سرجریز کی ہیں۔ ابھی 10 دن پہلے ہی میں نے ایک 20 دن کی بچی کی کامیاب اوپن ہارٹ سرجری کی ہے۔ ماشاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"کیا اوپن ہارٹ سرجری ہی اس کا واحد علاج ہے؟"

"بچوں میں چند ایک پیدائشی نقائص جو بہت معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ وہ بچے کے ڈھائی تین سال کی عمر کے آتے آتے یا تو اپنے آپ درست ہو جاتے ہیں یا پھر دواؤں کے ذریعے انہیں درست کر دیا جاتا ہے۔ مگر جو دل کے بڑے نقائص ہوتے ہیں۔ جیسے کہ حریم کا نقص۔ اس طرح کے بڑے نقائص کو تو سرجری ہی کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر انصاری کے پاس سے اٹھنے کے بعد اب وہ لوگ وہیں پر حریم ٹیسٹ کروا رہے تھے کچھ ٹیسٹ آج ہی ہو رہے تھے اور کچھ کے لیے انہیں کل اور پھر آنے والے مزید چند دنوں میں یہیں آنا تھا۔

وہ شہر کے سب سے بڑے اور مہنگے ہسپتال میں تھے۔ وہاں حرم کو لے کر ادھر سے ادھر انہیں کہیں نہیں دوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ وہاں موجود نرسوں اور دیگر اسٹاف کی خوش اخلاقی اور مستعدی دیکھ رہی تھی۔ پیسے کی طاقت دیکھ رہی تھی۔ انسان کی کوئی قیمت نہیں۔ قیمت صرف پیسے کی ہے۔ یہ دیکھ رہی تھی اور ساتھ ہی اسے اپنی وہ خواری۔ وہ دھکے۔ وہ مار امار اپھر نا یاد آ رہا تھا۔ پیسے کی طاقت کے آگے ہار مان لینے والی وہ لڑکی ایک بار پھر اس سچائی کو تسلیم کر رہی تھی کہ بغیر پیسے کے آدمی کچھ نہیں اس کی کوئی اوقات نہیں۔ اس ملک کے حکمران چاہے ترقی اور کامیابی حاصل کر لینے کی کتنی ہی بڑی بڑی باتیں کیوں نہ کرتے ہوں سچائی تو یہی ہے کہ یہاں عام آدمی کو دیگر بنیادی سہولتوں کے ساتھ ساتھ علاج معالجے کی بھی کوئی سہولیات حاصل نہیں۔ اچھا علاج اور دوائیں عام آدمی کی دسترس سے پہلے سے بھی زیادہ دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اس کی بیٹی کو آج اچھا علاج میسر آرہا تھا مر جانے
اسے وہ بہت سے ننھے ننھے بچے یک دم ہی یاد
آگئے تھے۔ جنہیں وہی مرض لاحق تھا جو حریم کو
تھا۔ ان کے والدین کو حریم کے علاج کے دوران اس
مخلف ہسپتالوں میں اپنی ہی طرح خوار ہوتے اور
وہاں پریشان حال بھاگتے دیکھا تھا۔

بلڈ سیمپل حریم نے آسانی سے کرالیا تھا مگر بلڈ
ٹیسٹ کے وقت وہ بدک گئی تھی۔ سرنج دیکھتے ہی وہ
خوف زدہ ہو جایا کرتی تھی۔

خود نے اپنا ہاتھ حریم کے گرد رکھا ہوا تھا۔ حریم اس
سے چپکی خوف زدہ سی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں
سرنج کو دیکھتے خوف تھا اور لبوں پر مسلسل انکار۔ اشعر
نے پیار سے بہلانے لگا تو وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"پاپا! بہت درد ہوتا ہے۔"

"پرپا کی پرنسس تو بہت brave (بہادر) ہے۔
ہے کہ نہیں؟" وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ
گیا "ہمیں جلدی سے یہاں سے جا کر ڈول بھی خریدنی
ہے۔ ہیا کریں گے۔ ایک ڈول ہاؤس بھی لے لیں
گے۔"

"بری (بڑی) والی ڈول لیں گے اور اس کے ڈریسز
بھی اور وہ والی ڈول بھی جو پریم میں بیٹھتی ہے۔ روتی
ہے تو اس کی eyes سے tears آتے ہیں۔ آواز
بھی آتی ہے اور اس کی فیڈر بھی ہوتی ہے۔"

اپنے مطلب کی بات سمجھانے کا اس کا طریقہ اتنا
عجیب اور مزے دار تھا کہ سنجیدہ تاثرات والی نرس
بھی بے اختیار مسکرائی تھی۔ اشعر نے جتنی دیر سامنے
گھٹنوں پر بیٹھ کر اسے گڑیا کے قصوں میں لگایا تب تک
نرس اپنے کام سے فارغ ہو چکی تھی۔

"حریم بہادر ہے ناں پاپا؟" وہاں سے نکلتے حریم نے
اشعر سے پوچھا۔

"بالکل پرنسس۔ اتنا بریو تو کوئی بچہ میں نے آج
تک دیکھا ہی نہیں ہے۔" پونے دو بجے سے یہاں
سے اب تمام ٹیسٹوں وغیرہ سے فارغ ہوتے
ہوئے کو خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اس وقت شام کے

ڈاکٹرز کے تجزیوں سے پہلے سے بخوبی آگاہ تھی۔ مگر
اشعر ان سے یوں آگاہ نہیں تھا۔ تب ہی وہ یوں متفکر
سا نظر آرہا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ حریم کی خاطر
زبردستی ہنس رہا ہے اور باتیں کر رہا ہے۔ اسے اس کے
ماتھے پر تفکر سے پڑی گہری لکیریں صاف نظر آرہی
تھیں۔

شہر کے مہنگے ترین کمرشل علاقے میں بنے اس
ڈپارٹمنٹل اسٹور کی دوسری منزل پر موجود اس بہت
بڑی سی کھلونوں کی دکان میں داخل ہونے سے پہلے
تک حریم۔ اشعر کی گود میں تھی۔ مگر دکان میں گھستے ہی
وہ اشعر کی گود سے نیچے اتر گئی۔ وہ بہت شاندار دکان تھی
وہاں تمام کھلونے امپورٹڈ تھے اور کھلونے بچوں کی
دلچسپی کے لیے ریکس میں سجا کر اس طرح رکھے تھے
کہ بچے انہیں خود ہاتھوں میں اٹھا کر چلا پھرا کر دیکھ
لیں۔ پسند کر لیں۔

آج ایک ہی دن میں دوسری بار اسے اپنی کم مائیگی
اور کم حیثیتی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

اس نے بیٹی کے خوشی سے سرشار، ہنستے
کھلکھلاتے چہرے کی طرف دیکھا۔ تو اپنی کم مائیگی
کے احساس کو بھلا کر اس کی خوشی پر خوش ہونے لگی۔
حریم جس کھلونے پر ہاتھ رکھ رہی تھی۔ اشعر اسے
دلا رہا تھا۔ تب ہی ایک گھنٹے بعد جب وہ اس دکان سے
باہر نکلے تو اشعر کے ساتھ ساتھ خود اس کے ہاتھوں میں
بھی کئی بڑے بڑے شاپنگ بیگز موجود تھے۔

"اب ہم کسی اچھی سی جگہ پر ڈنر کریں گے اور پھر
گھر جائیں گے۔ جھولے پر بیٹھیں گے۔"

"حریم۔ بیٹا! پارک آج نہیں۔ کل چلی جانا۔ زیادہ
چلو پھرو گی تو تھک جاؤ گی۔ طبیعت خراب ہو جائے
گی۔" اسے اشعر سے ضد کرتا دیکھ کر اس نے پیار
سے سمجھایا۔

"آپ پارک کبھی نہیں لے جاتیں۔ آپ حریم کو
کھیلنے بھی نہیں دیتیں۔" وہاں سے خفا ہوتی ضدی
لہجے میں بولی۔

"پرنسس! آپ کی ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ پارک کل چلیں گے اور ویسے بھی آج تو آپ کو اپنی اتنی ساری ڈولز سے کھیلنا ہے۔ ہم دیر سے گھر پہنچیں گے تو پھر ڈولز سے کس وقت کھیلو گی، ہوں؟"

یہ لالچ ایسا تھا کہ وہ فوراً" مان گئی تھی۔ ورنہ اسے ماں سے یہ شکایت ہر پل رہتی تھی کہ وہ اسے دوڑنے۔ بھاگنے۔ کھیلنے اور جھولے جھولنے نہیں دیتی۔"

اشعر نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے آگے لاکر روکی۔ وہ تینوں اندر آگئے۔ کیچ اپ تو لازمی تھا۔ اس کے ساتھ چکن اور مشروم والی اسپگاٹیز۔ اورنج جوس اور فروٹ ٹرائفل حریم نے اپنے لیے پسند کیا تھا۔

"تمہیں کیا کھانا ہے بتادو۔" حریم کی لسٹ پوری ہوگئی تو مینیو دیکھے بغیر اشعر نے اپنے لیے ایک سلاد اور ایک پرانز اور چاولوں پر مشتمل سادہ سی ڈش کا آرڈر کرتے اس سے کہا۔ اس کی طرف دیکھ کر۔ مگر بغیر کسی تاثر کے۔ بہت عام سے لہجے میں۔ جس میں کسی بھی طرح کے کوئی جذبات شامل نہیں تھے۔ بھوکے، پیاسے رہنے والی اپنی بچی پچھی نام نہاد انا سے وہ آج صبح ہی تائب ہوگئی تھی۔ صبح اس نے حریم کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا تھا۔ اشعر حسین کے گھر میں۔ اسی کے کھلائے ہوئے پیسوں کا ناشتہ۔ حریم کی تیمارداری کرنی تھی۔ اس کی بیماری سے لڑنا تھا تو خود بھی تو بالکل صحت مند اور تندرست رہنا تھا۔ اس نے ویٹر کو اپنے لیے ایک بہت سادہ سی ڈش آرڈر کردی۔ جب تک کھانا سرو نہیں ہوگیا۔ حریم ان دونوں سے مشترکہ بچکانہ قسم کی باتیں کرتی رہی۔ وہ اس سے بات کررہی ہوتی تو اس گفتگو میں اشعر کو بھی گھسیٹتی اور اشعر سے بات کررہی ہوتی تو اسے بھی ان باتوں میں زبردستی شامل کرتی۔ "ہے ناں ماما"۔ "ہے ناں پاپا" کر کر کے۔

"ماما! میں کہہ رہی تھی حریم کی شکل پاپا جیسی ہے۔" وہ حریم کی پلیٹ میں کیچ اپ ڈالتے ہوئے اس بات پر کچھ بھی نہیں بولی۔

"بالکل پاپا جیسی ہو پرنسس۔ تب ہی تو اتنی خوبصورت ہو۔" وہ اشعر کے جواب پر خوشی سے ہال بجاتی کھلکھلا کر ہنسی۔

"حریم پاپا جیسی ہے۔" جب وہ یوں کھلکھلا کر ہنستی اور ہنستے ہوئے اس کی آنکھیں بھی جگمگانے لگتیں۔ تب وہ اسے نظر بھر کر دیکھتے ڈرنے لگتی تھی اس کی بیماری کے علم میں آنے کے بعد سے اسے ایسا ڈر لگتا تھا کہ کہیں اس کی من موہنی پیاری سی بیٹی کو خود اس کی نظر نہ لگ جائے۔ پہلے ہی نجانے کس کی نظر لگی تھی جو ہنستی۔ کھلکھلاتی۔ اس کی خوب صورت بیٹی جس نے زندگی کا ابھی صحیح معنوں میں آغاز بھی نہ کیا تھا یوں بیمار پڑ گئی تھی۔

"پرنسس! تمہاری ہنسی بہت زیادہ پیاری ہے۔"

حریم اب ٹرائفل کھا رہی تھی اور اس کی بچائی اسپگاٹیز وہ ختم کررہی تھی۔ پلیٹ میں فورک چلاتے اس نے اشعر کی یہ بات سنی۔ بے اختیار سر اٹھا کر اس نے اسے دیکھا تو وہ حریم کے مسکراتے چہرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا نظر آیا۔ ان دونوں ہی نے بہت تھوڑا اور برائے نام کھانا کھایا تھا۔ ہاں حریم نے اس ڈنر کو بے تحاشا انجوائے کیا تھا۔ گھر واپس آکر حریم لیونگ روم میں کارپٹ پر کھلونوں سے بھرے سارے شاپنگ بیگز لے کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی حریم کے ساتھ وہیں بیٹھی تھی۔

"آپ اپنی ڈولز سے کھیلو بیٹا۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"

وہ گھر واپس آتے ہی دوبارہ کہیں جارہا تھا۔

وہ خاموشی سے سر جھکائے، حریم کے کھلونوں کو ان کی دلکش پیکنگز سے باہر نکالتی رہی مگر حریم نے "کہاں جارہے ہیں اور کیوں جارہے ہیں۔" جیسے سوالات کی اشعر پر بوچھاڑ کردی۔ وہ نہیں چاہ رہی تھی کہ وہ جائے۔ وہ چاہ رہی تھی کہ اتنی ساری خوبصورت ڈولز اور جو دیگر ڈھیر کھلونے اس کے گرد بکھرے ہیں۔ ان سے کھیلتے وقت ماما کے ساتھ ساتھ پاپا بھی اس کے پاس موجود رہیں۔

ہم بھی ہمیں ٹی پارٹی کرنی تھی۔" منہ بسور کر اس نے اپنے کھلونے کے پنک کلر کے ٹی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ٹی پارٹی کرنا مس مس اور اسکول اسکول کھیلنا۔ اسکول سے آکر ٹیچر بن کر بورڈ پر ABC الف ب پ لکھنا۔ مختلف پکچرز بنانا اور اپنی گڑیوں کو سامنے کرسی پر اسٹوڈنٹ بنا کر بٹھا کر مس بن کر پڑھانا یہ سارے کھیل خرد کے لیے نئے نہیں تھے۔ وہ حریم کے ساتھ اس کی پسند کے تمام کھیل کھیلنے کی عادی تھی۔ وہ اکثر و بیشتر حریم کے ساتھ ممی مس۔ گھر گھر اور ٹی پارٹی کرنے جیسے کھیل اس کی خواہش اور فرمائش پر اس کی خوشی کے لیے اس کے ساتھ کھیلتی تھی مگر اشعر کے لیے یقیناً" ایک بہت نئی سی بات تھی۔ ایک پل کے لیے وہ ٹی پارٹی کے الفاظ پر حیران ہوا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ آنکھوں میں دلچسپی اور محبت لیے حریم کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

"کیسے ہوگی ٹی پارٹی۔؟" اشعر نے حریم سے پوچھا جو چھوٹی چھوٹی ساسرز پر پھول دار کپوں کو سیٹ کر کے رکھ رہی تھی۔ اس نے تین کپ ساسرز میں سجائے۔ ساسرز میں شکر ملانے کے لیے چھوٹے چھوٹے چمچ رکھے۔ کیتلی کو ڈھکن لگایا۔ شوگر پاٹ ٹھیک سے رکھا۔ جب سب چیزیں اشعر اور خرد کے سامنے ٹھیک سے رکھ لی گئیں تب اس نے پہلے اشعر کے کپ میں کیتلی سے فرضی چائے انڈیلی۔ پھر خرد کے اور آخر میں اپنے کپ میں پھر اشعر اور خرد کے کپوں میں شوگر پاٹ اٹھا کر فرضی چینی ڈالی۔ اسے چمچ سے ملایا اور پھر بہت سنجیدگی سے بولی۔ "چائے پئیں پاپا۔" مسکراہٹ ضبط کرتے اشعر نے بڑی سنجیدگی سے کپ اٹھا لیا اور ایک چھوٹے سے کھلونے کے کپ سے ایک فرضی گھونٹ بھرا۔

"واؤ۔ اتنی مزے کی چائے۔ اتنی مزے کی چائے تو میں نے آج تک کبھی نہیں پی۔"

اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ مگر اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ بیٹی کے اس معصومانہ اور بچگانہ کھیل کو انجوائے کر رہی تھیں۔ خرد خود بھی مسکراتے ہوئے اس فرضی چائے کے گھونٹ لے رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اس کھیل کو صرف انجوائے کر رہی تھی۔ اس پر حیران نہیں ہو رہی تھی۔ حریم نے بھی چائے کا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا پھر اس سے بولی۔

"ماما۔ چائے کیسی ہے؟" یعنی صرف باپ کی تعریف کافی نہیں تھی۔

"بہت مزے کی۔ اب سے ہم لوگوں کے لیے چائے بس حریم ہی بنایا کرے گی۔"

"آپ چائے اور لیں گے پاپا؟" ایسے جیسے کسی گھر آئے مہمان سے کوئی میزبان مزید کھانے پینے پر اصرار کرتا ہے۔ اخلاق دکھاتا ہے۔ اس طرح اس نے اشعر سے پوچھا آہستہ آہستہ گھونٹ لینے کی اداکاری کرنے کے بعد اشعر نے اپنا کپ واپس ساسر پر رکھ دیا تھا۔

"نہیں بس بہت پی لی۔ آپ نے چائے بہت ہی زیادہ اچھی بنائی تھی۔"

اپنی ہنسی ضبط کرتے اس نے کسی مہمان ہی کے جیسا لہجہ اختیار کرنا چاہا۔ یہ کھیل اس کے لیے بہت ہی انوکھا، دلچسپ اور بالکل ہی نیا ہے۔ یہ اس کی آنکھوں کی دلچسپی، حیرت بھری مسکراہٹ واضح طور پر بتا رہی تھی۔

"ختم ہو گئی ٹی پارٹی؟ اب پاپا جائیں؟" کچھ دیر بعد اس نے حریم سے پوچھا۔ اس بار اس نے سر اثبات میں ہلا کر اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اشعر چلا گیا تو وہ سارے کھلونے لے کر حریم کو اس کے کمرے میں لے آئی۔ آج حریم کافی تھک گئی تھی۔ کافی چلی پھری تھی۔ اس لیے اب وہ چاہ رہی تھی کہ حریم سو جائے۔ کھلونوں سے کھیلتے کھیلتے اس کو نیند آجائے یہ بہت بہتر تھا۔

اشعر کی رکھی میڈ زینت ـــــ جو دوپہر ہی ان کے ہاں آچکی تھی اس نے کھانے وغیرہ کا اس سے آکر پوچھا اور اس کے انکار کر دینے پر بالکونی کے ساتھ بنے سرونٹ روم میں چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"ٹی پارٹی کرنی ہے" زیر لب دہراتا وہ بے ساختہ ہنسا۔ اس کی بیٹی کتنی مزے مزے کی اور معصومانہ باتیں کرتی تھی۔

ڈاکٹر انصاری کی امید بھری خوش آئند باتوں کو ذہن میں رکھ کر باقی تمام تفکرات کو کہیں پیچھے دھکیل کر اس وقت وہ حریم کی کچھ دیر پہلے کی گئی ٹی پارٹی کو یاد کر کے مسکرا رہا تھا۔ "آپ چائے اور لیں گے پاپا؟"

اس کا معصومانہ انداز اس کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ لے آیا تھا "کیا بات ہے۔ اکیلے بیٹھے کس بات پر مسکرا رہے ہو؟" لاؤنج میں داخل ہوتی فریدہ نے اسے تنہا آنکھیں بند کر کے بیٹھے کسی بات پر مسکراتے دیکھا تو فوراً" پوچھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ اس کے لبوں پر ہنوز مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ فریدہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں اور ان کے پیچھے داخل ہونے والی ان کی ملازمہ شاہین نے کافی کی ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اسے کافی سرو کرنے سے منع کرتے وہ پھر اشعر کی طرف متوجہ ہوئیں۔ وہ مسلسل اپنے گھر سے غائب کیسے رہ سکتا تھا۔ صبح آفس جانے سے قبل وہ ماں سے مل کر گیا تھا اور اب بھی حریم کے ساتھ ٹی پارٹی کو انجوائے کرنے کے بعد ماں کے پاس گھر آگیا تھا۔ حریم اگر اسے خود سے دور نہیں جانے دیتی تھی تو وہ بھی اب بیٹی سے دور ایک پل بھی نہیں رہنا چاہتا تھا۔ جب تک حریم کا علاج مکمل نہیں ہو جاتا۔ وہ پوری طرح صحت یاب نہیں ہو جاتی۔ وہ اس وقت تک ماں کو اپنی بیٹی اور ان کی پوتی سے ملوانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس دوران وہ ان سے کیا کہہ کر مسلسل گھر سے غائب رہے گا' یہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"کچھ نہیں یونہی۔ ایک دوست سے مل کر آرہا ہوں۔ اس کی کچھ دلچسپ باتوں کو یاد کر کے ابھی تک ہنسی آرہی ہے۔"

فریدہ نے بغیر شکر ملائے کافی کا کپ اس کے آگے رکھا اور پھر اپنے کپ میں شکر ملاتے بولیں۔

"چلو جس بھی وجہ سے۔ کم از کم مجھے میرے بیٹے کی مسکراتی شکل تو دیکھنے کو ملی۔ میں تو ترس گئی تھی تمہیں مسکراتا اور خوش دیکھنے کے لیے۔"

"آپ بلاوجہ فکر کرتی ہیں ممی۔ میں اللہ کا شکر ہے، بہت خوش اور بہت مطمئن ہوں۔"

اس نے مسکرا کر انہیں اطمینان دلایا اور یہ مسکراہٹ مصنوعی نہیں تھی۔ یہ بہت سچی مسکراہٹ تھی۔

"زلزلے سے متاثر ہونے والی عورتوں اور بچوں کے لیے ہم لوگ کچھ چیریٹی شوز۔ اور ان ہی کی مدد کے لیے فنڈ ریزنگ کے لیے مختلف طرح کے پروگرامز ملک کے تمام بڑے شہروں میں کروا رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد زلزلہ زدگان کی دوبارہ آبادکاری میں خصوصیت کے ساتھ عورتوں اور بچوں ہی کے حوالے سے نادرن ایریاز میں بھی کافی دنوں تک ہم لوگوں کا قیام رہے گا۔ ایک ڈیڑھ مہینہ تو لگ ہی جائے گا۔ مگر میں سوچ رہی ہوں' اتنے دنوں تک گھر سے دور رہوں گی تو تم۔"

"آپ جائیں ممی! میں کوئی چھوٹا بچہ ہوں۔ جس کی آپ کو فکر رہے گی۔"

کافی کا سپ لیتے اس نے انہیں اطمینان دلایا۔ ماں کے اس پروگرام اور مصروفیت کو جان کر وہ بے انتہا خوش ہوا تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے اس کا مسئلہ از خود ہی با آسانی حل ہو گیا ہے۔ فریدہ اپنی این جی او کے علاوہ دیہی و پسماندہ علاقوں میں رہنے والی عورتوں اور بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے قائم دیگر کئی اداروں سے بھی وابستہ تھیں اور اس طرح کے چیریٹی سے متعلق کاموں کے لیے ان کا ملک اور بیرون ملک اکثر و بیشتر آنا جانا رہا کرتا تھا۔ ان دنوں خصوصیت کے ساتھ 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے سے متاثرین کی بحالی کے حوالے سے وہ اور ان کا ادارہ خاصی سرگرمی سے کام کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بصیرت حسین کی طبیعت خراب تھی۔ وہ ہسپتال

میں داخل تھے۔ دن میں فریدہ اور خرد ان کے پاس ہوتیں اور رات میں وہ ان کے پاس رہتا۔ اس رات بھی وہ ان کے پاس تھا۔ وہ بیڈ پر بہت بیمار اور بہت علال سے لیٹے تھے اور وہ ان کے سرہانے بیٹھا ان کا سر دبا رہا تھا تاکہ انہیں نیند آجائے۔ سانس کی تکلیف تو انہیں رہتی ہی تھی۔ اس بار طبیعت ذرا زیادہ ہی بگڑ رہی تھی۔

"اشعر۔" انہوں نے نحیف آواز میں اسے پکارا۔

"جی ڈیڈی۔"

"اشعر! پتا نہیں میری کتنی زندگی باقی ہے۔ میں کچھ باتیں تم سے۔"

"کیا ہو گیا ہے آپ کو ڈیڈی۔ اتنی معمولی سی بیماری سے ہمت ہار رہے ہیں۔ آپ کو کچھ نہیں ہو رہا۔ ابھی آپ کو بہت سالوں تک زندہ رہنا ہے انشاء اللہ۔"

"اشعر! میری بات سنو بیٹا۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے کہنے دو۔"

وہ اس کی بات نظر انداز کر کے دوبارہ بولے۔ پھر ایک پل کا توقف کر کے انہوں نے دھیمی آواز میں آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا۔

"اشعر۔ میرے بعد میری جگہ تم سنبھالو گے گھر میں بھی اور آفس میں بھی۔ تمہیں بزنس میں میرے مشوروں کے بغیر تنہا تمام فیصلے کرنے ہوں گے۔ تمہیں بہت سے رشتے نبھانے ہوں گے بیٹا۔ تمہیں ایک بہت اچھا بیٹا بننا ہوگا۔ اچھے شوہر کے سب فرائض نبھانے ہوں گے اور تمہاری بہنیں۔ بیٹا۔ میری طرح بہنوں سے غافل نہ ہو جانا۔ بھائیوں پر بہنوں کو۔"

وہ بغیر مداخلت کے خاموشی سے ان کی بات سن رہا تھا۔ وہ کمزور آواز میں آہستہ آہستہ اسے نصیحتیں کر رہے تھے۔

"اشعر! خرد کا بہت خیال رکھنا بیٹا۔ خرد بہت سادہ اور معصوم ہے۔ ابھی اسے دنیا کی کوئی سمجھ نہیں تم ذمہ دار۔ مجبور ہو اگر اس سے کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اسے اس کی سادگی اور معصومیت جان کر اس کی غلطی کو نظر انداز کر دینا۔ اس کے پاس میکے کا سہارا نہیں۔ اسے یہ احساس کبھی مت ہونے دینا اشعر۔ میں نے اپنی مری ہوئی بہن کو وعدہ دیا تھا کہ اس کی بیٹی کو ہمیشہ تحفظ دوں گا۔ خوشیاں دوں گا۔ اب میرا کیا ہر وعدہ تم کو نبھانا ہے۔"

انہوں نے اپنے سر پر رکھا اس کا ہاتھ اپنے کانپتے ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ڈیڈی! آپ جانتے ہیں۔ میں خرد سے بہت محبت کرتا ہوں۔ وہ میری بیوی ہے۔ میں کیوں اس کا خیال نہیں رکھوں گا۔؟"

"تم پر تو پورا یقین ہے بیٹا۔ پورا بھروسا ہے۔ بس خرد کی معصومیت سے ڈرتا ہوں۔ دراصل اس نے ماں کے ساتھ ایک بہت بند، بہت محدود اور سادہ زندگی گزاری ہے۔ ڈرتا ہوں، کبھی کوئی اس کی سادگی کا ناجائز فائدہ نہ اٹھا جائے۔ اشعر! وہ بالکل کچی مٹی کی طرح ہے ابھی۔ تم جس سانچے میں چاہو اسے ڈھال لو۔ اسے دنیا کی سمجھ دینا بیٹا۔ اسے اعتماد سے جینے کا قرینہ سکھانا بیٹا۔"

اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبائے وہ کچھ پل کے لیے خاموش ہوئے پھر ایک گہری اداسی بھری سانس لے کر بولے۔

"بہت خواہش تھی میری۔ اللہ مجھے تمہاری اولاد کی خوشی بھی دکھا دے۔ لیکن خیر، جو میرے اللہ کی مرضی۔" مسلسل بولنے سے وہ تھکنے لگے تھے۔ اس لیے پھر ایک پل کے لیے رکے۔ اس کے بعد کمزور آواز میں دوبارہ بولے۔

"اللہ جب بھی تمہیں اولاد کی نعمت سے نوازے تو وہ میرا پوتا یا پوتی جو بھی ہو۔ اسے میری اس کے دادا کی طرف سے بھی ضرور پیار کر لینا اور اسے یہ بھی بتانا کہ اس کے دادا اس سے بہت پیار کرتے تھے۔"

اشعر ان کی باتوں سے پریشان ہو گیا تھا مگر اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی بیماری سے مایوس ہو گئے ہیں۔ سات دن ہسپتال میں رہ کر انہوں نے بڑی خاموشی

ابھی صرف سات مہینے ہوئے تھے۔ شاید انہیں اپنی اکلوتی بہن سے اتنی والہانہ محبت تھی کہ اس کی موت کے کچھ مہینوں بعد ہی خود بھی اس کے پیچھے پیچھے اس دنیا سے ناتا توڑ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

جانے والے چلے جاتے ہیں لیکن زندگی... زندگی تو چلتی رہتی ہے۔ ماں کو، بہنوں کو، خرد کو سہارا دیتا، سنبھالتا وہ اپنا ہر غم اپنے ہی اندر اتارتا رہا تھا۔

اپنے باپ کا اسٹیبلشڈ کیا بزنس، ان کی بنائی یہ عزت، یہ ساکھ، یہ وقار اب سب کچھ اسے سنبھالنا تھا۔ اس نے اپنے کندھوں پر آئی ہر ذمہ داری کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آخر اس کی کوششیں کامیاب ہو گئی تھیں۔ وہ ماں اور خرد دونوں کو ان کے پہلے والے معمولات زندگی کی طرف لے آیا تھا۔ فریدہ شوہر کی دائمی جدائی کے دکھ کو قبول کرتے زندگی کی طرف لوٹیں تو انہیں اپنے گھر اور اپنے بچوں کی فکر لاحق ہوئی۔ اشعر نے تو خود کو سنبھال لیا تھا مگر خرد ماں کے انتقال کے بعد اب بے تحاشا یاد آتیں لٹانے والے ماموں کی جدائی کے غم سے بجھی بجھی رہنے لگی تھی۔ اس کی یونیورسٹی میں کلاسز کب کی شروع ہو چکی تھیں۔ فریدہ کے کہنے اور سمجھانے پر اس نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

خرد اپنی پڑھائی کو بہت سنجیدگی سے لے رہی تھی۔ بہت پڑھاکو قسم کی لڑکی تھی اور پڑھنا اس کے نزدیک وقت گزاری یا ہنسی مذاق کی بات نہیں تھی۔ اشعر کے ساتھ باتوں میں اب وہ کیمپس لائف اور اپنی پڑھائی کو وہ موضوع گفتگو بنائے رکھا کرتی تھی اور وہ اس کی ہر بات کو دیکھتا اس کی ہر بات پوری دلچسپی ہی سے سنتا تھا۔ بصیرت حسین کے بعد خرد، فریدہ کے پہلے سے

کی زیادہ قریب ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ماموں کے رشتے کی کمی بھی فریدہ ہی کے ساتھ اپنے رشتے کو مزید مضبوط بنا کر پوری کرنا چاہتی تھی۔

اس شام اشعر آفس سے گھر واپس آیا تو خضر آیا بیٹھا تھا۔ فریدہ اور خرد بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ سب کو لان میں دیکھ کر وہ بھی وہیں چلا آیا۔

"آپ کی بیگم سے یہ لیکچرز لیے تھے صبح یونیورسٹی میں۔ انہوں نے دھمکی دی تھی کہ انہیں اپنے لیکچرز آج ہی کی تاریخ میں واپس بھی چاہئیں، سو وہی لوٹانے حاصل ہوا ہوں۔"

اس سے ہاتھ ملانے کے لیے کھڑے ہوتے خضر نے کہا۔ وہ خضر کی بات پر مسکراتا خرد کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہماری بیگم ہیں ہی اتنی ذہین، ان کے لیکچرز اور اسائنمنٹس کی ڈیمانڈ نہیں ہوگی تو اور کس کی ہوگی۔" اس نے فخریہ نگاہوں سے خرد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ چہرے پر دلکش سی مسکان لیے بیٹھی تھی۔

"بات تو خیر آپ کی ٹھیک ہے۔ ڈپارٹمنٹ میں خاتون اپنی ذہانت کے حوالے سے خاصی پاپولر ہو چکی ہیں۔ کچھ خرانٹ قسم کے ٹیچرز جو ہمارے سلام کا جواب بھی محض سر ہلا کر دیتے ہیں، ان کے ساتھ باقاعدہ لمبی چوڑی گفتگو کرتے پائے جاتے ہیں۔"

اپنی تعریفوں پر مسکراتی خرد اس کے لیے چائے بنانے لگی تھی۔ اس کی آمد سے قبل وہ لوگ چائے ہی پی رہے تھے۔ میز پر چائے اور کچھ ہلکے پھلکے سے اسنیکس موجود تھے۔ خرد نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

خضر عالم کے ساتھ ان لوگوں کی براہ راست تو کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ وہ اشعر کی خالہ زرینہ اجمل کی نند یاسمین کا بیٹا تھا اور زرینہ ہی کے حوالے سے اس کی ان لوگوں کے ساتھ بھی اچھی واقفیت اور دوستی تھی۔ خضر پاکستان میں اپنی تعلیم کے سبب رہ رہا تھا، ورنہ اس کی پوری فیملی کویت میں سیٹل تھی۔ اس کے والد کی وہاں ملازمت تھی۔ ایف ایس سی کے بعد وہ

ابھی صرف سات مہینے ہوئے تھے۔ شاید انہیں اپنی اکلوتی بہن سے اتنی والہانہ محبت تھی کہ اس کی موت کے کچھ مہینوں بعد ہی خود بھی اس کے پیچھے پیچھے اس دنیا سے ناتا توڑ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

جانے والے چلے جاتے ہیں لیکن زندگی... زندگی تو چلتی رہتی ہے۔ ماں کو، بہنوں کو، خرد کو سہارا دیتا، سنبھالتا وہ اپنا ہر غم اپنے ہی اندر اتارتا رہا تھا۔

اپنے باپ کا اسٹیبلشڈ کیا بزنس، ان کی بنائی یہ عزت، یہ ساکھ، یہ وقار اب سب کچھ اسے سنبھالنا تھا۔ اس نے اپنے کندھوں پر آئی ہر ذمہ داری کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آخر اس کی کوششیں کامیاب ہو گئی تھیں۔ وہ ماں اور خرد دونوں کو ان کے پہلے والے معمولات زندگی کی طرف لے آیا تھا۔ فریدہ شوہر کی دائمی جدائی کے دکھ کو قبول کرتے زندگی کی طرف لوٹیں تو انہیں اپنے گھر اور اپنے بچوں کی فکر لاحق ہوئی۔ اشعر نے تو خود کو سنبھال لیا تھا مگر خرد ماں کے انتقال کے بعد اب بے تحاشا یاد آتیں لٹانے والے ماموں کی جدائی کے غم سے بجھی بجھی رہنے لگی تھی۔ اس کی یونیورسٹی میں کلاسز کب کی شروع ہو چکی تھیں۔ فریدہ کے کہنے اور سمجھانے پر اس نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

خرد اپنی پڑھائی کو بہت سنجیدگی سے لے رہی تھی۔ بہت پڑھاکو قسم کی لڑکی تھی اور پڑھنا اس کے نزدیک وقت گزاری یا ہنسی مذاق کی بات نہیں تھی۔ اشعر کے ساتھ باتوں میں اب وہ کیمپس لائف اور اپنی پڑھائی کو وہ موضوع گفتگو بنائے رکھا کرتی تھی اور وہ اس کی ہر بات کو دیکھتا اس کی ہر بات پوری دلچسپی ہی سے سنتا تھا۔ بصیرت حسین کے بعد خرد، فریدہ کے پہلے سے

کی زیادہ قریب ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ماموں کے رشتے کی کمی بھی فریدہ ہی کے ساتھ اپنے رشتے کو مزید مضبوط بنا کر پوری کرنا چاہتی تھی۔

اس شام اشعر آفس سے گھر واپس آیا تو خضر آیا بیٹھا تھا۔ فریدہ اور خرد بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ سب کو لان میں دیکھ کر وہ بھی وہیں چلا آیا۔

"آپ کی بیگم سے یہ لیکچرز لیے تھے صبح یونیورسٹی میں۔ انہوں نے دھمکی دی تھی کہ انہیں اپنے لیکچرز آج ہی کی تاریخ میں واپس بھی چاہئیں، سو وہی لوٹانے حاصل ہوا ہوں۔"

اس سے ہاتھ ملانے کے لیے کھڑے ہوتے خضر نے کہا۔ وہ خضر کی بات پر مسکراتا خرد کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہماری بیگم ہیں ہی اتنی ذہین، ان کے لیکچرز اور اسائنمنٹس کی ڈیمانڈ نہیں ہوگی تو اور کس کی ہوگی۔" اس نے فخریہ نگاہوں سے خرد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ چہرے پر دلکش سی مسکان لیے بیٹھی تھی۔

"بات تو خیر آپ کی ٹھیک ہے۔ ڈپارٹمنٹ میں خاتون اپنی ذہانت کے حوالے سے خاصی پاپولر ہو چکی ہیں۔ کچھ خرانٹ قسم کے ٹیچرز جو ہمارے سلام کا جواب بھی محض سر ہلا کر دیتے ہیں، ان کے ساتھ باقاعدہ لمبی چوڑی گفتگو کرتے پائے جاتے ہیں۔"

اپنی تعریفوں پر مسکراتی خرد اس کے لیے چائے بنانے لگی تھی۔ اس کی آمد سے قبل وہ لوگ چائے ہی پی رہے تھے۔ میز پر چائے اور کچھ ہلکے پھلکے سے اسنیکس موجود تھے۔ خرد نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

خضر عالم کے ساتھ ان لوگوں کی براہ راست تو کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ وہ اشعر کی خالہ زرینہ اجمل کی نند یاسمین کا بیٹا تھا اور زرینہ ہی کے حوالے سے اس کی ان لوگوں کے ساتھ بھی اچھی واقفیت اور دوستی تھی۔ خضر پاکستان میں اپنی تعلیم کے سبب رہ رہا تھا، ورنہ اس کی پوری فیملی کویت میں سیٹل تھی۔ اس کے والد کی وہاں ملازمت تھی۔ ایف ایس سی کے بعد وہ

تعلیم حاصل کرنے پاکستان آگیا تھا اور اب گزشتہ دو سالوں سے یہیں رہ رہا تھا۔ یہاں اس کی رہائش ایک کرائے کے اپارٹمنٹ میں تھی۔ تنہا رہتا تھا تو اپنے ممانی یعنی زرینہ اور اجمل کے گھر اس کا بہت آنا جانا رہتا تھا اور زرینہ ہی کے حوالے سے وہ ان لوگوں کے گھر بھی آجایا کرتا تھا۔ بائیس تیئیس سال کا وہ ایک بہت خوش شکل، ہینڈسم اور زندہ دل قسم کا لڑکا تھا۔

وہ یونیورسٹی میں خرد کا کلاس فیلو تھا۔ خرد کو یونیورسٹی جاتے ایک مہینہ ہو رہا تھا اور اس ایک مہینے کے دوران خضر پہلے بھی دو ایک مرتبہ خرد سے کوئی کتاب مانگنے یا اس کے لیکچرز، اسائنمنٹس وغیرہ اس سے لینے یا اسے واپس لوٹانے ان کے گھر آچکا تھا۔ خرد کا اپنا تین دوستوں کا گروپ بن گیا تھا۔ خرد، سامعہ اور ندرت۔ اشعر چونکہ اکثر صبح میں خرد کو یونیورسٹی خود ڈراپ کردیا کرتا تھا اور چند ایک بار اس کی سہیلیوں کی فون کالز بھی ریسیو کی تھیں، اس لیے اس کی دونوں سہیلیوں سے اس کی واقفیت اور دعا سلام تھی۔ خرد کے گروپ کا آن آفیشل ممبر حماد سعید تھا جو سامعہ کا فرسٹ کزن بھی تھا اور ان دونوں کا آپس میں نکاح ہو چکا تھا۔ سامعہ کی وجہ سے وہ ان تینوں کے گروپ میں بھی اکثر و بیشتر آجایا کرتا تھا اور خضر جو حماد ہی کے دوستوں کے گروپ میں تھا، وہ بقول خرد کی دوست سامعہ کے صرف خرد کے لیکچرز اور اسائنمنٹس کے لالچ میں ان کے گروپ میں شامل ہو گیا تھا۔ خرد کے اسائنمنٹس اور اس کے کام کی اگر اپنی کلاس میں دھوم تھی تو کچھ غلط تو نہ تھا۔ وہ محنت کچھ کم کرتی تھی، دن میں اشعر کی آفس سے آمد سے قبل تو اسے جتنا پڑھنا ہوتا وہ پڑھتی ہی تھی اور رات میں بھی سونے سے قبل اس کا ایک گھنٹہ اپنی اسٹڈی کا لازمی ہوا کرتا تھا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے اس سے اس وقت پڑھنے کی اجازت لی تھی اور اس نے ایک پیار بھری ڈانٹ اسے پلائی تھی۔ وہ کیا ایسا ظالم شوہر تھا جس سے وہ ڈر ڈر کر اجازتیں طلب کیا کرے گی۔ صرف ایک ڈیڑھ گھنٹے ہی کی تو بات ہوتی تھی، اس دوران وہ خرد کو ڈسٹرب کرنے کے بجائے اپنے لیے کوئی نہ کوئی مصروفیت تلاش کرلیتا۔ کبھی ٹی وی، کبھی انٹرنیٹ یا کوئی کتاب، وہ ان کے ساتھ مشغول ہو جاتا۔ خرد ایک سو ایک گھنٹہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہو کر میتھس کے مشکل فارمولوں اور پیچیدہ سوالوں کے ساتھ سر کھپاتی۔ اس دوران اگر اسے جمائیاں لیتے یا نیند بھگانے کی کوشش کرتا دیکھ لیتی تو فوراً ہی اپنی پڑھائی ختم کر کے بیڈ پر آجاتی۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک میٹنگ کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تھا۔ صبح سویرے وہ چلا گیا تھا اور واپسی بھی اس کی اسی رات ہی ہو گئی تھی۔ اسے ایئرپورٹ سے گھر پہنچتے پہنچتے ایک بج چکا تھا لیکن اس کا اس وقت ایٹی کیٹس اور مینرز اور گڈ مینرز سی وغیرہ جیسی چیزوں کے مظاہرے کا قطعاً کوئی موڈ نہیں تھا، اس لیے وہ اپنے بیڈروم میں خاصے ہنگامہ خیز انداز میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے کمرے کا دروازہ ہی اس نے خوب زوردار آواز کے ساتھ کھولا اور پھر اسے اپنے پیچھے بند بھی خاصے دھماکے کے ساتھ کیا۔ خرد دائیں جانب کروٹ لیے چہرے کے نیچے ہاتھ دبائے بے خبر سو رہی تھی۔ یوں بے خبری کی گہری نیند سوتی وہ مزید حسین لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ایک پل میں جاگ جائے۔ اس نے بریف کیس سمیت اپنا دیگر سارا سامان خاصے زوردار دھماکے اور خوب شور کے ساتھ میز پر رکھا۔ ان دھماکہ خیز آوازوں نے اسے ایک پل میں جگا دیا تھا۔ نیند سے بوجھل مندی مندی آنکھوں سے وہ اپنے گرد ہوتے شور شرابے کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لڑکی! تمہیں نیند بہت آتی ہے۔" جوتے اتار کر اس نے لاپروائی سے دائیں بائیں پھینکے۔ کوٹ اور ٹائی سے خود کو آزاد کرتا ان دونوں چیزوں کو صوفے پر اچھالتا وہ لباس تبدیل کرنے کی زحمت کیے بغیر بیڈ پر اس کے برابر گرنے والے انداز میں لیٹ گیا۔ وہ پوری طرح جاگ چکی تھی۔ اس نے ایک نظر گھڑی کو پھر اسے

دلایا۔
"چلیں؟" خرد نے اس سے پوچھا۔ سر اثبات میں ہلاتا وہ کرسی پیچھے کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔
صبح اس کی پہلی کلاس جلدی ہوتا ہوتی تو وہ اشعر کے ساتھ ہی چلی جاتی تھی۔ وہ اسے کیمپس ڈراپ کرتا آفس چلا جاتا اور اگر اس کی پہلی کلاس دیر سے ہونا ہوتی تب وہ ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی اور واپسی میں تو وہ روز ہی ڈرائیور کے ساتھ آتی تھی۔ آف وائٹ ٹراؤزر آف وائٹ گھٹنوں سے کچھ اونچی قمیص اور آف وائٹ اور میرون پرنٹڈ دوپٹے میں وہ بہت فریش، تر و تازہ اور نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ ایک نیک سی کالج گرل کے تصور پر پوری اترتی ہوئی۔ وہ کسی بھی طرح شادی شدہ نہیں لگتی تھی۔ ایک بھرپور اور گہری نگاہ اپنی حسین بیوی پر ڈالتا وہ مسکرایا۔
"کیا دیکھ رہے ہیں؟"
"اپنی زوجہ محترمہ کو خوش دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ تم خوش ہو ناں خرد! اپنی اسٹڈیز دوبارہ شروع ہونے پر؟"
"ہاں بہت زیادہ۔" وہ جواباً" بھرپور انداز میں مسکرائی۔ "ایسا لگنے لگا ہے میری زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے۔ گھر میں ڈل بیٹھے بیٹھے تو انسان خود کو بالکل ہی worthless سمجھنے لگتا ہے اب مجھے لگنے لگا ہے کہ ہاں میں بھی کچھ ہوں، میں بھی کچھ کر سکتی ہوں۔" وہ اسے اپنے دل کی بات بتا رہی تھی۔
"جب میں ایم ایس سی کر لوں گی تو آپ مجھے جاب کرنے دیں گے؟" اس نے اشعر کی طرف دیکھا۔
"ہاں بالکل، مجھے ویسے بھی ایک حسین سیکریٹری جس کا میتھس بھی بہت اچھا ہو کی اشد ضرورت ہے۔" وہ شرارتی انداز میں بولا۔
"مذاق نہیں ناں۔ آپ سیریسلی بتائیں؟"
"کر لینا یار جہاں دل چاہے وہاں جاب کر لینا۔ تمہیں کیا میں اتنا دقیانوسی لگتا ہوں کہ تم اگر کوئی کام کرنا چاہو تو میں تمہیں اس سے روکوں گا؟"
"نہیں... بائی بھی نہیں۔ کہنے کی حد تک تو سب ہوتے ہیں مگر آپ حقیقت میں بہت کھلے ذہن کے انسان ہیں۔ میری شدید خواہش تھی میں اپنی ایجوکیشن پوری کر سکوں۔ میری یہ خواہش صرف آپ کی وجہ سے پوری ہو رہی ہے۔" اس نے بہت سنجیدگی سے اس کی تعریف کی۔
"صبح صبح ایک حسین لڑکی نے میری اتنی اچھی تعریف کر دی ہے۔ لگتا ہے آج کا سارا دن بہت اچھا گزرے گا۔" اپنی تعریف پر متبسم نگاہوں سے اسے دیکھتے اس نے گاڑی یونیورسٹی کے گیٹ کے سامنے لا کر روک دی تھی۔ ☆

باقی آئندہ شمارے میں

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

اگست 2007 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

☆ "مغل اعظم" اسلم راہی کے قلم سے تاریخ کے اوراق
☆ ملکی و غیر ملکی ادب سے انتخاب
☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب "سچی داستانیں"

اس کے علاوہ بہت سی دلچسپیاں

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

دیکھا۔
"رات کے ایک بجے ہر شریف آدمی کو نیند آتی ہے۔ میں اتنی اچھی نیند سو رہی تھی، مجھے اٹھا دیا۔" وہ اپنی نیند خراب کیے جانے پر کچھ ناز بھری خفگی سے منہ پھلا کر بولی۔
"شوہر گھر واپس آئے تو نیک بیویوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اس کے استقبال کے لیے بالکل چاق و چوبند جاگی رہیں۔" اس کی خفگی سے متاثر ہوئے بغیر وہ شان بے نیازی سے بولا۔
"شوہر صاحب کی واپسی کا ٹائم بھی تو ذرا معقول ہو۔ ہمیں صبح یونیورسٹی جانا ہے، اس کے لیے ہمیں جلدی اٹھنا ہوگا، اس لیے فی الحال آپ کی ہر طرح کی خدمت سے معذرت چاہتے ہیں۔"
وہ اس کے لہجے سے مکمل ہم آہنگ، بے نیازی بھرے ہی انداز میں بولی۔ لبوں پر مسکراہٹ چھپائے بظاہر بے حد سنجیدگی سے۔
یونیورسٹی کے ماحول، اساتذہ اور کلاس فیلوز کے اس کی ذہانت کے حوالے سے تبصروں نے اس کی شخصیت کو مزید نکھار دیا تھا۔ اب اگر اس کے سامنے کسی بھی بڑے سے بڑے بیوروکریٹ یا انڈسٹریلسٹ کی مغرور سے مغرور اور ماڈرن سے ماڈرن بیوی، بیٹی، بہن کو بھی لا کر کھڑا کر دیا جاتا تو وہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی شخصیت، اپنے ظاہر، اپنے فیملی بیک گراؤنڈ کسی بھی چیز کے بارے میں ذرا بھی کونشسس ہوئے بغیر بھرپور اطمینان کے ساتھ ان سے باتیں کر لیا کرتی تھی۔ اشعر کے ساتھ بھی اپنے شرمیلے انداز کو ترک کر کے تھوڑی سی بولڈ ہو گئی تھی۔ اگر وہ شرارت میں اسے چھیڑنے کو کچھ کہہ رہا ہوتا تو اس کے پاس سے بھی اکثر بڑا زبردست قسم کا جوابی جملہ سننے کو ملا کرتا تھا۔ وہ اس کی بے تکلفی اور بے ساختہ حاضر جوابی کو بہت انجوائے کیا کرتا تھا۔
"آپ جب کل یونیورسٹی سے دوپہر میں گھر واپس آئیں گی، اس وقت سو جائیے گا۔ فی الحال تو آپ کو کوئی سونے دے گا نہیں۔"
وہ اسی انداز سے بولا۔ اتنی گفت و شنید کے بعد نیند تو اس کی مکمل طور پر بھاگ چکی تھی مگر وہ بطور احتجاج ابھی بھی اسے گھورنا ضرور رہی تھی۔ مگر وہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے کے مصداق گھورے جانے کے اس سلسلے سے قطعاً بے نیاز تھا۔

☆ ☆ ☆

"خرد! ناشتہ تو ڈھنگ سے کر لو۔" جلدی جلدی ایک ٹوسٹ اور چائے حلق سے اتارتی خرد کو فریدہ نے ٹوکا۔
"ممی! میری پہلی کلاس ساڑھے آٹھ بجے ہے، لیٹ ہو جاؤں گی۔ آپ فکر مت کریں، بھوک لگی تو میں وہاں کچھ لے لوں گی۔" فریدہ کو خرد کی صحت کی جب سے وہ یونیورسٹی جانے لگی تھی، بہت فکر رہنے لگی تھی۔
"مجھے پتا ہے، لینا دینا کچھ نہیں ہے۔ بس یونہی میری تسلی کے لیے یہ کہا جا رہا ہے۔"
"میں پرامس کر رہی ہوں ممی۔" اس نے انہیں مطمئن کیا۔
"اشعر! ذرا دیکھو اسے۔ اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی۔ دیکھو، کتنی دبلی ہو رہی ہے۔"
وہ اخبار پر نظریں دوڑاتا خاصی دیر سے ساس کے لاڈ اور بہو کے نخرے دیکھ رہا تھا، اب براہ راست مخاطب کیا گیا تو اس نے اخبار سامنے سے ہٹا کر ان دونوں پر اپنی توجہ مرکوز کی۔
"مجھے تو ٹھیک ٹھاک بلکہ تھوڑی موٹی ہی لگ رہی ہے ممی۔" اس جواب پر انہوں نے ناراضی سے بیٹے کو گھورا۔
"ہاں یہ الٹی سیدھی باتیں اور بول دو ناکہ رہی سہی کسر پوری کر کے یہ مکمل طور پر ڈائٹنگ شروع کر دے۔"
"ممی! آپ سے پرامس کر رہی ہوں ناں یونیورسٹی میں کچھ ضرور کھا لوں گی۔" چائے کا کپ خالی کر کے میز پر رکھتے اس نے انہیں پھر اطمینان

تیسری قسط

"اللہ یہ Binomial Theorem سے آخر expand کیوں نہیں ہو رہا؟" خرد نے جھنجھلائے لہجے میں خود کلامی کی۔

"اللہ میاں سزا دے رہے ہیں۔ شوہر بے چارہ اکیلا بور ہو رہا ہے اور اسے اگنور کر کے پڑھائیاں کی جائیں تو سزا فوراً ملتی ہے۔" اس نے کتاب میں کسی سوال کو گھورتی خرد کو چھیڑا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی ریاضی کے پیچیدہ پیچیدہ سوالات حل کر رہی تھی۔ چھٹی کا دن تھا اور ناشتے کے بعد اپنے گارڈن کی خبر گیری کے بجائے وہ وہیں بیڈ پر لیٹا مسلسل باتیں کر کر کے اسے تنگ کر رہا تھا۔

"یہ ڈاکٹر اور لیس بھی نا۔ آسان آسان کونسچن کلاس میں خود کروا دیے اور اس ایکسرسائز کے ٹیڑھے میڑھے، خطرناک سوال سارے ہمارے لیے چھوڑ دیے۔"

اس کے تنگ کرنے سے پریشان ہو کر وہ اس سے رخ موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی پشت اشعر کی طرف تھی۔ وہ اس کے بالکل پیچھے لیٹا ہوا تھا اور لیٹے لیٹے ہی ہاتھ بڑھا کر اس نے اس کے بالوں سے کلپ نکال دیا، اچھے خاصے سمٹائے اس کے جوڑے کی طرح بندھے بال کھل گئے، اس کی پشت پر بکھرے بالوں کو اپنے چہرے پر بکھراتے، ان کی خوشبو کو خوب گہری سانس لے کر اپنے اندر اتارتے ہوئے بولا۔

"خرد! تمہارے شیمپو کی خوشبو لاجواب ہے۔ اتنی سوفٹ اور مدہوش کر دینے والی خوشبو۔ واہ نشہ سا طاری ہو جاتا ہے اس خوشبو سے۔"

"یہ Values تو Minus میں آگے بڑھتی ہی چلی جا رہی ہیں۔ شاید اس کونسچن ہی میں گڑبڑ ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے، یہ کونسچن ہی شاید غلط ہے۔" وہ اس کی بات پر توجہ دیے بغیر اپنی ہی الجھن میں گھری بولی۔

سرہانے رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ اشعر نے لیٹے لیٹے ہی ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف خضر تھا۔

"اشعر بھائی! خرد سے بات ہو سکتی ہے؟"

"بھائی میرے، وہ اس وقت مجھ سے بات نہیں کر رہی، تم سے کیا کرے گی۔" مسکرا کر دل میں سوچتے ہوئے اس نے اسے "اچھا" کہا اور ریسیور خرد کو پکڑا دیا جو اس بے وقت کی کال سے کچھ بے زار ہوئی تھی۔

"ہاں ہیلو" وہ خرد کے بے زاری لیے ہیلو پر مسکرایا۔ اس میں ابھی تک واقعی بچوں جیسی ہی معصومیت تھی۔ اسے لوگوں سے اپنے جذبات چھپانے نہیں آتے تھے۔

"نہیں سوالات ابھی مجھ سے حل نہیں ہوئے۔ ہاں میں کوشش کروں گی کہ اسائنمنٹ کل سب مٹ کرا سکوں۔" بڑی بے توجہی سے خضر کے کسی سوال کا اس نے جواب دیا تھا۔

"ہاں سب کونسچن حل کر لوں گی تو آپ کو دے دوں گی۔ اچھا اس وقت میں بہت بزی ہوں۔ اللہ حافظ۔"

وہ اس کی بد لحاظی اور بد اخلاقی پر پیچھے لیٹا ہنس رہا تھا۔ اس نے خرد کے ہاتھ سے ریسیور لے کر اسے واپس کریڈل پر رکھ دیا اور اسے ڈسٹرب کرنے، ستانے والے اپنے مشغلے سے تائب ہو تا بیڈ پر سے اٹھ گیا۔ ہنسی مذاق کی بات الگ مگر اسے پڑھائی کے دوران ڈسٹرب کرنا اسے بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات وہ کافی دیر سے گھر واپس آیا تھا۔ حریم کو سلاتے سلاتے اس کی خود بھی آنکھ لگ گئی تھی، مگر اپارٹمنٹ کے مین دروازے کا لاک کھلنے ہی کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اشعر اپنے پاس موجود چابی سے دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ وہ حریم کو چادر ٹھیک سے اڑھاتی دوبارہ سو گئی تھی۔

اگلے روز وہ تینوں صبح ہی ہسپتال چلے گئے تھے۔ یہ حریم کے ٹیسٹوں کا دوسرا دن تھا۔ وہاں ڈھیر ساری مشینوں، طبی آلات اور اجنبی چہروں کو آس پاس دیکھ کر حریم خائف سی ہو گئی تھی۔ ہسپتال سے باہر نکلنے کے بعد وہ دونوں اپنی باتوں کے ذریعے اس کے خوف کو دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہسپتال سے واپس گھر

اشعر کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ حریم کے گرد ہاتھ پھیلائے وہ کہانی سنانا شروع کر چکا تھا۔

"جنگل میں سب جانور مل جل کر رہتے تھے۔ شیر، ہاتھی، چیتے، بندر، لومڑی، خرگوش۔" حریم آنکھوں میں دلچسپی لیے بہت مزے میں کہانی سن رہی تھی۔

"ہاتھی کی برتھ ڈے آنے والی تھی، سارے جانور سوچ رہے تھے کہ ہاتھی کو برتھ ڈے پر کیا گفٹ دیں۔ لی لومڑی بولیں کہ چلو چل کر شیر سے پوچھتے ہیں کہ ہاتھی کو برتھ ڈے پر دینے کے لیے کیا گفٹ۔"

"پاپا!" حریم نے بے ساختہ اسے پکارا، وہ فوراً" رکا اور کتاب پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"ہاں پرنس؟"

"آپ حریم کی برتھ ڈے پر کیوں نہیں آئے؟ گفٹ بھی نہیں دیا۔" ایک ڈیڑھ ماہ قبل اس کی چوتھی سالگرہ گزری تھی۔ اس کی بیماری سے لڑتے، سخت پریشانی میں مبتلا صرف اور صرف حریم کو خوش کرنے کے لیے اپنی بیمار بیٹی کو ایک چھوٹی سی، معصوم سی خوشی دینے کے لیے اس نے ایک کمرے والے اپنے اس چھوٹے سے گھر میں ایک برتھ ڈے پارٹی ارینج کی تھی۔

اشعر، حریم کی بات پر بالکل چپ بیٹھا رہ گیا تھا۔ وہ ایک پل بالکل چپ اور گم صم سا بیٹھا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر نرمی سے بولا۔

"سوری پرنس! پاپا تھوڑے بزی تھے اس لیے آپ کی برتھ ڈے پر آ نہیں سکے تھے پر آپ کا برتھ ڈے گفٹ آپ کو اب دلا دیں گے اور پاپا کا یہ پکا پرامس ہے اپنی پرنس سے کہ اب سے اس کی ہر برتھ ڈے پر اس کے ساتھ ہوا کریں گے۔" اس نے جھک کر حریم کے گالوں پر پیار کیا اور پھر سے اسے کہانی سنانے لگا۔

کہانی آدھی بھی نہیں ہوئی تھی کہ نیند کو بہت دیر سے دور بھگاتی حریم آخر کار اس سے ہار گئی۔ وہ حریم کے سوتے ہی فوراً" اس سے دور ہٹ گیا تھا۔ وہ پھر بیڈ کے انتہائی دوسرے کنارے پر بیٹھ گئی تھی۔ اشعر غالباً" حریم کے گہری نیند سو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

چند منٹوں کے بعد پھر وہ بڑی آہستگی سے حریم سے اپنا ہاتھ ہٹا کر آہستہ آہستہ [illegible] اس کے پاس سے اٹھا اور خرد پر نظر ڈالتے [illegible] سے نکل گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر لائٹ آف کی [illegible] حریم کے برابر آ کر لیٹ گئی۔ اس کی پیشانی چومتے کی آنکھوں سے بڑی خاموشی سے دو آنسو گرے۔

"حریم! پتا نہیں تم کبھی یہ جان پاؤ گی یا نہیں تمہاری ماما نے تمہاری محبت میں اپنی کیسی کروائی، اپنی عزت نفس، اپنا وقار سب کچھ مٹی کر پھر اس شخص کو اپنے سامنے آنے، اپنے بیٹھنے کی اجازت دے دی جس نے اس کی عزت دھجیاں اڑائی تھیں۔" وہ حریم کے پاس لیٹ کر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اشعر کو لیٹنے کے بعد فوراً" نیند نہیں آئی حریم کے ایک معصومانہ سے سوال نے اسے پورا ہلا دیا تھا۔

"آپ حریم کی برتھ ڈے پر کیوں نہیں گفٹ بھی نہیں دیا۔" اس کا ایک معصومانہ سوال اسے پورا کا پورا جھنجھوڑ کر رکھ گیا تھا۔ خرد احساس عورت کو وہ کیا کہے۔ اس سفاک عورت کے بدولت آج وہ بیٹی سے دور رہنے کا تغافل رہنے قرار پایا تھا۔

وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ صبح اسے دفتر جلدی پہنچنا لندن کی ایک کمپنی کے ساتھ ان کی ایک اہم ڈیل فائنل ہونا تھی۔ ان دنوں حریم کے ساتھ معصوم ہونے کے سبب وہ دفتری کاموں کو مناسب طور پر نہیں دے پا رہا تھا۔ کل اسے حریم کی تمام رپورٹ امریکہ میں جن ہسپتالوں سے اس نے رابطہ کیا وہاں فیکس بھی کروانی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کو علاج فراہم کرنا چاہتا تھا اس لیے اس امکان [illegible] کر رہا تھا کہ کیا اسے سرجری کے لیے حریم

لے جانا چاہیے باہر بہیں پتہ نہیں کیا کمی کر لیا ہو درست ہے۔

"پہلی رات جہاں کا تھا۔ وہ چھٹی رات ایک ایک لمحہ ایک صدیوں محسوس کرتا رہا۔

☆ ☆ ☆

دشمنی کا ہوں سے اندرون ملک اور بیرون ملک سے ہر وہ شخص بار بار آتا جاتا رہتا تھا۔ سوائے اس کے وہ خفیہ کی دشمنی تنظیم کے تحت وہ ملا نشانہ کیا ہوا تھا 13/12 روز بعد اس کی رہائی ہوئی تھی اور کیا کیا رہا تھا ان دنوں میں اگوں کی آزمائش کوئی خاص واقعہ "اس نے رات کے کھانے کے وقت فرید اور خرد مشترکہ طور پر اختصار کیا۔ آج آفس میں دونوں نے کھانے کے وقت کھانا کھایا تھا۔ کھانے میں دو واشرز تھا انہوں نے اپنے آفس سے منگوائی تھیں۔ ایک اشعر کی پسند کی اور ایک خرد کی پسند کی۔

"خضر بے چارے کا بیک گراؤنڈ ہو گیا تھا لاسٹ فرائی ہے کو۔"

"ایک منٹ ایک منٹ تم نے تو بہ وہ؟" فرید ہاتھ میں روک کر اس نے فوراً ہی پوچھا۔

"ہاں اب تو خیر وہ ٹھیک ہے۔ ابھی ہاسپٹل سے ڈسچارج کیس ہوا اپنی گاڑی میں کہیں جا رہا تھا کسی ایکسیڈنٹ والے نے ٹکر مار دی۔ کافی زیادہ چوٹیں آئی تھیں اسے خون بھی بہت ضائع ہو گیا تھا۔ خاصی بری حالت تھی اس کی خوش قسمتی سے ادھر ادھر سے زرینہ جا رہے تھے۔ بلڈ گروپ اس کا بھی او نیگیٹو والے ہوتے ہی اس کے ساتھ ساتھ فرید اور خرد بھی اس کے لیے خون دینے کو تیار ہو گئے تھے۔ اشعر بھائی کیا کر رہے تھے ابھی بلڈ گروپ ٹیسٹ ہو رہا تھا۔" وہ شہادت دے رہی تھیں ہو رہا تھا۔ خرد نے بلڈ گروپ کا بلڈ گروپ اس سے ملتا کر لیا۔ فرید کو دیکھ کر مسکرایا۔ "اچھا تو جیسے دیکھے۔ یہ خدمت خلق کے کیڑے بھی کاٹ رہے ہیں۔"

"کیا کریں ہمیں او نیگیٹو والے ہوتے ہی اتنے زیادہ ہیں 'دو سو میں تو ہماری سرشت میں شامل ہے۔ یونیورسل ڈونر ہمیں Universal Donor کہا جاتا ہے۔ یہاں تو خیر دینا بھی ایک O-Negative والے ہی کو تھا۔"

خرد نے ایک ادائے بے نیازی سے شانے اچکانے کے انداز میں اسے جواب دیا تھا اور اس کے اس انداز پر اس کے ساتھ ساتھ فرید بھی قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اسے ہاسپٹل سے واپس آئے چھ سات روز ہو چکے تھے جب اس صبح وہ خرد کو یونیورسٹی چھوڑنے آیا تھا۔ یونیورسٹی پہنچ کر خرد گاڑی سے اتر رہی تھی جب اس نے اپنے پیچھے آتی گاڑی میں سر پر پٹی بندھے خضر کو دیکھا۔ اس وقت حالت میں وہ یونیورسٹی نہیں کیس چلا رہا تھا۔ وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا اور اب خالصتاً اس سے ملاقات کرنے اپنی گاڑی سے اتر رہا تھا۔ اشعر بھی اتفاقاً گاڑی سے باہر نکل گیا۔

"بھائی میرے لائق خدمت بتائیں بلا جھجک کریں" اس زخمی حالت میں یونیورسٹی آنے کی کیا افتاد پڑی تھی۔ ابھی چند دن اور ریسٹ کر لیتے۔" ایک ہیرو جس طرح تمکنت سے اکڑتا ہوا چلتا تھا اسے دیکھ کر اس نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"پہلے ہی بہت چھٹیاں ہو گئیں اشعر بھائی! آپ کی سسٹر تو ہماری میں ہمارے بھی پیچھے ہی رہتے ہیں اب اتنے دنوں کے بعد تو ان جیسی جیلیں سے مزید پیچھے ہو گیا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ خرد خاموشی سے مسکرائی تھی اور ساتھ کھڑی رہی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" اس نے پُراخلاق انداز میں اس کی خیریت پوچھی۔

"اللہ کا شکر ہے اس کا کرم ہے اور آپ کی بیگم کی دعائیں ہیں' بالکل خیریت سے ہوں۔ پہلے صرف ان کے والد ہی تھے اور اب ان کی بیٹی بھی ہے۔ ان کی دعائیں بھی ساتھ ہیں۔" وہ ممنون ہوتا ہوا بولا تھا۔ اس کی زخمی حالت میں اس کے والد کی آمد اور احسان مند ہو گیا ہوں۔ ہمیں ہیلپ کلاس فیلو تھیں اب میری بہت مدد کی تھی۔ خضر مسکرا کر خوش دلی سے بولا۔

"ہم تو ہیں ہی خدمت کے لیے۔" اشعر مسکرا کر اپنی بات جاری رکھتے مزید بولا۔ "آپ کا بلڈ گروپ بھی O-Negative ہے نا؟" اس کی بات پر خضر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ٹیسٹ کے بعد پتا چلا ہے اب اس لیکسیڈنٹ کے بعد پتا چلا ہے O-Negative والے ہی ہوتے ہیں O-Negative والے ہی ہوتے ہیں۔" اپنے سب کو ہیں پُر لیتے صرف اپنوں سے ہیں۔" اشعر کی بات پر خضر کی جس روز وہ واپس گیا تھا' ساتھ روز تک اس کی ہوئی بات ذرا مختلف انداز کے وقت خرد کی کہی ہوئی بات ذرا مختلف انداز میں دہرائی۔

"ابھی بھی O-Negative والے ——— Universal Donor بھی ہیں' ناوالے بھی اب لوگ خوش ہو کر اس بات پر خوش ہو رہی ہے' بھی کو دیر سومیں تو چلا

خضر کو واپسی بھیٹ کر اس نے خضر کو خدا حافظ کہا اور واپسی اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ساتھی بیوک بھی بجنے لگا تھا۔ ابھی گھر تک کا فاصلہ طے کرتے ہوئے راستے میں جو گانا وہ اور سنتے ہوئے آیا تھا وہی اس کا فیورٹ گانا گاڑی کا ہاتھ گرو ہوا نمبر اسے اس وقت اچھا لگا تھا اس نے فوراً ہی بے ساختگی سے زاری سے

☆ ☆ ☆

کی روزانہ والے ہی ٹائم پر گھر واپس ہوئی تھی۔ فرید بھی کچھ دیر قبل ہی گھر واپس آئی تھی۔ خرد کے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی اور اب وہ تینوں ان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ چائے پینے کے دوران آج کی ہی بات گفتگو ہو رہی تھی جب ان کے ہاں میں خضر کی گاڑی آ کر رکی۔ اس کے ساتھ زرینہ بھی تھیں۔

"خیریت اچانک صبوف لوگوں نے تمہارے لیے ڈرائیور کی ڈیوٹی کب سے سنبھال لی؟" وہ لوگ ان لوگوں کے پاس آ کر ان چیئرز پر بیٹھ گئے تب فرید' زرینہ سے کہتے ہوئے بولیں ان کا اشارہ خضر کی طرف تھا۔ جس کے اپنے ساتھ آنے کے متعلق زرینہ یہ بتا رہی تھیں کہ وہ ان کے ہاں آنے کے لیے اپنے ڈرائیور کا انتظار کر رہی تھیں۔ جسے اجمل صاحب اپنے کسی کام سے ساتھ لے گئے تھے۔ ان کا ڈرائیور تو اب تک واپس آیا نہیں تھا۔ ہاں خضر غیر متوقع طور پر ضرور ان کے گھر آ گیا تھا اور اس نے مہمانی کو ان کے گھر تک پک اینڈ ڈراپ کے لیے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔

"بس آنٹی! بندے کو کبھی کبھی چھوٹی موٹی نیکیاں کرتے رہنا چاہئیں۔" خضر' فرید کی بات کے جواب میں خوش مزاجی اور خوش دلی سے بولا۔ وہ اشعر کے برابر والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ خرد ان دونوں کے سامنے والی کرسی پر۔

"اللہ سلامت رکھے تمہارے نیکی کے اس جذبے کو۔" فرید اس کی برجستگی پر مسکرا کر بولی تھیں۔

ادھر ادھر کی گفتگو کرنے کے بعد زرینہ جس کام سے فرید کے پاس اس وقت آئی تھیں اس سے متعلق ان سے گفتگو کرنے لگیں۔ خرد اندر ملازمہ سے ان لوگوں کے لیے چائے کا کہنے چلی گئی تھی۔

"آج یونیورسٹی نہیں آئیں آپ؟" اشعر فرید اور زرینہ کے ساتھ محو گفتگو تھا جب اس نے اپنے برابر والی نشست پر بیٹھے خضر کی آواز سنی تھی۔ خضر

ترنے نے کمل اشعر نے راستے میں ہی گاڑی روک کر [illegible]
حرم اس کو [illegible] کی طرح [illegible]
اور اس [illegible]
سارا [illegible] تھا۔ حرم خریداری [illegible] حرم کو
کے بعد ان [illegible] کھانا کھا کر وہ خود واپس چلا
گیا تھا۔ "اپنے [illegible] دن میں وہ [illegible] تیسیں بار اس نے
حرم سے فون پر بات کی۔ شام ساڑھے سات بجے
گھر آیا تو حرم [illegible] حرم کے ساتھ
وہ واپس [illegible] شاپنگ سنٹر میں [illegible] بھی حرم کی
ساری شاپنگ [illegible]
اگر حرم [illegible] اپنے مطلب کی [illegible]
[illegible]

[illegible] تھی۔
[illegible] "پپا اتنے پیارے [illegible]"
[illegible]
اشعر نے [illegible]
"پپا [illegible]"
[illegible] اشعر کو [illegible] دکھا
[illegible]

[illegible] ساتھ بیٹھے وہ تینوں
ایک [illegible] رہے تھے۔
حرم اس سب سے [illegible] بے انتہا اور بے
حساب خوش تھی [illegible]
[illegible] اور اب ایک [illegible]
[illegible] تھا اور وہ [illegible]
[illegible]
[illegible] اشعر [illegible]
[illegible] کھانے کے بعد [illegible]
[illegible] اٹھ کر
[illegible]

"حرم [illegible] نہیں [illegible]"
"پپا [illegible]"
[illegible] حرم [illegible]
"پپا آپ [illegible]"
"بے اختیار اس کے لبوں پر [illegible]
اشعر کے ساتھ بیٹھ کر [illegible]
[illegible] کی مظلومیت پر ایک [illegible]
[illegible] شکل بنا کر [illegible]
[illegible] بھی آرہی تھی [illegible]
اس کا حرم کی دوا کی طرف [illegible]
تھا اس نے اشعر کے چہرے کی طرف دیکھا۔
"حرم کی میڈیسن کا [illegible]"
"مجھے یاد ہے [illegible] اس کی بات مکمل [illegible]
اس نے اسے دیکھے بغیر جواب دیا [illegible]
[illegible] ایک [illegible]
"[illegible]" اشعر کے آواز دینے پر ملازمہ [illegible]
واپس آگئی۔
"حرم کے روم [illegible]
[illegible]
[illegible] بعد [illegible]
وہ اس [illegible] پانی کا گلاس اور [illegible]
[illegible] ہاتھ سے لے کر [illegible]
[illegible] ٹی وی اسکرین [illegible]
[illegible] "پپا! حرم میڈیسن [illegible]"
[illegible] چہرے پر یک دم [illegible]
ابھری تھی۔
"[illegible] میڈیسن [illegible]
[illegible] اور [illegible] زیادہ کڑوی [illegible]
[illegible]
حرم کو میڈیسن کھلاتے ہی فوراً [illegible]
[illegible] اور [illegible]
"[illegible] میڈیسن [illegible]" وہ اسے [illegible]
[illegible]
[illegible] جانے لگی۔

وہ اب [illegible] تعلق نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ "حرم
[illegible] سے کھونے سے [illegible]
[illegible] اشعر اور [illegible] کے قریب ہوئی [illegible] اگر وہ
[illegible] ان کے سارے
[illegible] میں پہلا [illegible] وہ اس [illegible] اشعر
[illegible]
کے ہاتھ سے [illegible]

حرم نے [illegible] اور ہاتھ پاؤں چلاتا [illegible]
[illegible]
[illegible] سارے کھلونے [illegible]
[illegible] پپا کو سارے [illegible]
شاپ میں واپس [illegible]
کو [illegible] سے [illegible] کہا ہے کہ
[illegible] کھلونے دیے جائیں
[illegible]
وہ [illegible]
وہ ضدی پن سے ہاتھ پاؤں چلاتا [illegible] کر رہے
[illegible] اشعر کو دیکھ
[illegible] "Toys" واپس نہیں کریں۔ میڈیسن
[illegible]
[illegible] "وہ جلدی سے بولی [illegible] اشعر [illegible]
[illegible] کھلونے واپس کرنے نہ چلا جائے۔ ان دونوں
[illegible] مسکراہٹ ابھری تھی اور ان
کے [illegible]
دونوں ہی نے اسے [illegible] سنجیدہ ہی بنائے
رکھا تھا۔

[illegible] آنکھوں میں آنسو بھر
[illegible] "اور [illegible] کا
[illegible] ساری [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کا ہاتھ [illegible] "پپا! ایسا سوچیں کہ [illegible]
[illegible] میں ہلا [illegible]
[illegible] واپس آیا تو اس کے ہاتھ
میں [illegible] خوب
صورت [illegible]
حرم کا [illegible] چلی تھی [illegible]
[illegible] روم میں [illegible]

[illegible] کر رہی تھی۔
[illegible]
[illegible] Teeth
[illegible]
اپنے دانت [illegible]
"وہ بھی حرم کے Teeth [illegible]
shine [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
"[illegible]"
اسے [illegible] حرم [illegible]
سے بولی۔ "پپا! آپ [illegible]"
"میں سن رہی ہوں [illegible]
مطمئن [illegible] حرم کے قریب [illegible]
کے لیے اس [illegible] ایک ہاتھ بھی تھام لیا۔
"پپا! [illegible]" [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] بولی۔
"اب باتیں بند کرو [illegible] کہانی سنو [illegible]
تمہیں بہت اچھی کہانی سنانے والی ہیں۔ [illegible]
کہانی سنانا شروع کریں [illegible]

[illegible] حرم کے [illegible] اشعر [illegible]
[illegible]
[illegible] کے ساتھ اپنی موجودگی [illegible]
[illegible] اس شخص کی [illegible]
[illegible] اسے [illegible] کر دی تھی۔

"آج کل پھر کچھ مسائل کو کھا تھا اس وجہ سے۔" فرید نے جواب دیا۔

"ہاں میں بھی سوچ رہا تھا کہ بھابی رنگو اور بنگلو کل خاتون آج غائب کیسے ہو گئیں۔ خیال کیا کہیں طبیعت تو خراب نہیں۔" خضر نے کہا۔ وہ ہونٹ دبائے ہوئے۔ زرینہ اشعر سے مخاطب تھی۔ ان کی طرف دیکھ بھی رہا تھا۔ مگر وہ کیا کہہ رہی تھیں اس نے بالکل بھی نہیں سنا تھا اس کی سماعتیں کسی اور طرف لگی تھیں۔

"چلو خضر! وہ نہ بھی آئے کہ تیلی گلے پڑ گئی میں نے تو صاف بک بیٹھ دار ایسے ہیچ کی بات کی تھی۔ سادی نہاری بنا لیں گے۔"

زرینہ کو فریدہ سے جو بھی کام تھا وہ اسے جلدی جلدی سمجھا کر کے جانے کے لیے جلدی مچانے لگی تھی۔

"بھابی! ڈونٹ وری۔ میں آج کل فری ہوں ان سے کہیں باہر کھانا کھا لیں گے۔" خضر نے ان سے کہا۔ خرد اور فریدہ دونوں ان سے کھانے کے لیے رکنے پر اصرار کرنے لگے۔

"نہیں رک جاتی خضر! مگر آج بہت دنوں بعد سارہ صاحب اور خضر کو دیکھا ہے بہت دنوں بعد تو آج محترمہ کو ہمارے لیے وقت دینے کا خیال آیا ہے۔ سوڈر تو کہاں باپ کو وقت دینے کا خیال آیا ہے۔" خرد نے آج لاڈلی طور پر مجھے گھر پر ہی رکنے کا کہا ہے۔" خرد کے انداز کے جواب میں اریبہ نے اپنے نہ رکنے کی وجہ بتائی۔

"سارہ کیسی ہے؟ بہت دنوں سے کہیں نظر نہیں آئی۔ مستقل ہیلو کے ہاں پارٹی میں بھی نہیں آئی تھی۔" خضر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ بس وہی اس کے کام ہیں اور کیا ہونا ہے۔ بس صبح اس سے ملاقات ہوئی اور پھر رات میں اور اس وقت بھی اتنی تھکی ہوئی ہوتی ہے کہ کرتے ہی سیدھی اپنے بیڈ روم میں۔ کل ہی میں نے کہا کہ کسی دن کو تو چھوڑ دو تم کہ آ کر خرد کو تو تھوڑا ٹائم دے لیا کرو تو کہنے لگی بھی آج کل اپنی Summer کی ایکٹیوٹیز کی تیاریوں کی وجہ سے اتنی مصروف ہوں اس کے بعد خوب آرام کروں گی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے وہ۔ اس کے بعد کوئی دو ہفتے کی ایکٹیویشن ہو گی اس کے بعد اہم ٹیشن شو کوئی نیا فیوچر ایونٹ۔"

زرینہ کے نہ رکنے کی وجہ بتانے کے بعد فریدہ اور خرد نے انہیں مزید نہیں روکا تھا وہ اور خضر بہت جلدی ہی واپس چلے گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"تم جا کر ریسٹ کرو نور افزا! کچن میں جو کام رہ گیا ہے میں دیکھ لوں گی۔"

خرد ڈائننگ روم کے پاس کھڑی نور افزا سے کہہ رہی تھی۔ کچن سے کاموں کے لیے دیگر دو کل وقتی ملازمائیں اور بھی موجود تھیں مگر۔ وہ ان کے گھر کی سب سے پرانی ملازمہ تھی خرد کے ایک ایک فرد کا مزاج اور اس کی پسند ناپسند کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھی اسی لیے کھانا پکانے کی بنیادی ذمہ داری اس پر رہا کرتی تھی۔ مگر آج شاید وہ کچھ بیمار تھی۔ اشعر اور فریدہ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"بہت نرم دل کی ہے خرد! ہر کسی کی اسے فکر رہتی ہے۔ سب کا خیال رکھتا ہے۔" فریدہ نے بے ساختہ خرد کی تعریف کی۔ وہ اکثر و بیشتر جمال کو پرجمالی میں مدد بھی دے دیا کرتی تھی۔ "فریدہ اسے بتا رہی تھیں۔" خرد کی یہ خوبیاں اس کے علم میں تھیں تمہاری کے منہ سے انہیں سننا اور بھی زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی طرح فریدہ بھی خرد کی معاشق تھیں۔

گھر کے افراد ہوں 'نوکر ہوں یا دوست اسے ہر ایک کی اسی طرح فکر رہتی ہے۔" ابھی خضر کا ایک سیدھا ہوا تھا اسی فکر سے خرد تفریحاً" ہر ایک آدھ دن بعد اس کی خیریت کے لیے ہسپتال جاتی رہی۔ کبھی سوپ بنا کر لے جاتی کبھی سری کوئی اور چیز۔ ٹیبک میں تو کی بات ہے بغیر بھوک کے آ کر بیٹھا اس کے ساتھ بیٹھ کر اس نے اور کچھ بھی نہیں لگ رہا تھا۔ ایک شدید تھکن کی بے زاری اس پر طاری ہو رہی تھی۔

کھانے کے بعد ابھی سب لوگ میز پر ہی تھے کہ وہ معذرت کر کے میز سے اٹھ گیا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا موڈ صرف پانچ منٹ بعد ہی اس کے پیچھے کمرے میں آئی تھی۔ وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔ مانیٹر سے نگاہیں ہٹا کر اس نے خرد کو دیکھا تھا۔ "مسکرایا۔

"ٹھیک ہے۔ کیا ہوا تم کافی پیے بغیر کیوں آ گئیں؟"

"مجھے آپ کی فکر ہو رہی تھی۔ مجھے لگا شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ شام سے اتنے چپ چپ لگ رہے ہیں 'ابھی کھانا بھی اتنا تھوڑا سا کھایا ہے۔" اس کی فکر مندی پر اس بار وہ دل سے مسکرایا۔

"طبیعت میری بالکل ٹھیک ہے۔ بس شاید کچھ تھک گیا ہوں تھوڑا سر میں درد سا ہے۔"

"سر میں درد ہے تو پھر کام کیوں کر رہے ہیں۔ بند کریں اسے "آپ بیڈ پر لیٹیں 'میں بس ابھی دو منٹ میں آپ کے لیے زبردست سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔ چائے پی کر ڈسپرین لے لیں 'ایسا فوراً" سر درد بھی دور ہو گا اور تھکاوٹ بھی ختم ہو جائے گی نا۔"

وہ فوراً" ہی مڑنے لگی تھی لیکن اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔ "کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سوئچ آف تو در دا پنے آپ دور ہو جائے گا۔"

"بس تو پھر سونے لیٹیں۔" اس کے قریب کھڑی وہ خود کی بورڈ پر انگلیاں چلاتی کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرنے لگی تھی۔ وہ کمپیوٹر کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھا تمام لائٹس آف کر کے وہ خود بھی اس کے پاس آ گئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے لیٹا تھا اور وہ اس کے ماتھے پر دراز آہستہ آہستہ اس کا سر دبانے لگی تھی۔ نازک انگلیوں کی نرماہٹ اور گداز اچھا لگ رہا تھا مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں دل میں ایک پھانس سی

چبھی محسوس ہو رہی تھی۔

"خرد! پتا نہیں کون سی بات ہے جو مجھے پریشان کر رہی ہے، مگر آج میرا دل خوش نہیں۔ خرد! تمہاری قربت ہر روز کی طرح دل کو آج بھی بہت تسکین دے رہی ہے مگر پتا نہیں پھر بھی دل اداس کیوں ہے۔" وہ بہت دیر تک اس کا سر دباتی رہی تھی اور اس کے نازک ہاتھوں اس کی کومل انگلیوں کی نرماہٹیں محسوس کرتے کرتے وہ نجانے کس وقت سو گیا تھا۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ اس کے پاس لیٹی تھی، اس کا ہاتھ ابھی بھی اس کی پیشانی ہی پر تھا۔ پتا نہیں، رات وہ کب تک اس کا سر دباتی رہی تھی اور یقیناً "سر دباتے دباتے ہی خود بھی سو گئی تھی۔

اپنی محبوب بیوی کے محبت بھرے اس انداز نے حقیقتاً "اس کی ساری بیزاری ساری تھکن مٹا دی تھی۔ اپنی پیشانی پر رکھے اس کے ہاتھ کو اس نے اپنے ہاتھ میں لے کر والہانہ چوما تھا۔

"خرد! آئی لو یو خرد! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا، میری زندگی کی ہر صبح یونہی ہو، میں آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے تمہیں دیکھوں۔"

اس نے خرد کے گرد اپنے بازو پھیلا دیے تھے اور خرد اس کے محبت کے اس پُرجوش انداز پر حیران سی ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آنے والے ہفتہ دس دنوں میں حریم کے تمام ٹیسٹ ہو بھی گئے تھے اور ان کی رپورٹس بھی آ گئی تھیں۔ وہ اس روز حریم کی تمام رپورٹس لے کر ڈاکٹر انصاری کے پاس آیا ہوا تھا۔

وہ اسے "دل کس طرح کام کرتا ہے" تفصیل سے بتا رہے تھے پھر انہوں نے اسے یہ بتایا کہ حریم کا ایک ہارٹ والو پیدائشی طور پر خراب ہے اس کی وجہ سے صاف خون کی کچھ مقدار بجائے دل سے نکل کر جسم کے دیگر حصوں تک پہنچنے کے دل میں back Pump ہو جاتی ہے۔ یوں صاف اور گدلا خون آپس میں مل جاتا ہے اور یوں حریم کے دل پر کام کا بوجھ بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے اور اس صورت حال کے مسلسل جاری رہنے کے سبب حریم کے دل کا سائز اس کی عمر کے لحاظ سے جو نارمل سائز ہونا چاہیے۔ اس سے دگنا ہو گیا ہے۔ حریم کی گزشتہ سات آٹھ مہینوں کے دوران کی پچھلی تمام رپورٹس اور اب والی موجودہ تمام رپورٹس کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ حریم کو جو مرض ہے اس طرح کے کیس میں وقت سب سے زیادہ اہم ترین چیز ہے۔ سرجری ہونا ہے یہ طے شدہ بات ہے مگر کب؟ وہ ان لوگوں کو اس لحاظ سے خوش قسمت قرار دے رہے تھے کہ انہوں نے حریم کے علاج کی طرف بالکل درست وقت پر توجہ دی ہے اور ان کے حساب سے یہ حریم کی سرجری کے لیے مناسب ترین وقت ہے۔ انشاء اللہ ایک ہی سرجری سے نقص دور کر دیا جائے گا اور آگے مزید کسی سرجری کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔

وہ ڈاکٹر انصاری سے یہ پوچھ رہا تھا کہ اگر وہ حریم کو سرجری کے لیے امریکہ لے جائے تو کیا یہ زیادہ مناسب رہے گا یا پاکستان ہی میں سرجری کروانا ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا کہنا تھا۔ cardiac Paediatric سرجری ایک مشکل اور نازک کام ہے۔ اس کے لیے اعلا درجے کی پیشہ ورانہ قابلیت مہارت اور جدید ترین ٹیکنالوجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں اس حوالے سے اب پاکستان میں دل کے امراض اور ان کے علاج کے حوالے سے highly trained کارڈیک سرجنز، کارڈیالوجسٹ اور جدید ترین ٹیکنالوجی کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اگر حریم کی پاکستان میں ہونے والی اوپن ہارٹ سرجری کی کامیابی کے ۹۹ فیصد چانسز اور اس میں ایک فیصد رسک ہے تو وہ اسے امریکہ سمیت دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک میں لے جائے ایک فیصد رسک وہاں پر بھی ہو گا۔

☼ ☼ ☼

یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ اس کی موجودگی میں اسے اطمینان محسوس ہوا ہے۔ وہ اسے چند گھنٹوں ہی کے لیے سہی مگر کتنا خوش کر گیا ہے۔ وہ اس کی خوشی میں خوش تھا۔ اس سے پہلے کبھی سوچا نہیں تھا۔ خود بھی یہ بات نہیں جانتی تھی کہ اس کے لیے اسے خیال آئی دیکھ کر وہ خود سے بھی زیادہ خوش ہو سکتی ہے۔ وہ ہر ہو گیا تھا' خرد نے اس کے وقار کو پہنچائی تھی۔

اس رات سونے سے پہلے جو آخری احساس اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا' وہ یہ تھا کہ آج خرد نے اسے' اس کے جذبات اور اس کی محبت کو بہت بری طرح مجروح کیا ہے۔ آج خرد نے اس کی محبت کو سرد مہری اور بے زاری سے ٹھکرایا ہے۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ بالکل خاموشی اور سنجیدگی سے اپنی آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ خرد جھجکی جھجکی' پچھتاوے کی اسے دیکھ رہی تھی' کئی بار لب کھولے تھے مگر بات کرنے کی ہمت نہ پا سکی۔ "خود میں پیدا نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ وارڈ روب کے سامنے کھڑا اپنے لیے ٹائی نکال رہا تھا۔

وہ مون ٹائی پر ہاتھ رکھ ہی رہا تھا کہ وہ بھی اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ "ہاں اس سوٹ کے ساتھ یہ مون ٹائی بہت اچھی لگے گی۔"

اس نے فوراً ہی دوسرے سرے پر لٹکی ایک نیلے رنگ کی ٹائی کھینچی اور خاموشی سے وارڈ روب کے سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ ٹائی گلے میں لٹکاتا ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے ہی آ گئی تھی۔ وہ ابھی تک گھر کے اندر ہی تھی۔ اس نے یونیورسٹی جانے کے لیے اپنی تیاری شروع نہیں کی تھی۔ وہ اسے آئینے میں اپنے برابر کھڑی نظر آ رہی تھی مگر اس نے گردن موڑ کر راست اسے نہیں دیکھا تھا۔

وہ اسے چند لمحے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ٹائی کی نٹ کو تیز رفتاری سے بنانا شروع کر دیا۔ "آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

"نہیں۔" ٹائی کی نٹ تیز رفتاری سے بناتے اس نے ایک لفظی جواب بالکل بے تاثر تھا۔

"آئم سوری' کل رات کی میری حرکت واقعی بہت ایبنارمل تھی۔ صرف دو دن پہلے ڈاکٹر افتخار نے آج کے ٹیسٹ کی ایڈوانس میں تھی۔ میری کوئی تیاری نہیں ہو سکی تھی۔ ان دو دنوں میں پورے سوں لنچ ہی کی فیئرز کو کرتا تھا' پرسوں کی پوری دوپہر اور شام اس میں لگ گئی' رات میں بھی پارٹی میں جانا تھا وہاں چلے گئے اور پھر یونیورسٹی سے آ کر فریش ہونے کے بعد جب میں پڑھنے بیٹھی تو زیادہ آنکھیں۔ ممی گھر پر نہیں تھیں تو پھر مجھ ہی کو انہیں کمپنی دینے بیٹھنا پڑا۔ میری ساری دوپہر اسی میں ضائع ہو گئی۔ میری ٹیسٹ کی کوئی تیاری نہیں ہو سکی تھی اور میرے ذہن پر ٹینشن اتنا ہوا سوار تھا کہ میں۔"

وہ روانی سے بولتے لب بھینچ کر ایک پل کے لیے چپ ہوئی جیسے خود اپنے آپ سے بہت خفا ہو۔ وہ اس دوران اس کی باتیں نظر انداز کرتا ٹائی کس چکا تھا۔ قمیص کے اوپر اٹھے کالر کو ٹھیک کر لیا تھا اور اب ہیئر برش اٹھا کر انتہائی سرعت سے بالوں میں برش پھیر رہا تھا۔

"لیکن جیسے ہی آپ سونے کے لیے جا کر لیٹے تھے' مجھے اسی وقت اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا' شرمندگی ہوئی تھی' دکھ ہوا تھا۔ مگر جب میں آپ کے پاس آئی تب ہو چکے تھے۔ میں اسی وقت آپ سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ میرے لیے کوئی ٹیسٹ اور دوسرا کوئی بھی آپ سے زیادہ اہم نہیں۔ میرے لیے سب سے زیادہ آپ اہم ہیں۔ میں رات ہی آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی' پلیز مجھے معاف کر دیں' مجھ سے ناراض مت ہوں۔"

اس نے آہستگی سے اس کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔ آنکھوں میں بیک وقت ندامت' دکھ اور آنسو لیے التجا کر رہی تھی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑاتا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اس نے ہینگر میں سے کوٹ نکال کر اوپر کھونٹے پر اچھال دیا۔ وہ کوٹ پہن رہا تھا' آپ بالکل پاس کھڑی تھیں کو مکمل نظر انداز کیے۔

"آپ نے مجھ سے کہا تھا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں' ہم مجھ سے محبت کرتے ہیں' اسے اس کی غلطیوں پر معاف بھی تو کر دیتے ہیں۔" وہ اس کے ہاتھ کو تھام کر بھرائی آواز میں بولی۔

"مجھ سے ناراض ہو کر آفس مت جائیے گا' خود اپنی زندگی کے اس بدترین دن کے لیے میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اس نے پلکوں کو زور سے جھپکا کر خود کو رونے سے روکا تھا' آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا تھا' اس لڑکی کے آنسو تو ان راتوں میں بھی تکلیف دیتے تھے جب اس کی ماں کی جدائی کے غم میں اس کے قریب لیٹی خاموش آنسو بہاتی تھی اور ابھی وہ اس سے محبت کا دعوے دار ہوا بھی نہیں تھا تو پھر اب۔۔۔؟ اتنی دیر میں اس نے پہلی مرتبہ اس کی طرف رخ کیا' اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کہتا تھا نہیں' کہتا ہوں کہ تم سے محبت کرتا ہوں' تم میرے لیے سب سے خاص ہو' سب سے اہم ہو۔ اب یہی بات ایک بار تم بھی میرے لیے بول دو تو ساری ناراضی ابھی کے ابھی ختم ہو جائے گی۔"

"میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں' جتنی آپ مجھ سے کرتے ہیں اس سے بھی کہیں زیادہ۔ اس لیے کہ آپ کے پاس تو دوسرے بھی بہت سے رشتے ہیں جن سے آپ کا محبت کا تعلق ہے۔ آپ کے پاس ماں ہے' بہنیں ہیں' آپ کی محبت کو تقسیم کرنے کے لیے' بانٹنے کے لیے آپ کے پاس دوسرے کئی رشتے ہیں' میرے پاس تو آپ کے علاوہ اور کوئی رشتہ ہی نہیں ہے محبت کرنے کے لیے۔ میرے پاس صرف آپ ہیں اور اس محبت کو تقسیم کرنے کے لیے' بانٹنے کے لیے دوسرا کوئی بھی نہیں۔" وہ اپنے آنسوؤں کو مزید روک نہیں پائی تھی' وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر رو پڑی

"کل کی میری بدتمیزی کو بھول جائیں گے؟ آئندہ سے میں اپنی ساری پریشانی آپ کے آفس آنے سے پہلے ختم کر دیا کروں گی۔"

وہ اس کی ناراضی سے خائف ہو کر اپنے حصے بدل لیتے تو وہ اس سے ڈر کر سانس بھی اس کی مطابق سے لیتا تو وہ کبھی بھی نہیں چاہ سکتا تھا۔ جس لڑکی سے وہ والہانہ محبت کرتا تھا' وہ اس کی ناراضی سے یقیناً خفا ہو گئی تھی۔

"تم جس طرح پڑھتی ہو' اسی طرح اپنے کسی رویے کو چیک کرنے کی زحمت نہیں کرتیں۔ اگر کرو گی تو مجھے اپنا آپ بہت حکام اور جابر شوہر جیسا لگے گا۔ پھر یہ اوامانڈ اور ذلیل ہونے کا تمہارا احساس ہمیشہ کی طرح اپنے پاس برقرار رکھو گی؟" اس نے مسکراتی محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تم کچھ بھی کہیں لیکن مجھے اپنے آپ پر بہت غصہ ہے۔ میں نے جتنی ندامت اور شرمندگی کل ساری رات محسوس کی ہے' زندگی میں کبھی نہیں کی۔"

"اسی شرمندگی' شرمندگی میں تمہارے ٹیسٹ کی تیاری کا کیا بنا؟"

"کچھ بھی نہیں' مجھے دلچسپی بھی نہیں۔ میں فیل ہو جاؤں مجھے فرق نہیں پڑتا۔ ایک بیوی کی حیثیت میں میں کل ہو کر پھر مجھے کسی بھی امتحان میں پاس ہونے کی خواہش نہیں۔"

"تم مجھ ایک بیوی نہیں ہو تم میرے لئے کچھ ہو۔ تمہیں پتا ہے ناں یہ بات؟ پھر پاس اور فیل کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔ اپنے ذہن کو سب ٹینشن سے آزاد کر کے بالکل ریلیکس ہو کر ٹیسٹ دو۔ تمہیں خود پر بھروسا نہ ہو' مگر مجھے میری خود پر بھروسا ہے' وہ بغیر تیاری کے بھی ساری کلاس میں ایک سے اچھا ٹیسٹ دے کر آئے گی۔" اس کا لہجہ پرعزم تھا اور محبت اور چاہت سے بھرپور بھی۔ اس کے یقین انداز پر طمانیت سے مسکراتی وہ پھر سے ہائپوتھیسس ڈراپ کر کے جیب سے پنسل

جاوید طالب بھی بے راستے خود کو سرزنش کرتا رہا تھا۔ معمولی سی ایرانی سی کرتابوں کا کھیل نہیں' اتنی مشکل پر محنت کے لیے اسے وقت تو چاہیے تھا۔ کیا جس وقت وہ اپنی دفتری یا کوئی اور ضروری کام کر رہا ہوتا ہے تب خرچ ہوتی ہے کہ میں اکتا رہی ہوں؟ کسی زندہ جیتے جاگتے انسان کو صرف اور صرف اپنے ساتھ میں رکھنے کی کوشش کرنا' وہ بھی محبت کے نام پر محبت کی سراسر توہین ہے۔

☆ ☆ ☆

تمام تر غور و فکر کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچ گیا تھا کہ اگر سرجری ہی حریم کا واحد علاج ہے تو وہ یہ سرجری ڈاکٹر انصاری ہی سے کروانا چاہے گا۔ اسے ڈاکٹر انصاری کی پیشہ ورانہ مہارت 'ان کا طریقہ کار سب کچھ بہت زیادہ پسند آیا تھا۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ اپنی صبح خیزی کی عادت کے مطابق جلدی جاگ جانے کے باوجود وہ کچھ دیر سستی سے بستر پر پڑا رہا۔ پھر جب وہ اٹھ کر نہانے کے لیے باتھ روم میں گھسا تو نہانے سے پہلے آئینے میں خود کو دیکھتے اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ انوار کو شیو نہیں کر رہا تھا۔

اس کے چہرے پر موجود یہ سخت رواں اس کی نرم و نازک سی بیٹی کو ناگوار گزر سکتا تھا۔ شیو کر لینے' نہا لینے اور بہت اچھا سا آفٹر شیو اور کولون استعمال کر لینے کے بعد وہ خود اپنے آپ پر ہنس پڑا تھا۔

وہ باتھ روم سے باہر نکلا تھا' عین اسی وقت ایک دروازہ دھماکے سے کمرے کا دروازہ کھول کر حریم اندر آئی۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کے نائٹ ڈریس میں ملبوس نیند سے بوجھل آنکھیں ملتی ہوئی۔

وہ اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرایا تھا' اس کے اندر باہر چہار سو خوشی ہی خوشی بکھر گئی تھی۔

"گڈ مارننگ بچے۔" وہ اپنی باہیں پھیلائے اس کے پاس آئی تھی۔ اس نے فوراً ہی اسے گود میں اٹھایا اور والہانہ اس کے گالوں پر پیار کیا۔

"ماما سو رہی ہیں۔ حریم اٹھ گئی۔" اس سے الگ ہو کر اس نے بتایا۔

"پاپا کی جان کو اٹھا دیا ماما نے۔" وہ اس کے ہاتھ روم میں لے آیا۔ وہ حریم کو وہیں کھڑا چھوڑ کر اپنے کمرے سے باہر نکلا' آہستگی سے برابر والے کمرے کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہوا' وہاں بے خبر سوئی حرم پر ایک نگاہ بھی ڈالے بغیر وہاں سے وہی چھوٹی سی ٹرے اور ہاتھ روم سے حریم کا بریش اور پیسٹ اٹھا کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے واش بیسن کے سامنے کھڑی حریم کو اس پر کھڑا کر کے وہ بھی وہیں اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ حریم واش بیسن کے آگے کرسی پر کھڑی تھی' اس نے اسے تھپ تھپا کر دونوں' صابن اٹھا کر پہلے اسے کافی کچھ سکھا رکھا تھا' اسے صرف اس کے کوشش پر ٹوتھ پیسٹ لگا کر دیتا رہا تھا' باقی واش بریش بھی اس نے خود کیے تھے اور کلی بھی خود کی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے منہ پر صابن تو خود ہی بہت اچھی طرح لگا لیا تھا۔

"پاپا! منہ دھلائیں۔" آنکھیں مضبوطی سے بند کیے کیے اس نے کس قدر خفگی سے کہا تھا' مسکراتا ہوا وہ اس کے منہ پر پانی کے چھپاکے مارنے لگا' اچھا خاصا صابن سے ناطہ توڑ کر اس نے اس کا منہ' ہاتھ نلکے کے نیچے کر کے پھر اسے گود میں اٹھا کر واپس کمرے میں لے گیا۔

"بشت کرنا ہے؟" اسے گود میں اٹھاتے اس نے پوچھا۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں گردن نفی میں زور سے اقرار میں ہلائی۔

"چلو حریم اور پاپا آج ساتھ مل کر بشت کرتے ہیں۔ آج پاپا حریم کو خود بشت بنا کر دیں گے۔" وہ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف آیا تھا۔ کچن میں داخل ہو کر اپنے لیے چائے کا کپ لے کر بیٹھی آرزو تھوڑی کے جھٹکے کے جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ ان دونوں کو اندر آتا دیکھ کر وہ ایک دم مستعد ہو کر کھڑی ہوئی۔

"بیٹی کے لیے کیا بنا رہے ہیں اور آپ کا ناشتہ؟"

"تم رہنے دو' میں اپنا اور حریم کا بشت میں خود بنا لوں گا۔ تم جاؤ' آرام کرو۔"

رہا ہوں۔"

زینت اسے خود ناشتہ بنانے کے موڈ میں دیکھ کر سر ہلاتی کچن سے نکل گئی تھی۔ "ناشتے میں کیا کھائو گی پرنسس؟"

"ملک اور ٹوسٹ اور ایپل جیم اور کریکر۔" اس نے بے تکلفانہ اپنی پسند بتائی۔ اس نے حریم کو گود سے اتار کر کاؤنٹر پر بٹھا دیا۔ وہ ڈبل روٹی، جیم وغیرہ نکال رہا تھا اور وہ دلچسپی سے اسے کام کرتا دیکھ رہی تھی۔

"پرنسس! آپ ملک کیسا پینا پسند کریں گی؟" ڈبل روٹی کے دو سلائسز ٹوسٹر میں ڈالتے اس نے پوچھا۔

"ٹھنڈا، شوگر نہیں۔" ٹانگیں ہلاتے اس نے فوراً" جواب دیا۔ وہ فریج کی طرف بڑھ رہا تھا، مگر حریم کے جواب نے اسے چونک کر رک جانے پر مجبور کیا۔

"ملک میں شوگر اچھی نہیں لگتی پاپا۔" وہ اس کے چونکنے کو شاید اس کی ناپسندیدگی محسوس کر کے مدبرانہ انداز میں بولی، پھر اس مدبرانہ انداز میں بڑی ہی بچکانہ اور معصومانہ قسم کی سنجیدگی کے ساتھ جھٹ سے مزید بولی۔ "پاپا! جیم، کیک اور کسٹرڈ میں شوگر ہوتی ہے، حریم وہ کھاتی ہے۔" وہ ایک گہری سی سانس لے کر اپنی بے تحاشا حیرت کے حصار سے باہر نکل کر مسکرایا۔

اپنے بچپن کی ایک عادت جو آج تک قائم تھی، اپنی بیٹی میں دیکھنا ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سامنے خود اس کا اپنا بچپن آ کر کھڑا ہو گیا ہو۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں تنہا تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی اس نے بیڈ پر اپنے برابر کی خالی جگہ اور پھر باتھ روم کو دیکھا۔ وہ یک دم ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ پھر اسے حریم اور اشعر کے باتیں کرنے کی آواز آئی، تو وہ سیدھی کچن میں چلی آئی۔ کچن کے اندر کا منظر حقیقتاً" ایک بہت ہی خوب صورت اور دلچسپ سا منظر تھا۔ حریم اور اشعر کچن ٹیبل پر ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے اتنے خوش، اتنے مگن لگ رہے تھے کہ وہ بے اختیار ٹھٹک کر دروازے ہی پر رک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اور ٹوسٹ لو گی پرنسس؟ جیم لگا دوں؟" اشعر کے سوال کا حریم نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

تب ہی اس کی خرد پر نظر پڑی۔ "ماما آ گئیں۔" بڑے جوشیلے سے لہجے میں اس نے باپ کو اطلاع دی۔

اشعر نے گردن گھما کر اسے بے تاثر نگاہوں سے دیکھ کر فوراً" ہی سر دوبارہ سیدھا کر لیا اور اپنی توجہ ہاتھ میں موجود چائے کے کپ اور سامنے دھرے اخبار پر مرکوز کر دی۔

"ماما! حریم کو بریک فاسٹ پاپا نے دیا۔ ملک بھی پاپا نے دیا۔" حریم بڑے جوش و خروش سے اطلاع دے رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے حریم کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"ماما کو بریک فاسٹ نہیں کراؤ گی؟" حریم کی طرف جھک کر اس کے گال پر پیار کرتے اس نے پوچھا۔

اسے سر اثبات میں ہلا کر جواب دیتی وہ اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔ "پاپا! ماما کو بھی بریک فاسٹ دیں۔" اس کا انداز ایسا حکمیہ سا تھا کہ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"بہت بہتر پرنسس! پر اپنی ماما سے یہ تو پوچھو وہ کیا لیں گی۔"

"ماما! آپ کیا لیں گی؟" اشعر کا جملہ اسی کے انداز میں دہراتے اس نے خود سے پوچھا۔

"جو تم کھلاؤ گی سوئیٹ ہارٹ۔" اشعر اس دوران آملیٹ، ٹوسٹ، رول، مکھن تمام چیزیں خرد کی طرف کرنے لگا تھا۔ اس نے کیتلی کی طرف ہاتھ بڑھایا تب ہی اشعر نے کیتلی اس کی طرف کرنا چاہی۔ اشعر نے اسے کیتلی کی طرف ہاتھ بڑھاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا ہاتھ خرد کے ہاتھ کے اوپر رکھا گیا تھا۔ اسے جیسے کوئی بہت زور کا جھٹکا، کوئی بہت شدید نوعیت کا کرنٹ لگا تھا۔ لمحے بھر کا اس شخص کا یہ لمس اسے انتہائی ناقابل برداشت اور قابل نفرت محسوس ہوا تھا۔ مرتے دم تک بھی وہ کبھی یہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ

ڈاکٹر انصاری نے سرجری کے لیے [illegible]
تھی۔ انہوں نے بتایا تھا۔ سرجری کے بعد
حریم کچھ عرصے سے نارمل زندگی گزارنے کے
ہونے کے بعد شادی کرسکے گی' ماں بن سکے گی۔
پندرہ دن بعد کی تاریخ اس نے دی تھی ہے
دوائیں دی گئی ہیں جنہیں استعمال کرکے حریم
سے اس کی قوت مدافعت بہتر ہوجائے گی۔

وہ لوگ حریم کو ساتھ لیے گھر واپس آگئے تھے
بہت تھکے ہوئے اور نڈھال قدموں سے چلتی ہوئی
حریم کے کمرے میں داخل ہوئی۔ حریم ابھی مکمل طور
پر غنودگی میں تھی۔ اشعر نے بڑی احتیاط سے اسے
لٹایا تھا۔ اشعر کے چہرے پر تفکرات کا جال بچھا ہوا
تھا۔

اس کے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ دن
مخص ہے۔ جس نے بیوی کے پریگننٹ ہونے کی
بات جان لینے کے بعد بیوی کے لیے تو کیا اپنی اولاد
تک کے لیے بھی کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ اس تک آنے کی
نہیں کی تھی اور جس کے بغیر محض چند دن مل وہ
حریم کے اس کی اولاد ہونے کے کئی طرح کے ثبوت
لے کر اس کے آفس پہنچی تھی۔ شاید الفسن کی بات
تھی۔ بیوی کے پریگننٹ ہونے کو جاننے اور
اپنی ایک جیتی جاگتی' پیاری سی بیٹی کو دیکھ لینے میں مشغول
آسمان کا قرض ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

"کچھ دیر آرام سے بیٹھی رہو مسز۔" پیارے
سمجھا وہ اسے بستر سے اٹھنے سے روکنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر
انصاری کے پاس سے آنے کے بعد سے وہ دونوں
مسلسل اس کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ خود اس
کے ایک طرف اور وہ دوسری طرف۔ اسے یہ نظر تھی
نے محسوس کرلیا تھا اور کیوں ہوا تھا' یہ اگر
کوئی تھی تو اپنی کی 'اپنے ڈول ہاؤس کی اپنے
دوسرے کھلونوں کی۔ اس کے پاس سوالات تھے تو اپنی
ڈولز کے متعلق اپنے کھلونوں کے متعلق۔

طبیعت کی اتنی شدت کی خرابی کے بعد ابھی کم از کم
ہفتے تو اسے مکمل آرام کرنا چاہیے تھا۔ وہ اس کی
ڈولز اور وہ سب کھلونے اٹھا کر نہیں لے آیا۔ اس
نے فوراً ہی بڑی نگرے اپنی گیارہ ماہ میں فیڈرڈی
تھی توتی کو اپنی گود میں بٹھایا تھا' بالوں کا لباس تبدیل
کیا تھا۔

"بیبا! Toys کی شاپ پر چلیں؟" رات وہ لینے
کے وعدہ "اپنے مطلب کی بات اسے یاد
ملی یاد دلائی گئی۔

"ہاں بیبا! چلیں گے پر آج تو سنڈے ہے۔ آج تو
ساری شاپس بند ہوں گی۔"

"آپ نے پرامس کیا تھا۔" وہ آنکھوں میں ویسر
ساری خفگی بھر کر بولی۔

"سوئیٹ ہارٹ! بابا کو اپنا پرامس یاد ہے پر آج تو
سنڈے ہے۔ کل ہم سب سے پہلا کام یہی کریں گے
کہ اپنی پرنس کو اس کے فیورٹ Toys والا کر لائیں گے
گے۔" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتا پیار سے بولا۔
اس کے چہرے کی رنگت گو اب نیلاہٹ مائل نہیں
تھی مگر اس کی لبوں کے اطراف کی جلد ابھی بھی
نیلاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اور وہ اپنی بیماری سے کتنی
انجان اپنے کھلونوں کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ آنکھوں
میں کرب و اذیت لیے اپنی انجان اور بے خبر سی
معصوم بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے سامنے حریم کی طبیعت پہلی بار بگڑی تھی وہ
چھوٹے چھوٹے معمولی کاموں سے بھی بہت جلدی
تھکن محسوس کرسکتی ہے' یہ تو اس نے کئی ڈاکٹرز سے
سن لیا تھا مگر یہ چھوٹے کام اس قدر معمولی
نوعیت کے بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ اسے اندازہ نہیں تھا۔ اگر
کھانا کھانا اور بیٹھے بیٹھے باتیں کرنا بھی حریم کے لیے
کاموں ہی میں شمار ہوتا ہے' ایسے کام جو حریم کو تھکا
سکتے ہیں۔ صرف باتیں ہی تو کر رہی تھی وہ اور ساتھ اس
نے اور خود باتیں بھی کر رہی تھی' ایک ہی جگہ
بیٹھے' بالکل آرام دہ اور پرسکون انداز میں اور اتنے
معمولی سے کام سے وہ اس قدر نڈھال ہوگئی تھی کہ

عمل سے گزر رہا تھا اور خود اس کے بارے میں کچھ جانتی تھی۔ فی الحال تو اسے اپنی بیٹی کی خاطر دل پر جبر کرکے اس صورت کو ہر قیمت پر برداشت کرنا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کچن میں کھچڑی پکانے آئی تو وہاں کھچڑی پکانے کے لیے درکار تمام لوازمات اسے دستیاب تھے۔ زینت کے پہلی ملازمت کے دوسرے ہی دن اشعر نے اسے کافی زیادہ پیسے دے کر کہا تھا کہ وہ ایک لسٹ بنا کر گھر کی کھانے پینے کی ضرورت کی تمام اشیاء وقتاً فوقتاً سپر اسٹور سے خرید لائے۔ وہ اس بات سے باخبر تھی کہ اس لسٹ کو تیار کرلینے کے بعد زینت اپنی پہلی لسٹ کی تکمیل کے لیے اس شام اسلام آباد کے کچن کے پاس چلی آئی تھی۔

جب زینت اس کے پاس وہ لسٹ لے کر آئی تو اس نے اس میں چند ایک دوسری چیزیں بھی شامل کردی تھیں جو حریم شوق سے کھایا کرتی تھی۔ کھانا پکانا اور باقی تمام کام زینت ہی کرتی تھی۔ وہ ان کئی دنوں میں صرف اسی وقت کچن میں نکلی تھی جب حریم نے کھانے میں کچھ خاص چیز اس کے ہاتھوں کی بنی کھانی ہوتی تھی۔ جتنی دیر میں اس نے پیاز کاٹی زینت نے آٹے، دال اور چاول چن کر دھو دیے۔ وہ دھونے میں کرنا چاہ رہی تھی کہ کھچڑی کی پلیٹ اور چمچ کا کاس لے کر کچن میں آئی تو اشعر اور حریم Dough سے کھیلتے نظر آئے۔ اشعر کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا Dough تھا اور حریم کے ہاتھ میں سرخ رنگ کا۔

"کیا بن رہا ہے؟" اس نے دیے پیچ حریم کے سامنے رکھی۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے dough کو گول شکل دیتے ہوئے زینت کو بتایا کہ وہ گول منہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کس آپ کی کھچڑی آگئی ہے۔" اس نے اسی کے انداز میں ڈور کرتے بے نیازی سے پلیٹ اٹھائی اور حریم کو مخاطب کیا۔ حریم نے نظریں اٹھا کر پلیٹ کی طرف دیکھا۔ پیاری سی نے اس کی پسند کم کردی تھی۔ جس طرح وہ اپنے میں کھچڑی کھاتی تھی اسی طرح اس کے سامنے بھی رکھی تھی۔ خود زینت نے اپنی پلیٹ میں کھچڑی نکالی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کے بعد زینت واپس اپنے کوارٹر میں آگئی تھی۔ کھانا کھانے کے کچھ زیادہ دیر بعد ہی اشعر بھی آگیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی زینت کی ڈیوٹی ختم ہوجاتی تھی۔ اشعر کے آنے کے بعد وہ کبھی بھی حریم کے سامنے نہیں آئی تھی۔ اشعر کے آنے کے بعد وہ کبھی بھی حریم کے سامنے نہیں آئی تھی۔ اشعر کے آنے کے بعد وہ کبھی بھی حریم کے سامنے نہیں آئی تھی۔

خود زینت کو بھی اس کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اشعر کے آنے کے بعد وہ کبھی بھی حریم کے سامنے نہیں آئی تھی۔ اشعر کے آنے کے بعد وہ کبھی بھی حریم کے سامنے نہیں آئی تھی۔

"پاپا کھچڑی حریم کو کھلائیں۔" اس نے جلدی سے وہ پلیٹ اس کے سامنے سے ہٹا لی۔ صرف اور صرف اس ضد کے پیش نظر کہ اس کے پاپا اس کی ماما کے ہاتھوں کی پکائی کھچڑی کیسے کھا سکتے ہیں۔ اس نے پلیٹ کھچڑی کی کھائی تھی۔

اس مقابلہ بازی کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ حریم کو کھانا کھلانے میں اسے کامیابی حاصل ہوگئی تھی۔ کھانا کھانے میں اسے کتنا وقت لگا تھا اس سے کتنا وقت وہ اپنے میں لگا تھا۔ پچھلے تین دنوں کی طرح مختلف ترغیبات دیتے وہ دونوں کھانا اسے ساری دوا کھلا دینے میں کامیاب ہوپائے تھے۔ اس سارے تھکا دینے والے عمل میں کچھ نہیں کچھ تھیں تو بڑھ "دو گھنٹے تو لازمی لگے ہی تھے۔ شدید ترین حیرت بھرے اشعر کے رویے ہو رہی تھی۔ حریم کے ہزار مخرے دکھانے "ضد کرنے پر بھی اس کے ماتھے پر ایک شکن تک نہیں آئی تھی۔ وہ بے زاری سے نہیں بلکہ بڑی خوش دلی سے بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ہمیشہ کی طرح تمام دفتری امور سرانجام بھی دے رہا تھا مگر اس میں اس کا دل بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ حریم سو رہی تھی۔ آفس کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ گھڑی میں وقت کا اندازہ لگاتے اس نے اس وقت گھر پر فون کیا جب اس کا خیال تھا کہ حریم جاگ چکی ہوگی۔ فون خرد نے اٹھایا تھا اور اس نے اس سے حریم کی خیریت پوچھی تھی۔ "ٹھیک ہے ابھی سو کر اٹھی ہے ناشتہ کر رہی ہے۔" خرد کے جواب کے ساتھ ہی اسے پیچھے سے حریم کی آواز سنائی دی۔

"پاپا کا فون ہے مومو بھی بات کرے گی۔" خرد نے فوراً ہی ریسیور اسے پکڑا دیا۔

"ہیلو پاپا آپ کو Taste (تیز) لولا اور ڈنگی یاد ہیں؟" اس حق دق انداز پر وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"بالکل یاد ہے پرنسس! یہ تو کبھی بھولنے والی بات ہی نہیں ہے۔ تم بتاؤ اور تو کچھ نہیں کھا رہے

تھی۔

"ہائے اشعر۔" خوشگوار سے انداز میں مسکراتے وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"ہائے سارہ! کیسی ہو؟" وہ اخلاقاً مسکرایا جبکہ دل ہی دل میں وہ سخت کوفت کا شکار ہوا تھا۔

"پہلے کی طرح بالکل اکیلی۔" وہ اس کے سوال کے جواب میں دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

سات سال قبل لندن سے فیشن ڈیزائننگ میں ڈگری لے کر آئی۔ اس کی یہ کزن پچھلے چند سالوں ہی کے اندر پاکستان کی فیشن انڈسٹری میں اپنا ایک نام اور ایک شناخت بنا چکی تھی۔ وہ سارہ کی تخلیقی صلاحیتوں کی معترف تھا۔ اپنے کیریئر اور اپنے پروفیشن کے ساتھ اس کی کمٹمنٹ کو بھی وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر اس سے بڑھ کر کسی اور حیثیت میں وہ اسے کبھی نہیں دیکھ سکا تھا جبکہ سارہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ بولڈ بھی تھی اور کانفیڈنٹ بھی۔ اشعر کے لیے اپنی پسندیدگی اس نے کبھی اس سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چھ سال قبل جب وہ خرد احسان کے ساتھ اس نام نہاد شادی کے بندھن میں ابھی بندھا بھی نہیں تھا، تب سارہ نے بڑے واضح انداز میں اس تک اپنی پسندیدگی پہنچائی تھی۔ تب نہ اس کی کہیں کوئی کمٹمنٹ تھی نہ کچھ اور۔ مگر تب بھی اسے سارہ میں کسی بھی طرح کی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسے صاف طور پر یہ بتایا تھا کہ وہ ایک بہت اچھی اور غیر معمولی لڑکی ہے مگر اس کے لیے صرف ایک کزن اور دوست ہے۔ وہ اس کا بہت احترام کرتا ہے، اس سے زیادہ ان کے درمیان کوئی رشتہ نہیں مگر وہ اتنی ذہین، سمجھ دار، حسین اور کامیاب لڑکی زمانے یہ کیوں نہیں سمجھ پائی تھی کہ وہ اس میں کسی اور انداز سے نہ کبھی دلچسپی رکھتا تھا نہ کبھی رکھے گا۔

اس کے انکار کے باوجود بھی وہ چھ سالوں بعد آج بھی جیسے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس کی ایک نگاہِ التفات کے لیے لوگ بے قرار رہا کرتے تھے پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ اس کے ساتھ سر پھوڑ رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟" وہ سارہ کے جواب کی معنی خیزی کو قصداً نظر انداز کر کے بولا۔

"وہی کام، کام اور بس کام۔ ایک فیشن شو کے لیے اپنے 2007ء کے برائیڈل کلکشن پر کام جاری ہوں۔ مایوں، مہندی، شادی کے برائیڈل کلکشن اور برائیڈل ہینڈ کرافٹ وغیرہ کی ڈیزائننگ اور تم؟" وہ اپنے سلکی بالوں کو نزاکت سے ہاتھوں سے پیچھے کرتے ہوئے بولی۔ "کہاں ہوتے ہو آج کل۔ گھر پر ٹرائی کرو تو نہیں ملتے، سیل پر کونٹیکٹ کرنا چاہو تو کبھی آف ہوتا ہے اور کبھی میرا نام دیکھ کر کال ہی ریسیو نہیں کرتے۔"

ایک دلکش سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے وہ صاف گوئی سے بولی۔ ایک پل کے لیے وہ کچھ شرمندہ سا ہوا۔

"بس آج کل آفیشل مصروفیات بہت زیادہ ہیں۔ ایک ڈیل کے سلسلے میں بہت بزی ہوں۔"

"ممی بتا رہی تھیں فریدہ آنٹی ارتھ کوئیک افیکٹڈ ایریاز میں کوئی فری میڈیکل کیمپس وغیرہ لگانے گئی ہوئی ہیں۔" اس نے از خود ہی موضوع تبدیل کر کے سارہ کو مزید شرمندہ ہونے سے بچا لیا۔

"ہاں ممی کا تو تمہیں پتا ہے، سوشل ورک اور چیریٹی کے ان تمام کاموں کی طرف ان کا کتنا زیادہ جھکاؤ رہتا ہے۔"

"یہاں کس کام سے آئے ہو؟ آئے ہو یا واپس جا رہے ہو؟" اس کے مینی کیور ہوئے اچھے سے شیڈ کی نیل پالش سے سجے خوبصورت ہاتھ، اونچی ایڑی کی اٹالین سینڈل میں مقید گورے گورے خوب صورت پاؤں، یہاں تک کہ اس کی گردن کا تل بھی سب کچھ کس قدر متناسب اور دلکش تھا اور وہ اپنی اس ساری دلکشی اور خوبصورتی کو کتنی فضول جگہ پر برباد کر رہی تھی — کسی دلچسپی کے بغیر وہ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے ایک بدذوق، بہت بڑا ٹیسٹ رکھنے والا انسان کوئی بہت خوبصورت آرٹ کا شکار دیکھے، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائے بغیر سرسری اور سطحی انداز میں۔

"ایک سیمینار میں کیا جا رہا ہوں۔" وہ بات سے بات نکال کر مخاطب کو خوش دینے کی کوشش کی تھی اپنی بڑی انگوٹھی سے اسے یہ بتانا چاہا کہ وہ بہت جلدی میں ہے۔

"اور تم بھی بہانے تم سے ملاقات تو ہوئی نے تو جیسے کی قسم ہی کھا رکھی ہے۔ چلو کیں بڑھ کر کافی پیتے ہیں۔" اپنے ہونٹ ہی رنگ کے لپ اسٹک سے یک فوراً کندھے سے بانہیں کندھے پر مضمل کرتے ساتھ کہا۔

"آج سوری سارہ! دراصل اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں پھر کسی دن ملتے ہیں نا۔" کافی کے لیے رکنے کے لیے۔ "ہے میں شاپنگ پر قرار رہے تھے اس نے فوراً معذرت کی۔

وہ اس کے بے کھلکھلا کر ہنس پڑی کہ وعدہ کرنے والا تھا اور جس سے وعدہ کیا جا رہا تھا وہ بھی کہ وہ "دن" وہ اجمل اور اشعر حسین کی زندگی میں کبھی بھی آنے والے نہیں تھا۔ اتفاقاً" ملاقات کی بات وہ سری تھی۔ قصداً" "اراوتاً" تو اس سے ملنے سے وہ واقعی کتراتا تھا۔

"گلو کے سارے کپڑے کس دن ملتے ہیں۔" کی کھلکھلاتی "میں جانتی ہوں تم مجھ بھاگتے ہو۔" ہنسی کو نظر انداز کرتا وہ ایک سیکنڈ کی وہاں سے آگے بڑھا اور پیچھے کھڑی سارہ اجمل آنکھوں میں حسرتیں لیے بھی شاندار اور مغرور مرد کو تکتی بڑھ کر دیکھتی رہی۔ اب اس کے چہرے پر ہنسی نہیں، صرف اور صرف حسرتیں رقم تھیں۔

وہ چند سم تھا، کچھ تھا، اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، دولت مند تھا، کامیاب تھا تو یہ سب خوبیاں تو اس محفل میں اس کے آگے پیچھے پھرتے بے شمار مردوں میں سے بھی تھیں پھر اس مغرور بندے میں ایسا کیا تھا کہ سارہ اجمل کی اور کوئی بھی نہیں پاتی تھی۔ کسی اور کو سوچ بھی نہیں پاتی تھی۔

"کیا ہے اشعر حسین! ہمارے نصیب میں ہی شاید نہیں کہ تمہارے ساتھ ایک کافی ہی پی سکیں۔

چند لمحے بھی تمہارے ساتھ نہ گزار سکیں۔"

کچھ لمحوں بعد وہ واپس لفٹ کی طرف گھومی تو اس کے لبوں پر پھر سے وہی دلکش تبسم بکھرا ہوا تھا جو اس کی شخصیت کا حصہ تھا۔

○ ○ ○

حریم کے فرمائشی قہقہے کھلونے لینے کے بعد وہ ایک انتہائی کاسمیٹکس کی شاپ میں گھسا۔ شاپنگ بیڈ زکاتو اسے کچھ بھی نہیں تھا، بس ایک اچھے سے کاسمیٹکس برانڈ کی درجن بھر نیل پالش جلدی جلدی خرید ڈالیں۔ سینے، سنورنے اور خوب تیار ہونے کی شوقین بیٹی کے لیے کچھ دوسری دکانوں سے کافی سارے کلر فل اور خوب صورت سے ہیئر کلپس، ہیئر بینڈز اور ہاتھوں اور گلے میں پہننے کی چھوٹی بچیوں کی خوب ساری جیولری جس میں رنگین، دیدہ زیب ہار کنگن، بریسلیٹ اور انگوٹھیاں وغیرہ شامل تھے۔ اپنی تمام شاپنگ کے ساتھ وہ گھر پہنچا اور حریم کو گود میں اٹھائے خود ہی دروازہ کھولا۔ ایک بہت حسین، بہت اسٹائلش اور بہت باوقار لڑکی سے وہ ابھی مل کر آرہا تھا اور اب ایک بالکل ہی مختلف لڑکی اس کے سامنے تھی۔ سبز رنگ کا بہت سادہ سا شلوار قمیص، دوپٹہ۔ ان کپڑوں کی قیمت کا اندازہ انہیں دیکھنے ہی سے ہو رہا تھا۔ بالکل سیدھی ہوئی چوٹی اور دھلا ہوا چہرہ۔ اس کا بے داغ وجود ہر طرح کی آرائش و زیبائش سے بے نیاز نظر آرہا تھا۔ وہ اس سے پہلے یہاں میں کہاں رہتی رہی اور کیا کرتی رہی تھی، یہ وہ کبھی بھی سوچنا نہیں تھا۔ سوچنا چاہتا نہیں تھا کہ کبھی بات کا خیال آتے ہی اس کی رگوں میں خون کھولنے لگتا تھا۔ اسے اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی محسوس ہونے لگتی تھیں۔ اپنی بے غیرتی کا نئے سرے سے احساس بیدار ہونے لگتا تھا۔ اپنی انا، اپنی غیرت، اپنے وقار کا قتل پھر سے یاد آنے لگتا تھا مگر اس سب کے باوجود ان لمحوں میں کسی شعوری کوشش کے بغیر اور کچھ بھی نہ سوچنے کے باوجود اتنا تو اسے نظر آرہا تھا کہ وہ گزرے برسوں میں جہاں بھی رہی اور جیسے بھی رہی مگر یقیناً

حکومت کا شکار ہو گئی ہیں۔ حریم اس کے ہاتھوں میں موجود بڑے بڑے شاپنگ بیگز کو للچائی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے بہت ہی پیارا سا اورنج رنگ کا اسکرٹ اور سبز رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا اور یہ اس کا پسندیدہ لباس نہیں تھا۔ چند دن قبل جب ایک اسپتال کے گارڈن میں وہ اپنی زندگی میں پہلی بار ملا تھا تب بھی اس نے بہت اچھے لباس اور جوتوں میں ملبوس تھا۔ فرہ احسان اس کے پاس آنے سے قبل جب وہ حریم کو اس سے چھپاتے کہیں کسی نامعلوم جگہ پر رہتی تھی تب وہاں وہ کیا کیا کرتی تھی، کہاں رہتی تھی کیا کام کرتی تھی اس کے تمدنی کے ذرائع کیا تھے، یہ سب وہ نہیں جانتا تھا مگر اتنا بہرحال ان چند دنوں میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے بیٹی کو اچھا لباس، اچھی خوراک، اچھی تعلیم اور اچھی تربیت ضرور مہیا کر رکھی تھی۔ اس نے وہ تمام شاپنگ بیگز فرش پر رکھے اور حریم کو خود ہی گود سے اتارا۔

"آپ نیل پالش لائے ہیں؟ آپ حریم کے لیے برا (یا) ما TAZZ لائے ہیں؟ آپ اورنج کلر کی نیل پالش لائے ہیں۔" اپنے کمرے کے اندر آتے وہ اس مسلسل استفسار کرتی رہی۔ اورنج اسکرٹ تھا تو اورنج نیل پالش بھی ضرور چاہیے تھی۔ حریم گلو نے بے تابانہ انداز دیکھنے کی بہت جلدی تھی۔ اس کی بے قراری پر مسکراتا وہ ٹافی کی ٹاٹ ڈھیلی کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اپنے کھلونے "اپنے لیے آئی ڈھیر سارا نیل پالش رنگ برنگی چھوڑ کر وہ تمام چیزوں کو اٹھا کر دیکھنے میں خوش تھی۔ خوشی سے ہنستی، کھلکھلاتی وہ کبھی ایک چیز کو اٹھا کر دیکھتی، کبھی دوسری پر شکر کہ نیل پالش کے ان ڈھیر سارے بوتلوں میں ایک بوتل اورنج بھی تھا۔ شاپنگ اٹھاتے ہی اس نے اورنج نیل پالش اس طرح تلاش کی تھی جیسے ان رنگوں میں اگر اورنج کلر نہ ہوا تو گویا آج کی ساری شاپنگ اس کی اپنی خوشی بے کار اور بے مصرف ٹھہرے گی۔

کتنے کو کھانا کھا لے۔" حریم سے اس کی

"ہاں ہاں تمہارے سنتے اس نے خود سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھ کر کہا۔ وہ سر اثبات میں ہلاتی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

حریم کے لیے لوا اٹھا کر اس نے کہا تھا۔ "اس نے کھانا کھانے کی اطلاع دینے آئی تو اس نے دونوں کو بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپایا۔ حریم کے چہرے پر اپنی ٹانگیں سوٹ میں کسی کامیاب ایکٹریس جیسی وہ جھکائے بڑے انہماک کے ساتھ اس کی سال کی بیٹی شرارتی سی ہنسی کے ہاتھوں پر نیل پالش لگانے میں مصروف تھا۔

"پاپا! سی (سچ) سے لگ رہیں۔ ملالہ کی طرح۔" ناخن پر جو ذرا سا رنگ ہاتھ میں رہ گیا تھا اس کو صاف کرا دو ہر طرح پھیلا تو حریم نے خفگی سے فوراً کہا۔

"پرنس! یہ کام میں نے زندگی میں پہلی بار کیا ہے اب تمہاری خاطر مجھے باقاعدہ کورس کر کے سارے کام بھی سیکھنے پڑیں گے۔" ہنس حریم سے کہتے اسے ایک دم ہی اس کی معذوری کا احساس ہوا تو سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"چلو حریم! کھانا کھا لیتے۔" وہ حریم کے قریب چلی آئی۔

"حریم نیل پالش لگا رہی ہے۔" اس نے

"پھر تو ڈاکٹر ٹھنڈے ہو جائیں گے تو ہیں نہیں کھا رہی چلو باقی ہاتھوں پر نیل کھانے کے بعد لگوا لینا۔" اس نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ کچھ خفگی بھرا منہ بنا کر اس نے جھٹ اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں بالکل سیدھے کر لیے۔ کہیں اس کی نیل پالش خراب نہ ہو جائے۔ یہی جلدی اس کے ہاتھوں پر مہندی لگانے کا ہوا کرتا تھا۔ حریم کو گھنٹوں بٹھانے کے لیے سکون سے ایک ہی جگہ بٹھانے کے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگا دی جائے۔ عیدوں کے علاوہ بھی موقع بے موقع وہ اس سے مہندی لگواتی رہا کرتی تھی۔ وہاں جتنی سادہ تھی اس کی بیٹی اتنی ہی شوقین۔

واپس آکر اسے کوئی دوسری مصروفیت پڑھائی سے نہ روکے اس غرض سے اب اس نے روزانہ کلاسز ختم ہونے کے بعد مزید اسٹڈی کے لیے کیمپس میں اپنے گروپ کے افراد کے ساتھ چند گھنٹے اور رکنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے اگر یونیورسٹی سے اس کی واپسی دو' ڈھائی بجے تک ہو جایا کرتی تھی تو اب وہ چار ساڑھے چار بجے وہاں سے واپس آنے لگی تھی۔ وہ روزانہ پونے پانچ بجے کے قریب آفس سے گھر فون کر کے خرد سے اس کی خیریت ضرور پوچھ لیا کرتا تھا۔ ڈرائیور اسے لینے صحیح وقت پر چلا گیا تھا۔ وہ خیریت سے گھر واپس آگئی' اس نے کھانا کھالیا' آفس میں کسی انتہائی اہم کام' کسی ضروری میٹنگ کے دوران بھی اسے اس بات کی فکر رہا کرتی تھی۔ اس روز دوپہر میں ڈیڑھ بجے اس نے گھر کال کی تھی مگر خرد سے اس کی خیریت پوچھنے کے لیے نہیں بلکہ فریدہ سے بات کرنے کے لیے۔

فون نسیمہ نے اٹھایا۔ "ممی گھر آگئی ہیں تو انہیں بلاؤ۔"

"وہ تو آج دوپہر میں گھر نہیں آئیں گی۔ صبح کہہ کر گئی تھیں کہ آج شام میں چھ سات بجے تک گھر واپس آئیں گی۔ خرد بی بی کو بلا دوں؟" فریدہ کی گھر پر غیر موجودگی سے اسے آگاہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"خرد یونیورسٹی سے آگئی؟" گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ابھی ابھی آئی ہیں خضر صاحب کے ساتھ۔ لاؤنج میں ہیں۔ انہیں بلاؤں؟" نسیمہ نے اس نے پوچھا۔

"نہیں' رہنے دو۔ مجھے ممی ہی سے کام تھا۔" کھوئے کھوئے سے انداز میں یہ الفاظ کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا تھا۔ ابھی فون بند کیے اسے ایک منٹ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے موبائل پر فریدہ کی کال آگئی۔

"آج رات دورانی صاحب اور ان کی فیملی کو میں نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔ آسٹریلیا سے چند دنوں کے لیے پاکستان آئے ہیں۔ مجھ سے فون پر ہیلو ہائے سلام کے لیے رابطہ کیا تو میں نے انہیں آج رات کھانے پر انوائٹ کر لیا۔ تمہارے ڈیڈی کے اتنے پرانے دوست ہیں وہ' تو میں چاہتی تھی کہ آج ڈنر پر تم اور خرد بھی گھر موجود رہو۔ تم سے یہی کہنے کے لیے فون کیا تھا کہ رات کا کوئی پروگرام مت رکھنا۔" انہوں نے اسے کال کرنے کی وجہ سے آگاہ کیا۔

"جی اچھا ممی!" ان کی بات کا جواب دے کر وہ ایک پل کے لیے خاموش ہوا پھر آہستگی سے بولا۔

"ممی! نیاز کو کیا آپ نے کہیں کسی کام سے بھیجا ہے؟" اس نے ان کے گھر کے ڈرائیور کا نام لے کر استفسار کیا۔ یہ سوال پوچھتے ہوئے اسے خود اپنی آواز اپنی نہ لگی۔ اپنا لہجہ اپنا نہ لگا۔

"نیاز کو۔ نہیں' تم کیوں یہ بات پوچھ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں' ایسے ہی۔ مجھے ذرا نیاز سے کچھ کام تھا۔ ٹھیک ہے' میں ابھی سے گھر پر فون کر کے بات کر لیتا ہوں۔" لہجے کو حتی الامکان حد تک نارمل رکھتے ہوئے اس نے انہیں جواب دیا۔

"اس وقت نیاز کو کسی کام سے مت بھیج دینا۔ خرد کو یونیورسٹی سے واپسی پر مشکل ہوگی۔ تمہیں ڈرائیور کی ضرورت ہے تو میں اپنے ہاں سے کسی کو بھیج دیتی ہوں۔"

"نہیں' ڈرائیور کی ضرورت نہیں۔ مجھے نیاز سے کچھ اور کام تھا۔" انہیں جواب دے کر اس نے فوراً ہی خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

"خرد نے بلڈ دیا تو اس کی خون کی ضرورت پوری ہوئی۔"

"او نگیٹو والے جو بڑے انا والے ہوتے ہیں دیتے سب کو ہیں' پر لیتے صرف اپنوں سے ہیں۔"

"خضر کا ایکسیڈنٹ ہوا تو ایسی فکر سے خرد تقریباً ہر ایک آدھ دن بعد اس کی عیادت کے لیے اسپتال جاتی رہی۔ کبھی سوپ بنا کر لے جاتی' کبھی دوسری کوئی اور چیز۔"

وہ حریم کو لے کر اندر آنگن میں آگئی۔ اشعر بھی مسکراتا ہوا تین چار منٹ بعد ہی ان دونوں کے ساتھ آگیا تھا۔

"پاپا! کھانا لیٹ کرسنائیں۔" اشعر نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے باپ سے فرمائش کی۔

"ہاں بھئی! تو آج کیا کھانے جارہے ہیں اور وہ بھی آپ دونوں کے مقابلے میں آج حریم کی طبیعت خراب تھی۔" وہ نوالہ بناتے ہاتھوں سے نوالہ رکھ کے بولے تھے۔

"پاپا! آپ کو پتا ہے ہم نے کیا کھایا ہے۔" اشعر نے ہاتھ روک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پاپا! بس tummy فل ہوگئی ہے۔" اس کی بات پر وہ ہنس دیئے تھے۔

کھانے کے بعد دونوں مشترکہ جدوجہد سے اسے نوالے دینے میں کامیاب ہوئے تھے۔

"پاپا! اس کرین حریم سونے کی تو اب دوسرے روم میں نہیں جائیں گے۔" وہ بظاہر اس کی باتوں پر مسکرایا تھا مگر اندر سے اس کی بے اختیاری کے لیے بری طرح زخمی کر گیا تھا۔ یعنی وہ اتنی توجہ اور محبت کے باوجود جانتی تھی کہ وہ اب وہ سوتیلی ہے۔ اب اس کے پاس سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں جانا چاہتا ہے۔ وہ اس کی بے اختیاریوں پر تلملا کر رہ گیا تھا۔ وہ چھوٹی سی بچی اس سے کوئی جواب طلبی نہیں کرتی تھی اس سے پچھلے چار سالوں کا کوئی حساب نہیں مانگتی تھی وہ اس پر اختیار بھی نہیں کرتی۔

"پاپا! کھانا لیٹ کرسنائیں۔" اشعر نے اسے کرسی خالی شروع کی تو وہ فوراً بولی۔ "ایک پل کچھ سوچتا" وہ جیسے انکار کرتے کرتے رکا پھر اس نے اس کی لیٹ کیا۔

"آپ خوش ہو پرنس؟" وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولا۔

اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے کہا شروع کی تو وہ ایک دم ہی دوبارہ بولی۔

"پاپا! آپ یہاں رہیں۔"

"پرنس میں یہیں تو ہوں تمہارے پاس۔"

"نہیں یہاں سوئیں۔ حریم کے پاس سوئیں۔"

اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کرتے اپنی بات سمجھانا چاہی۔ کچھ سوچتے ہوئے اشعر نے اقرار میں سر ہلا دیا تو وہ بے اختیاری سے بولی۔ "پرامس کریں آپ حریم سوئے کی تو آپ دوسرے روم میں نہیں جائیں گے۔"

خرد کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی اشعر اس کی بات فوراً مان گیا۔

حریم روز کی طرح کہانی سنتے سنتے سو چکی تھی مگر وہ روز کی طرح وہاں سے اٹھا نہیں۔

حریم اس سے لپٹ کر سو رہی تھی۔ خرد بیٹھے سے ٹیک لگا کر حریم کے برابر بیٹھی تھی لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلانے کے بعد وہ دوبارہ حریم کے پاس آکر لیٹا تھا اور اسے محبت سے دیکھتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ آنکھیں کھلی کر کے ایک ہی زاویے سے پوری رات بیٹھی رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کی تھیں نہ سونے کی کوشش کی تھی۔ کوشش کرتی تب بھی نیند نہیں آسکتی تھی۔ حریم کو اس کے اوپر ٹانگیں رکھ کر سونے کی عادت تھی۔ اس وقت بھی وہ ایسے ہی سوئی تھی۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا مگر جب سے اس کی بیماری سے باخبر ہوئی تھی اس کی کوئی بھی بات نہ ماننے

کو دل نہیں چاہتا تھا۔ پہلے اس کی اچھی تربیت کی خاطر کہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ روک ٹوک سب کچھ کرتی اس پر کبھی کچھ نہیں کرتی تھی اور اب تو ہی چاہتا تھا وہ جو کچھ مانگے وہ لمحے بھر میں اس کے سامنے حاضر کردے۔

اس کے گرد بازو پھیلائے وہ شخص گہری نیند سویا تھا۔ اسے یوں گہری نیند سوتے اس نے پہلے بھی بے شمار دیکھا تھا۔ اپنی یادوں میں برسوں پہلے کے وہ مناظر محفوظ تھے جب وہ اس شخص کی محبت میں دیوانی سی ہوئی جاتی تھی جب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے سے وہ کترایا کرتی تھی، ہچکچاتی تھی مگر اب وہ گہری نیند سویا ہوتا تب وہ بارہا اس کے خوب صورت نقوش والے چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتی تھی۔ سوتے میں ایک بہت نرم، بہت سچا اور بہت روشن سا تاثر اس کے چہرے پر ابھر آتا تھا اور برسوں بعد آج جب وہ اسے اپنے سے تھوڑے فاصلے پر سویا دیکھ رہی تھی تب بھی وہی نرمی، وہی سچائی اور وہی سادگی اور روشنی اسے اس چہرے پر جگمگاتی نظر آرہی تھی۔ چہرے تو ہمیشہ دھوکا ہی دیا کرتے ہیں۔ گہری نیند میں سویا یہ شخص جو سوتے میں بہت بھولا بھالا اور اچھا انسان نظر آرہا ہے اس کے ظلم اور سفاکی کا ثبوت ہی تو وہ کمرہ اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ ساری رات جاگتی رہی تھی۔ اس طرح ایک ہی زاویے سے بیٹھے بیٹھے اس کا جسم بری طرح اکڑ سا گیا تھا مگر اس نے اپنی ٹانگیں تک سیدھی پھیلائی نہیں تھیں۔ بہت آہستگی بڑی احتیاط سے حریم کے بازو کے نیچے سے وہ اپنی ٹانگیں نکال کر بیڈ سے نیچے اتری تھی۔ کوئی بھی تو اذیت ایسی نہیں تھی جسے اس نے برداشت نہ کیا ہو۔ کوئی بھی تو اذیت ایسی نہیں تھی جس کے بغیر وہ جی نہ سکی ہو۔ ایک اور اذیت کا اضافہ ہی تو ہوا تھا۔ وہ بیڈ سے اتر کر بغیر کسی آہٹ کے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ دوسرے کمرے کے ساتھ اٹیچڈ باتھ روم کے یونگ روم میں آگئی اور کارپٹ پر گھٹنے ٹکا کر قبلہ رو کھڑی ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

جب آنکھ کھلی تو گہری سانولی آٹھ بجاتی نظر آرہی تھی۔ اتنی غفلت کی نیند وہ برسوں بعد سوئی تھی۔ اندھیرے کمرے میں سے تھا۔ وہ اٹھنے کے لیے لیٹ ہوگیا تھا۔ وہ بیڈ پر سیٹنگ تھی اور ابھی اسے شیو کرنا اور نہانا تھا۔ پھر آفس جانے کی تیاری کرنا تھا۔ یہ کھلا کمرہ ایک اجنبی سے اٹھنے کی آہٹ تک کے ہاتھ پر رکھے حریم کے کرسے اسے فوراً اٹھنے پر مجبور دیا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

وہ اس کی نیند خراب کیے بغیر باتھ روم جا چکا تھا۔ اس کے پاس سے اٹھ جانا چاہتا تھا مگر اس کی رات کی بے اختیاری اسے بھولی نہیں تھی۔ وہ اسے جگا کر یہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ پوری رات اس کے پاس رہا ہے۔ اس کے ساتھ سویا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر نہیں گیا۔

وہ کچھ پل یونہی لیٹا اسے سویا ہوا دیکھتا رہا پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر باہر آگیا۔ اس نے آفس سیکریٹری کو فون کیا۔ اسے آج آفس آنے میں کچھ دیر ہوجائے گی۔ یہ اطلاع دی۔ میٹنگ کا وقت تبدیل کروایا اور پھر فون بند کر کے حریم کو پیار سے جگانے لگا۔

"پرنس! اٹھ جاؤ صبح ہوگئی ہے۔" مگر وہ اس کے ہلانے جلانے اور آواز دینے پر بھی نیند کو خیرباد کہنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"پرنس! آنکھیں کھول کر بس یہ دیکھ لو کہ پاپا رات میں کہیں نہیں گئے، تمہارے پاس ہی سوئے تھے۔" اس نے اسے گدگدا کر جگانا چاہا۔

"پاپا! سونے دیں۔" حریم نے آنکھیں کھولے بغیر ناراضی سے کہا اور پھر کروٹ دوسری طرف کرلی۔ وہ جاگ چکی تھی مگر ابھی آنکھیں کھولنے اور بستر سے اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس کی بیٹی نے آج صبح جاگنے پر اسے اپنے قریب پایا ہے۔ وہ حریم کی بے اختیاریوں کو کچھ تھوڑا بہت اختیار دینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

خرد نے اپنی پرمعائی کے اوقات تبدیل کرلیے تھے۔ وہ اب اس کی موجودگی میں خصوصاً رات میں بالکل بھی نہیں پڑھتی تھی۔ یونیورسٹی سے وہ سیدھی گھر

urdunovels.net

"ہفتہ وار تعطیل کا دن تھا اور اس سہ پہر موسم بے حد خوشگوار تھا۔ ٹھنڈا، خوشگوار اور ابر آلود موسم۔ وہ کھڑکی کے آگے بیٹھا اپنا کچھ دفتری کام کر رہا تھا اور کھڑکی کھلی تھی۔ کھڑکی سے باہر جھانکتی بارش کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی ہلکی ہلکی بوندیں پڑنی شروع ہوئیں گی۔ وہ پرجوش ہو گیا۔

"خدا کرے خوب تیز بارش ہو' میں بارش میں نہاؤں گی۔" دونوں ہاتھ کھڑکی سے باہر پھیلا کر بوندوں کے جلترنگ کو بھگوتے اس نے اشعر سے کہا۔

"بارش کے لیے اس طرح ایکسائٹڈ ہم اپنے بچپن میں ہوا کرتے تھے۔" کی بورڈ پر تیز رفتاری سے انگلیاں چلاتے ہوئے وہ ہنسا۔

"ہمارا تو ابھی بھی بچپن ہے' اس لیے ہم ابھی بھی ایکسائٹڈ ہوتے ہیں۔" اس نے برملا جواب دیا۔ چند ہی لمحوں میں خوب تیز بارش شروع ہو گئی تھی اور اب وہ سب گھر کے نیچے گارڈن میں چلنے کے لیے' بارش میں بھیگنے کے لیے۔

"میرا تو کوئی ارادہ نہیں چار دہا بارش میں جا کر بھیگوں' بیمار پڑوں' کپڑے خراب کروں' میں اچھا بھلا بیٹھا ہوں۔" اس نے صاف انکار کیا مگر پھر خرد کا موڈ بگڑتا دیکھ کر اس کے ساتھ دینے اس کے ساتھ نیچے آ تو ضرور گیا مگر گارڈن میں کھلے آسمان تلے نہیں آیا۔ لاؤنج سے ملحقہ برآمدے پر شیڈ کے نیچے ہی کھڑا رہا۔ ہاتھ میں کافی کا مگ لے کر بارش کو دور کھڑے ہو کر انجوائے کرنا اک بات تھی مگر بارش میں بھیگنے اور اس کے نزدیک اچھا خاصا بچکانہ سا تھا۔

"کیا ہوا؟ اتنی جلدی کیوں آ گئیں؟ ابھی بارش رکی تو نہیں۔ اتنی جلدی دل بھر گیا بھیگنے سے؟" کچھ ہی دیر بعد وہ شیڈ میں اس کے پاس پہنچی آئی تو اس نے تعجب سے پوچھا۔

"کیسے کوئی مزا آتا ہے۔ خود تو میرے ساتھ بارش میں آئے نہیں' یہاں پر کھڑے ہیں۔ آپ بہت کیئر لیس ہیں۔" وہ روٹھے لہجے میں منہ پھلا کر بولی۔

"مجبوری ہے' اب تو آپ کو اس بور بندے ہی کے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔"

"شیڈ میں دور کھڑے مجھے جس طرح مجھے دیکھ رہے تھے' مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کوئی اسٹیج شو ہوں' مسکرا بھی ایسے رہے تھے جیسے بچوں کی حماقت پر بڑے مسکراتے ہیں۔"

"سو سویٹ ہارٹ! کیا بولوں' ابھی آپ واقعی بچی ہی ہیں۔ پر آپ کا یہ بچپنا مجھے دل و جان سے عزیز ہے۔" اس کے چہرے پر بکھری بالوں کی گیلی لٹوں کو اپنی انگلیوں پر لپیٹتا وہ مسکرا کر بولا۔ اس کا روٹھا انداز اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ دونوں کمرے میں واپس آ گئے تھے وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال رہی تھی۔ ابھی وہ باتھ روم کی طرف جا رہی تھی کہ فون کی بیل بجی۔

"ہاں ندرت! بولو۔" چہرے پر بکھرے پانی کے قطروں کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے اس نے خوشگوار انداز میں کہا۔

"آؤٹنگ؟ واہ بھئی مزے آ رہے ہیں۔" وہ دوسری طرف سے کہی جانے والی کسی بات کے جواب میں بولی۔

"تمہارے انوائٹ کرنے کا شکریہ یار! مگر میرا موڈ نہیں۔ تم لوگ جاؤ۔ میں ان شاء اللہ کل تمہارے گھر ضرور آؤں گی۔"

چند سیکنڈز دوسری جانب سے ندرت کی کہی جانے والی بات سننے کے بعد اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ندرت کا فون تھا۔ سائمہ وغیرہ بہت دنوں سے آپ کی کال کا ویٹ کر رہی تھی' آج مجھے کال کیوں نہیں کی؟"

وہ تو وہ تھی اس کی خرد بہت سادہ اور بہت اچھی سی اپنی خرد اور وہ کچھ لمحوں پہلے کتنی پھسوئی بات ہو رہا تھا۔ کتنی پیاری' کتنی گھٹیا۔ اسے خود پر شرم آئی ایسی گری ہوئی کیسے؟ اسے اس پل اپنا آپ بہت چھوٹا سوچنے لگا۔ وہ اپنے لہجے میں نازکی اور خوشگوار سا تاثر لا کر جیسے سروں میں بولا۔ "میں بس ابھی کال کرنے ہی والا تھا اور یاد کرنے کی بھی آپ نے خوب کہی۔ آپ مجھے کسی وقت بھولیں تو یاد کرنے کی نوبت بھی آئے۔"

"اوہ شاعری۔" وہ جوابا" کھلکھلائی۔

"آپ نے نوٹ کر لیا؟" اگلے پل سنجیدگی اختیار کر کے اس نے فکر سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے جھوٹ بولا۔ خرد روز اس وقت فون پر بات ہونے پر اس کے بچپنے کے بارے میں یونہی تنگ سے استفسار کرتی تھی۔

اس لیے اس ذکر کو فورا" ہی ختم کرنے کے لیے جلدی سے موضوع بدل کر ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"تم سناؤ' کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بیڈ پر لیٹی ہوں۔ آپ سے باتیں کر کے آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ آپ کو کام نہیں کرنے دے رہی اور اگلے پندرہ بیس منٹوں تک میرا مزید بھی کچھ کرنے کا پروگرام ہے۔"

وہ مزے سے بولی اور وہ اس کے انداز پر بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اس کے دل اور دماغ پر جیسے کوئی بوجھ سا سارا کا سارا اتر گیا تھا۔ آج اس نے خرد کے متعلق جتنی گھٹیا' جتنی تنگ نظری والی بات سوچی تھی۔

مگر بہت کھلے ذہن کے' بہت لبرل' بہت ماڈرن اور نہایت اعلا تعلیم یافتہ اشعر حسین کے لاشعور میں ایک بات تھی جو خود اپنے آپ سے کہنے کی بھی وہ جرات نہیں رکھتا تھا اور وہ بات یہ تھی کہ اے خضر عالم اچھا

urdunovels.net

کیے گئے میک اپ اور اس کے کھلنے کے لیے بنی ہال ابھی کی خوب صورتی کو مزید نکھار رہے تھے۔ خوب صورت لگ رہی تھی وہ اس کی بے اختیار تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ اس نے راستے میں ایک پھولوں کی گاڑی روک کر اس کے لیے پھولوں کے گلدستے خریدے تھے۔ دیکھا ان ہاتھوں میں چوڑیوں سے پہلے اس کی کلائی میں موجود وہ گھڑی اس کی تیاریوں کو حتمی اور مکمل بنا رہی تھی۔

ندرت کی منگنی کی تقریب ان کے گھر پر ہی تھی۔ تقریب میں آنے والے مہمانوں کی گاڑیوں کی لمبی تعداد اس کے گھر کے سامنے اور سڑک پر آگے پیچھے کافی دور تک موجود تھی۔ گاڑیوں کو لوگوں کے اترنے کی وجہ سے جب وہ اپنی گاڑی ندرت کے گھر کے باہر نہ روک سکا تو اسے مجبوراً گلی کے موڑ پر ہی گاڑی روک کر اترنا پڑا تھا۔ اسی وقت وہاں کھڑے لوگوں کی نظر اس پر پڑی تھی تو اس رشک اور افراتفری میں مزید اضافہ ہو گیا۔

خود اسے خفیف سا احساس گاڑی سے اترتے ہی ہو گیا تھا۔ گاڑی میں بیٹا خرد کو جاتا دیکھ رہا تھا۔ جب اسے اپنی گاڑی سے آگے ایک گاڑی چھوڑ کر کھڑی دوسری گاڑی کے پاس سامعہ، حماد اور خضر کھڑے نظر آئے۔ خضر کی تھی وہ اسے پہچانتا تھا اور ان کے بچے والی شاید سامعہ اور حماد کی تھی۔ ان تینوں نے موجود افراد میں سے بھی ابھی کسی کی نظر نہیں پڑی تھی۔ وہ تینوں اسے نہیں دیکھ سکے تھے لیکن اسے سب نظر بھی آرہے تھے اور ان کے زندگی سے بھرپور قہقہے اور باتیں سب سنائی بھی دے رہے تھے۔

وہ تاریکی میں تھا' ان لوگوں کو نظر نہیں آسکتا تھا جب کہ ان سب کے چہروں پر پڑتی اردگرد کے گھروں کی روشنیوں میں ان سب کے چہرے اسے بالکل صاف دکھائی دے رہے تھے۔ سیاہ دھاری دار بسکٹ کلر کے شلوار قمیص میں بہت شاندار لگتا خضر اسے بہت واضح نظر آرہا تھا۔ اس کی گہری نگاہیں بے ساختہ ان لوگوں کی طرف آتی خرد پر جمی تھیں۔

اب وہ گاڑی آگے لے جا رہا تھا۔ اب تو اندر چلو میرے بھائی۔" اس نے فرید کی آواز سنی جو ہنس کر خضر سے کہہ رہا تھا۔

خضر نے جواب نہیں دیا تھا اس کی نگاہیں مسلسل خرد پر مرکوز تھیں۔ ایک تاریک سی لکیر اس کے ہیلمٹ کے شیشے میں سے اس شخص کے چہرے اور اس پر موجود ہر تاثر کو با آسانی پڑھ سکتا تھا' وہ اس کی آنکھوں اور اس پر موجود ہر تاثر کو پڑھ رہا تھا اور اسے خضر عالم کے چہرے پر موجود ہر تاثر بہت اچھی طرح سمجھ میں آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اور اس لمحے ان لوگوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔ پچھلے چند منٹوں سے خضر صاحب نے ہمیں اپنے انتظار میں یہاں ہاہر روک کر رکھا ہوا ہے۔" فرید کہہ رہے تھے۔ "خود بھی آجائیں پھر سارا گروپ اکٹھا ہو جائے گا۔" سامعہ نے خرد سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔ خرد جواباً "نجانے کیا بولی' وہ سن نہیں سکا۔ اس کی آنکھیں ابھی بھی خضر ہی کو دیکھ رہی تھیں جو ہنوز ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ سامعہ اور حماد مجموعی طور پر خرد کو بہت اچھے لگے تھے اور خضر اسے دیکھ رہا تھا' یکلخت وہ شدید ترین غصے اور بے چینی کا شکار ہوا تھا۔

اس کا دل چاہا وہ خرد کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس گاڑی میں بٹھا لے' اسے اس تقریب میں شرکت سے روک دے' اسے اپنے ساتھ واپس گھر لے جائے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

ایک دم ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ حیران کھڑی فرید سے گاڑی ڈرائیو کرتا وہ گھر واپس آگیا تھا۔ گیٹ کھول کر وہ اندر داخل ہونے لگا کہ پورچ میں آتی گاڑیوں نے وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ ندرت' فرید اور زرینہ کی آوازیں آرہی تھیں۔

"خود گھر پر نہیں ہے' ورنہ میں تمہیں اپنی بہو کے ہاتھ کی چرے دار کال پلا تی۔" یہ فرید کی آواز تھی جو زرینہ سے مخاطب تھی۔ "ہاں خضر بتا رہا تھا' ان لوگوں کی فرینڈ کی آج انگیج منٹ ہے۔" زرینہ نے کہا تھا۔

خضر ہمارے ہاں ہی آیا ہوا تھا۔ اچھا خاصا حیران کھڑا سن رہا تھا اسے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ بھی ان کی طرح پارٹ کرنے لگے۔ میری فرینڈ کی انگیج منٹ ہے' گروپ کے سب لوگ وہاں آئیں گے' میرا بیٹا بھی بہت ضروری ہے۔ میں نے سمجھایا بھی کہ ہنسنا طبیعت ٹھیک نہیں تو بہتا بہتر ہے کہ وہ اپنی فرینڈ سے انگیجمنٹ کینسل کر دے۔ سب دوست جارہے ہیں تو میرا جانا بھی بہت ضروری ہے۔" زرینہ شاید کچھ کھاتے ہوئے بولی تھی۔

"ہنسنے ہنسانے والا زندہ دل لڑکا ہے۔ ہمارے ساتھ ایسے گھلے اور ہنگامے کو کیسے مس کرتا' ہوا فرینڈ ونس کر لیں۔

"ہاں' ہنسنے ہنسانے والا ہے گلے کا شوقین اور زندہ دل تو خیر وہ بہت ہے' اب کی دیکھو کہ طبیعت شاید تین دنوں سے خراب ہے اور مجھے آج بتایا تھا کہ کل اسی طبیعت خراب میں کہیں نے اپنی فرینڈ کے پیچھے لگ کر اس سے اس کی منگنی کی خوشی میں زبردست ٹریٹ لی۔ کہہ رہا تھا۔ دوست آگے تھے' بس صراف خرد نہیں آئی تھی۔ شاید اشعر بھائی نے منع کر دیا ہوگا۔"

"وہ شعر کیوں منع کرے گا۔ خرد کا خود ہی موڈ نہیں ہوگا۔" فرید جواباً بولے۔

"ہاں' ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ لڑکیوں کی ذمہ داریوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اب خرد ان میڈل کلاس لڑکیوں کی طرح لاپروائی سے منہ اٹھا کر یونہی تو دوستوں کے ساتھ نہیں نکل جا سکتی۔ چاہے جانے کا بہتا بھی دل چاہ رہا ہو اور دل چاہنا نہیں چاہیے گا۔ اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر جانے کا۔ ابھی اس کی عمر ہے' من چلے گانوں اور ہنگاموں کی۔ خضر مجھ سے کہہ رہا تھا اشعر بھائی' خرد سے اتنے بڑے ہیں' ان دونوں کے تایں میں مزاج کیسے ملتے ہوں گے۔ ان دونوں کی سوچ میں مجھے تو بہت فرق محسوس ہوتا ہے۔" زرینہ نے خضر کی کہی ہوئی بات دہرائی۔

"نہیں' خیر اتنا زیادہ عمر کا فرق بھی نہیں ہے ان

دونوں میں آٹھ سال کا فرق ہے اور میاں بیوی میں اتنا ایج ڈیفرنس تو ہمارے ہاں عام بات ہے۔ ہاں بس یہ ہے کہ اشعر ذرا میچور اور سنجیدہ زیادہ ہے اور خرد میں بچپنا بہت ہے لیکن اللہ کا شکر ہے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش ہیں اور ویسے میں تمہیں بتاؤں' خرد میں بچپنا اور نادانی اپنی کم عمری کے سبب چاہے جس قدر بھی موجود ہے لیکن نیچر کی وہ بہت اچھی ہے۔ خرد کے ہونے سے مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے دو بیٹیاں میں نے بیاہی تھیں تو ایک بیٹی ان کی کمی پوری کرنے کے لیے مجھے دوبارہ مل گئی ہے۔" فریدہ نے انہیں جواب دیا۔

"یہ بات تو خیر بالکل ٹھیک ہے' خرد نیچر کی واقعی بہت اچھی ہے۔" زرینہ نے ان کی بات سے اتفاق کیا پھر غالباً "چائے یا کافی کا سپ لیتے ہوئے بولیں۔

"خضر بھی مجھ سے بڑی تعریفیں کرتا ہے خرد کی۔ کہتا ہے' باقی دوست بھی سب اچھے ہیں مگر خرد کی بات الگ ہے۔ وہ سب سے مختلف اور بہت منفرد ہے بلکہ ابھی چند روز پہلے کی بات ہے مجھ سے مذاق میں کہہ رہا تھا۔ میں لیٹ ہو گیا' اشعر بھائی اتنی اچھی لڑکی کو مجھ سے پہلے لے اڑے۔" میں نے کہا۔ برخوردار! یہ بات ذرا اشعر کے سامنے کہنا' وہی تمہیں اس بات کا جواب دے گا۔"

زرینہ اپنی بات کے اختتام پر خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھیں۔ ان کے پُرمزاح انداز پر فریدہ بھی ہنس دیں۔

"اس لڑکے کا سینس آف ہیومر بھی بس اسی کی طرح کا ہے۔ اتنی سنجیدگی سے مذاق کرتا ہے کہ کتنی دیر تو بندہ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ مذاق ہوا ہے یا سنجیدگی سے کچھ کہا گیا ہے۔" فریدہ' زرینہ کے دہرائے خضر کے مذاق کو انجوائے کرتی ابھی بھی ہنس رہی تھیں۔

"آپ بہت بور ہیں۔ ابھی آپ کی جگہ کوئی زندہ دل بندہ ہوتا اتنا انجوائے کر رہا ہوتا بارش کو۔" اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

"اب تو خرد آ گئی ہے۔ اب تو اندر چلو میرے بھائی۔" وہ لاؤنج کے سامنے سے ہٹا' وہ واپس مڑا۔

"باقی دوست بھی سب اچھے ہیں مگر خرد کی بات الگ ہے۔"

وہ گھر کے اندر داخل ہونے کے دوسرے راستے کی طرف تیز قدموں سے بڑھ رہا تھا۔

"دیکھیں ایسے ہوتے ہیں زندہ دل لوگ۔" اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

"پچھلے پندرہ منٹوں سے خضر صاحب نے ہمیں تمہارے انتظار میں یہاں باہر روک کر رکھا ہوا ہے۔" وہ اندر داخل ہو گیا تھا' کسی بھی طرف دیکھے بغیر وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

"ہمارا تو ابھی بھی بچپن ہے' اس لیے ہم ابھی بھی ایکسائیٹڈ ہوتے ہیں۔" وہ اپنے کمرے کے اندر آ گیا تھا۔

"اشعر بھائی' خرد سے اتنے بڑے ہیں' ان دونوں کے آپس میں مزاج کیسے ملتے ہوں گے۔"

موبائل' گاڑی کی چابی سب کچھ دور پھینک کر وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"اب تو خرد آ گئی ہے' اب تو اندر چلو۔" خرد سہج سہج قدم اٹھاتی اس طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے اپنے بالوں کو زور سے مٹھیوں میں جکڑ لیا تھا۔

اس نے رات کے کھانے کے لیے انکار کروا دیا تھا' خرد کو لینے ڈرائیور چلا جائے' یہ بھی کہلوا دیا تھا۔ وہ کمرے کی تمام بتیاں بجھائے' کمرے میں مکمل اندھیرا کیے بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹوں بعد خرد اپنی آئی تو اس کی ہیل کی ٹک ٹک اسے اس کے کمرے میں داخل ہونے سے کافی دیر پہلے ہی سنائی دے گئی تھی۔ اس نے فوراً" ہی آنکھیں یوں بند کر لیں جیسے بہت گہری نیند سو رہا ہو۔ خرد نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ آوازوں سے اسے پتا چلا کہ اس نے دروازہ بند کھڑے ہو کر اپنے دونوں پیروں سے سینڈل اتاری ہیں۔ اس کے بعد وہ بڑی آہستگی سے چلتی اس کے قریب آئی۔ اس کے قریب ہو کر اس کی طرف بغور اسے دیکھ رہی تھی پھر بڑی آہستگی سے

urdunovels.net

کھڑکی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بیڈ پر جس جگہ اس کے پاس آ کر بیٹھی تھی' اسی جگہ' اسی زاویے سے ٹانگیں ساکت بیٹھی ہوئی تھی اور وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ آفس آیا تھا۔ اپنے سخت لفظ' اپنا ہتک آمیز انداز اب اسے بری طرح مضطرب اور پریشان کر رہا تھا۔ وہ اس کے رویے سے ہرٹ ہوئی ہے وہ روئی بھی ہوگی' وہ جانتا تھا مگر پھر بھی اس نے گھر پر فون نہیں کیا۔ شام میں آفس سے سیدھا گھر آنے کے بجائے وہ سونامنگ کے لیے چلا گیا۔ رات کا کھانا اس نے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ باہر کھایا۔ اس کی اس ایک سالہ شادی شدہ زندگی کے ابتدائی ایام کے بعد ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا جب وہ آفس کے بعد گھر جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ رات کے گھر سے باہر وقت گزار دینا چاہتا تھا۔ وہ رات پونے بارہ بجے گھر واپس گیا تھا۔

پورچ میں اگر گاڑی روکتے وہ اسے ٹیرس پر کھڑی نظر آئی۔ بالکل اکیلی اور خاموش کھڑی وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ گاڑی سے اتر گیا اور پھر ٹیرس کی طرف نگاہ ڈالے بغیر پورچ سے گزرتا چلا گیا۔ درمیانی تمام راستہ عبور کر کے وہ اندر آ گیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آیا تو وہ بھی کمرے میں آ چکی تھی۔ وہ دروازے ہی پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی' وہ اسے نظر انداز کر کے بریف کیس' گھڑی اور موبائل میز پر رکھنے لگا۔

"السلام علیکم۔" اس نے خود بات کرنے کا آغاز کیا۔ شاید پچھلے چند سیکنڈز اس نے اشعر کی گفتگو کی نقل کرنے کی امید میں گزارے تھے۔

"وعلیکم السلام۔" اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے چلتے چلتے اس کے سلام کا جواب دیا۔

"کھانا لاؤں؟"

لیے کرے۔ "وہ اس کی آواز سنتا رہا۔ اس کے لہجے میں التجا تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اس کی خواہش پوری کرنے کے لیے اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا بریف کیس واپس میز پر رکھ دیا۔ وہ اس کی طرف پلٹا تھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ رات بھر روتی رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اتنی اداسی اتنی ویرانی تھی کہ ایک لمحے کو اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہا وہ اسے اپنے ساتھ لگا لے۔ اس کے آنسو اپنی پوروں سے چن لے۔ اس کی ہر اداسی ہر ویرانی کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ اس کے ہر زخم پر مرہم رکھ دے۔ اس کے ہر دکھ کا مداوا کر دے۔ اس کی ہر تکلیف کو اپنے اندر جذب کر لے۔ اس کا دل چاہا وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دے۔ اس سے معافی مانگ لے۔ اس کے سامنے گڑگڑائے۔ اس کے پیروں میں گر جائے۔ اس کے آنسو اپنی آنکھوں میں جذب کر لے۔ اس کا دل چاہا وہ اس کے سامنے اپنے دل کے سارے زخم کھول کر رکھ دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری محرومیاں بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری تکلیفیں رکھ دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری اذیتیں بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری کمزوریاں ظاہر کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری خامیاں عیاں کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری خواہشیں بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری آرزوئیں بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری تمنائیں بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری محبت بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری چاہت بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری وارفتگی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری دیوانگی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے خودی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے قراری بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے چینی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے تابی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے کلی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے سکونی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے اطمینانی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے یقینی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے اعتباری بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے وفائی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے رخی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے اعتنائی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے توجہی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے پروائی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے حسی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے رحمی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے مروتی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے ترسی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے خوفی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے باکی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے حیائی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے شرمی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے غیرتی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے ضمیری بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے ایمانی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے دینی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے عقلی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے وقوفی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے ہودگی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے حیائی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے شرمی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے غیرتی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے ضمیری بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے ایمانی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے دینی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے عقلی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے وقوفی بیان کر دے۔ اس کے سامنے اپنی ساری بے ہودگی بیان کر دے۔

تعبیر کرتی ہے۔ ندرت کی منگنی میں خضر کا خرد کی جانب التفات اشعر کو غم و غصے کا شکار کر دیتا ہے۔ وہ کئی دن خرد سے ردمری برتتا ہے۔ جس پر وہ صحیح معنوں میں پریشان ہو جاتی ہے۔ اشعر کی بے زاری اس کے لیے سوہان روح ہے۔ حریم کی خرابی طبیعت کے باعث محض پندرہ دن کے اندر آپریشن کی تاریخ رکھ دی جاتی ہے۔ اشعر کی خواہش ہے کہ یہ کم سے کم دن میں اس تکلیف سے چھٹکارا دلوا دے' اسی لیے وہ خرد کے ناپسندیدہ وجود کو بھی برداشت کر رہا ہے۔

۴

چوتھی قسط

دو نہیں۔" وہ باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ وہ باتھ روم سے باہر نکلا تو وہ بیڈ پر بیٹھی نظر آئی۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی کہ وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا' اس لیے بجائے سونے کے لیے بیڈ پر آنے کے وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایک پل میں وہ کمرے سے باہر تھا۔ سیدھا چلتا وہ کوریڈور کا آخری کمرہ جو اس کی اسٹڈی تھا' وہاں آ گیا۔

وہ وہاں میز پر بظاہر چند فائلیں اپنے سامنے رکھے بیٹھا تھا لیکن درحقیقت اس کا دھیان وہاں موجود کسی بھی چیز پر نہیں تھا۔ اسے وہاں بیٹھے آدھا گھنٹہ ہونے والا تھا۔ جب اس نے اسٹڈی کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ اس نے سر گھما کر پیچھے نہیں دیکھا۔ وہ بدستور فائل پر نظریں مرکوز کیے رہا۔ وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ چند منٹ وہ بالکل خاموش کھڑی رہی۔

"آپ کو کیا ہوا ہے؟ مجھ سے کس بات پر ناراض ہیں؟ میں نے کیا کیا ہے' مجھے بتائیں تو سہی؟" اس نے اس کی بھرائی آواز سنی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے' مجھے اپنا کام کرنا ہے۔ کچھ دیر بالکل اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔" اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے خشک اور سپاٹ سے انداز میں جواب دیا۔

"کیا بات ہوئی ہے' مجھے بتائیں تو سہی پلیز۔ کل جب میں ندرت کے گھر گئی تو سب کچھ بالکل ٹھیک تھا پھر؟ میں ندرت کے ہاں سے لیٹ واپس آئی تھی۔ کیا آپ اس بات پر ناراض ہیں؟ لیکن میں اتنی لیٹ تو نہیں آئی تھی' صرف ساڑھے بارہ ہی تو بجے تھے۔ شادی بیاہ کے فنکشنز میں ٹائم ایسا ہی تو ہوتا ہے' اس سے بھی زیادہ دیر لگ جاتی ہے اور میں آپ کی بات سے وہاں گئی تھی۔ اگر آپ منع کرتے تو میں ندرت کی انگیجمنٹ میں بھی نہیں جاتی۔ آپ مجھے یہاں جانے کو منع کریں گے' میں وہاں زندگی بھر نہیں جاؤں گی۔" آنسوؤں کو پیتے وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"جب تم سے کہیں پر کچھ غلط ہوا ہی نہیں ہے تو بے کار میں کیوں ایکسکیوز دے رہی ہو۔ جاؤ جا کر سو جاؤ اور مجھے بھی میرا کام کرنے دو۔ جب مجھے نیند آئے گی' میں کمرے میں آ جاؤں گا اور اب پلیز یہاں کھڑے ہو کر یہ مظلومانہ سے ڈائیلاگز بول کر میرا وقت ضائع مت کرو۔ میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔"

اس کا سرد لہجہ قطعیت بھرا اور دو ٹوک تھا۔ وہ اب یہاں مزید ایک سیکنڈ بھی اس کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا' یہ تاثر لیا ہوا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے پلٹ گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد وہ سر دونوں ہاتھوں میں دے کر شدید بے قراری کے عالم میں بیٹھا تھا۔ پوری رات یونہی بیٹھے گزار دینے کے بعد وہ رات کے آخری پہر کمرے میں آیا تو وہ جاگ رہی تھی۔ کمرے کی لائٹس بند تھیں۔ وہ خاموشی سے بیڈ کے دوسرے کونے پر آ کر لیٹ گیا۔ وہ اس کے مخالف سمت کروٹ لے کر لیٹا ہوا تھا پھر بھی جانتا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ پہلی بار ان آنسوؤں کو صاف کرنے کے لیے اس کے ہاتھ نہیں اٹھ سکے تھے۔ صبح وہ متورم چہرہ اور بے تحاشا سرخ آنکھیں لیے خاموشی سے اسے تیار ہوتا دیکھتی رہی۔ آج اس نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ تیار ہونے کے بعد اسے خدا حافظ کہتا تو کیا اس کی طرف ایک نگاہ تک ڈالے بغیر کمرے سے نکل گیا۔ فریدہ کی وجہ سے ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ تو گیا تھا مگر ناشتے کی اسے بالکل خواہش نہیں تھی۔

"کیا ہوا خرد نہیں آئی؟" فریدہ نے خرد کی غیر موجودگی پر فوراً استفسار کیا۔

"وہ سو رہی ہے۔" اپنے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے

اس نے جھوٹ بولا۔

"رات کافی ہوگی رات میں دیر تک۔ بیبی کا فون آیا تھا اس نے اپنے گھر کی ٹھیک ٹھاک سمار کر رکھا ہے۔" وہ جوس کا گھونٹ لیتے مسکرا کر بولیں۔ اس نے جواباً محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ انہوں نے غور سے دیکھا جیسے اس کے چہرے پر کچھ پڑھنا چاہا ہو۔

"کوئی اور بات تو نہیں ہے؟" انہوں نے اس کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ قدرے تشویش سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ "تم دونوں میں کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا تم کل سے بہت چپ چپ لگ رہے ہو۔" ان کے لہجے میں فکر اور تشویش تھی۔ وہ ان کی تشویش دور کرنے کو زبردستی مسکرایا۔

"کوئی جھگڑا نہیں ہوا ممی ٹھیک ہے۔ فرحہ اپنے انگیجمنٹ کی تیاری میں بزی ہے اس لیے اس کا سونے کے کارڈز میں معمول سے بہت کم آنا جانا ہے۔ چپ نہیں بلکہ آفیشل کاموں میں بہت زیادہ مصروف ہوں۔ اچھا کوئی ہے میں جا رہا ہوں۔" ان کی بات کا جواب دیتے اس نے فوراً موضوع تبدیل کر کے انہیں دبئی روانگی سے آگاہ کیا۔ دبئی اس کا معمول کا دفتری کام تھا۔ دبئی اپنے برانچ آفس وہ ہر ایک ڈیڑھ مہینے میں ایک بار تو جایا ہی کرتا تھا۔ وہاں کچھ میٹنگز تھیں کچھ دوسرے اہم آفیشل کام تھے جن کی انجام دہی کے لیے اس کی وہاں موجودگی ضروری تھی۔

"واپسی کب ہوگی؟" اس کی موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کامیاب رہی تھی۔

"دیکھیں شاید دس بارہ دن لگ جائیں گے۔"

"ہاں بس اس سے زیادہ وقت مت لگانا۔ تمہاری اور فرحہ کی شادی کی پہلی سالگرہ آنے والی ہے خاموشی سے گزر گئی۔ میں سوچ رہی ہوں ٹیلنٹ ہو گیا ہوگا۔ تم لوگوں کی دیکھا دیکھی دوسری کو ایک اچھی شاندار سی پارٹی دے کے ذرا دھوم دھام سے سیلیبریٹ کر لیتے ہیں۔ شادی کے بعد گھر میں بالکل سناٹا اور خاموشی ہے۔ خوشی کی کوئی تقریب ہو گھر میں ہو تو یہ سناٹا بھی ٹوٹے گا۔"

اس نے بے دلی سے بغیر کوئی جواب دیے جوس کے ان کی محض سر ہلا دیا تھا۔ جن احسانوں کے قرضوں

میں اس وقت وہ گھرا تھا انہیں اس سے کوئی بھی بات نہ تو اچھی لگ رہی تھی اور نہ ہی کسی بات پر کچھ کہنے کو جی چاہ رہا تھا۔

آفس میں ایک بہت مصروف دن اس کا منتظر تھا۔ کام اپنے مخصوص پروفیشنل انداز میں نمٹانے کے باوجود وہ اندر سے خود کو بڑا خالی خالی محسوس کر رہا تھا۔ وہ بے چین تھا' وہ مضطرب تھا۔ اندر ایک جنگ سی چھڑی تھی۔ دل کا ایک گوشہ صرف اور صرف فرحہ کو پکار رہا تھا۔ صرف اور صرف اس کا نام لے رہا تھا اور دوسرا اس سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اس کا نام بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔

وہ آج بھی آفس سے دیر ہی سے کھانا باہر کھا کر گھر واپس آیا تھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ فرحہ اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں آیا تو فرحہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیڈ پر بیٹھی نظر آئی۔ وہ بالکل خاموش اور تنہا بیٹھی تھی۔

پرسوں اس کا پہلا پیپر تھا اور وہ بجائے پیپر کی تیاری کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔ پچھلے دو دنوں میں اس نے فرحہ کے ہاتھ میں کوئی کتاب' کوئی نوٹ بک نہیں دیکھی تھی۔ اسے اپنے گرد بہت سارا پھیلاوا کر کے پڑھنے کی عادت تھی اور ریلیکسنگ ٹیبل جس طرح سمٹی ہوئی اور بالکل خالی پڑی تھی' اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ آج دن بھر بھی اس نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔ وہ خود کو گھر میں بھی بہت اچھی طرح سجا سنوار کر رکھتی تھی مگر اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک لمحے میں یہ دیکھ لیا تھا کہ اس نے آج بھی وہی لباس پہنا ہوا ہے جو کل پہنا ہوا تھا۔ کل سے پہنا ہوا کان کا لباس آج بہت زیادہ شکن آلود ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ رویا ہوا بہت بجھا بجھا اور مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔

وہ اس کے بالکل سامنے بیٹھی ہوئی تھی مگر وہ اسے میلوں دور لگ رہی تھی۔ اس کی صبح سویرے فلائٹ تھی' اس لیے وہ ابھی سے ہی اپنی جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اتنی جلدی جلدی اور اتنا زیادہ سفر کیا کرتا تھا کہ پاسپورٹ سمیت اس کی تمام چیزیں ہر وقت تیار ہوتی تھیں۔ دبئی تو خاص طور پر آفس کے کاموں سے اس کا زیادہ ہی جانا لگا رہتا تھا۔ وہاں کا برانچ آفس کاروباری لحاظ سے اس کے لیے زیادہ اہم بھی تھا' وہاں ان کی کمپنی کے کئی اہم پروجیکٹس چل رہے تھے۔ اس کی کاروباری اہمیت

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے معروف ناول

- دل فروشوں کی بستی
- پھر چاند تو جہاں سے گزرے گا
- وہ خلش سی دل جانی سی
- تم
- ایمان آنچل اور محبت
- خواتین کا گھریلو سائنس میگزین

شائع ہو گئے ہیں

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

سے جواب دیا پھر اپنے گرد پھیلے اس کے بکھیڑے کو آہستگی سے خود پر سے ہٹایا۔ وہ بیڈ کی طرف جانا چاہتی تھی۔ اس کے چلنے' قالین پر پاؤں رکھنے کا انداز بالکل بھی متوازن نہیں تھا۔ سنبھل سنبھل کر وہ اس طرح قدم اٹھا رہی تھی جیسے اسے ابھی بھی چکر آ رہا ہو۔ بہت آہستہ آہستہ جیسے شدید نقاہت اور کمزوری کے عالم میں اپنی تمام طاقت بروئے کار لا کر چلنے کی کوشش کی۔ وہ ہاتھ قدم کے دروازے پر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کا دل چاہا وہ اسے سہارا دے کر بیڈ تک پہنچا دے مگر اس نے خود پر سے اس کا ہاتھ جس طرح دور ہٹایا تھا وہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ اس سے خفا تھی۔ کچھ دیر وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ بیڈ پر جا کر بیٹھ چکی تھی۔ وہ بیڈ پر پیر لٹکائے بیٹھی ہوئی جیسے اپنی سانس بحال کر رہی تھی۔ پھر وہ خاصے تھکے تھکے سے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ لیٹنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں اور آنکھوں کے اوپر اپنا دایاں ہاتھ رکھ لیا' وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ چند لمحوں تک وہ وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر ہاتھ روم کا کھلا دروازہ اور لائٹ بند کر کے وہ کمرے کے دوسری طرف سوچ بورڈ کی طرف آ گیا۔ اس نے تمام لائٹس آف کر دیں۔ اب کمرے میں صرف نائٹ بلب روشن تھا۔ اس نے اپنا لیپ ٹاپ بیڈ پر رکھتے ہٹایا۔ اسے میز پر رکھ کر وہ بھی بیڈ پر

urdunovels.net

آ کر لیٹ گیا۔

وہ دونوں بیڈ کے بالکل الگ الگ کناروں پر ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر لیٹے ہوئے تھے۔ دونوں کا رخ ایک دوسرے کے مخالف سمت تھا۔ کروٹ کسی نے نہیں لی ہوئی تھی۔ اور وہ کروٹ کے بالکل سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ وہ بھی بازو آنکھوں پر رکھے بالکل سیدھی لیٹی تھی۔ وہ جاگ رہے تھے۔ پوری رات ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی کروٹ نہیں لی تھی۔ ایک دوسرے کی مخالف سمت جیسے آپ کسی کے قریب بھی نہ جانا چاہیں اور اس سے دور بھی نہ ہونا چاہیں۔

وہ کل کی طرح آج اس سے منہ پھیر کر کروٹ لے کر لیٹ نہیں گیا تھا لیکن اس کی طرف بھی رخ نہیں کیا تھا۔ اس کے اندر کوئی چیز مانع تھی جو اسے خرد کی طرف بڑھنے سے روک رہی تھی۔ کتنی بار اس کے ہاتھوں نے اسے تھامنے کے لیے، اسے اپنے نزدیک کرنے کے لیے اٹھنا چاہا۔ لیکن ہر بار اپنے ہاتھوں کو اٹھنے سے پہلے ہی اس نے روک لیا۔ پوری رات وہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک پل کے لیے بھی سویا نہیں تھا۔

اسے گھر سے جلدی نکلنا تھا۔ وہ بائیں بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی آنکھیں کھولے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر تیاری کرتا رہا۔ وہ تیار ہو کر بریف کیس ہاتھ میں لے کر کمرے سے نکلنے لگا تب دروازے پر ہاتھ رکھے وہ مڑ کر ایک نظر اسے دیکھنے سے خود کو روک نہیں پایا۔

"میں جا رہا ہوں۔ آج ڈاکٹر کو ضرور دکھا لینا۔" دروازے کی ناب کو تھامے اس نے اس سے کہا۔ اس کے الفاظ اور لہجے میں بہت تکلف، بہت فاصلہ تھا۔

جواب میں اس نے بغیر آواز کے صرف لب ہلا کر اسے "خدا حافظ" کہا۔ وہ فوراً کمرے سے نکل گیا تھا۔

"ممی! خرد کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔ رات اسے کافی ویکنس ہو رہی تھی۔ بخار بھی آ رہا ہے مجھے اس نے کہا تو ہے لیکن وہ بہت لاپرواہ ہے۔ خود شاید ہی ڈاکٹر کے پاس جائے۔ آپ پلیز آج اسے کسی ڈاکٹر کے پاس ضرور لے جایئے گا۔"

وہ ماں کو خدا حافظ کہتا ہوا یہ بات ساتھ میں...

اس کی فکر بھی تھی۔ انہیں لے جاؤں کی بنا... کرامت بابا۔ انگیز ہر حال... لگ کر اپنی ذات کا نہیں کیا بالکل ہی... نے۔ کل بھی ناشتے میں... لوٹ وہ لیکن کیا مجبور کیا تھا وہ اس کا... کرکے اس کا... لے جائے... وغیرہ اس کے لیے لکھوالی گی... تک انشاء اللہ اس کی ساری... اور خرد تمہیں بالکل... فروہ نے کہا تو "اسے مطمئن کیا تھا۔

ایئرپورٹ چھوڑنے کے لیے گاڑی کے پاس... کھڑا تھا۔ وہ پورچ میں آیا۔ گاڑی کی طرف قدم اٹھاتے بالکل بے اختیاری میں اس نے نظریں اٹھا کر بیرس کی طرف دیکھا مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ گاڑی کے قریب آیا۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے اس نے... اس کی آس ٹوٹی وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی ایئرپورٹ کی طرف جاتے راستے پر رواں... اور بہت مضطرب اپنے گھر سے دور ہو... سفر کر اس کے کاروباری معاملات کا... کے سلسلے میں دل اتنا بے قرار کیوں تھا۔ اب کی بار دل نجانے کون سا... کون سا خوف لاحق تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیسی ہیں ممی؟ کیا ہو رہا ہے؟" اشعر نے ماں سے پوچھا۔ اس کی فون پر فروہ سے بات ہوئی تھی جو ان دنوں بالاکوٹ میں تھیں۔ وہ اس وقت اپنے... اور وہیں سے اس نے انہیں فون کیا تھا۔

"الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ ہم نے یہاں ناردرن ایریاز اور آزاد کشمیر کے کئی علاقوں میں فری میڈیکل کیمپس لگائے ہوئے ہیں اور عورتوں، بچوں کو مفت علاج کے ساتھ فری میڈیسنز بھی فراہم کر رہے ہیں۔ دور دراز کے جن علاقوں میں ہم کیمپس نہیں لگا سکے وہاں سے بھی...

کیا سلسلہ ہے... اس کیا بتاؤں بیٹا... انہیں... حالات... بہت خراب... ان کو... معصوم... کی حالت... جب... کاروبار سب... کھانا... مجبور لوگ کیمپوں... ان کے پاس... کر رہی ہے اور بہت... کوئی ریلیف آرگنائزیشن بھی بہت... تک... سب... نہیں ہوگا ان کا... کے مواقع... ختم ہوئے... روزگار کے ذرائع پیدا... کر رہی ہوں... کئی سال لگیں... ابھی بھی... بچی... دیکھ میں اور ابھی...

"اپنے کھانے پینے سے؟"

اپنی مصروفیات کا احوال سناتے انہوں نے اس کی خیریت خاصی فکر مندی سے پوچھی تو وہ ان کی فکرمندی پر ہنس پڑا۔ واقعی بچہ ہی تو ہو جاتا ہے ماں کے لیے ہمیشہ ہی رہتا ہے اور اس کی ماں تو وہ تھیں جو بالکل انجان اور راستے بھولے لوگوں کی مدد خدمت خلق کے کام انجام دیتی تھیں اور اس وقت بھی ایسے ہی کار خیر میں مصروف تھیں۔

آٹھ اکتوبر 2005ء کو جب زلزلہ آیا تو وہ اور ان کی این جی او وہاں امدادی ادویات، خوراک اور دوسرا امدادی سامان لے کر پہنچنے والے اولین لوگوں میں شامل تھے۔

تھیں۔ وہاں کی ہمدرد طبیعت اور وہ... کے غم کو اپنا غم سمجھنے کی ان کی عادت پر ہمیشہ ہی کی طرح فخر میں مبتلا ہوا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں ممی! آپ میری فکر مت کریں۔"

وہ انہیں خوشی کی خبر دینا چاہتا تھا۔ اپنی خوشی ان کے ساتھ بانٹنا چاہتا تھا مگر انہیں گھر واپس پہنچنے تک یہ بات جان کر ان کی ایک پوتی یا پوتا ان کی بہو نے اسے چار سالوں تک ان سے چھپائے رکھا۔ وہ سرا مزید گھبرا کر انہیں اس کی بیماری کے بارے میں بتایا کہ جب تک جرم کی سرجری نہیں ہو جاتی اس وقت تک اسے کسی کو بتانا ہی نہیں ہے یہ ساری بات چھپا کر رکھنا تھی۔

☼ ☼ ☼

"مسز خرد نے اپنی چھٹی ہونے کے... ڈاکٹر نے اس کی اپینڈیکس... کی سرجری کے... ہے۔ اسے بس اپنی بیٹی کی سرجری ہو جانے تک... چاہیے۔" "فقانے میں سرجری ہو جانے تک... درخواست... خرد کی چھٹی ہونے کی درخواست... ایک چھوٹی سی فرم کے مالک... احمد قریشی کے سامنے رکھی۔ ایک چھوٹی سی فرم میں مختار احمد قریشی تھے۔... اور بہت سی... احمد قریشی نے اسے... تھیں اور وہ بھی بغیر... باتیں سنانے... ہمدردی... اسے اچھا خاصا عزت کرنے کے بعد۔

"مسز خاور! آپ چاہیں تو خود سے میری طرف سے کہہ دو وہ چار ہفتوں کے لیے نہیں بلکہ قریشی ایک لیٹر پر بیٹھ کے لیے چھٹی کر لیں۔" احمد قریشی نے اپنے سامنے پڑی درخواست ہاتھ سے پرے... بہت بیمار ہے اس کی..."

"مسز خرد کی مجبوری ہے۔ اس کی... سرجری ہوئی ہے۔"

... آفس میں نے خدمت خلق اور انسانی ہمدردی... نہیں کھولا۔ مس خرد کو... ضرورت سے زیادہ رعایت دے چکا ہوں۔ آپ میری طرف سے... کر ان کی اب اس میں مزید کوئی ضرورت نہیں۔ میں ان کی خالی ہوئی پوسٹ کے لیے اس ہفتے کے...

urdunovels.net

urdunovels.net

انتہائی بوجھل اور دکھ کے عالم میں ان کے ہاں سے نکل آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے گھر سے دور' ملک سے دور' ایک دوسرے دیس میں شدید اضطراب کے عالم میں تھی۔ زندگی کی اس پہلی رات' ان بھرکے تمام معمولات سے فارغ ہونے کے بعد سب سے پہلے اس نے گھر پر ماں کو فون کیا۔

"فرحی کیسی ہے؟ آپ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں؟" سلام دعا کے بعد اس نے فوراً پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ صبح ہی لے گئی تھی آج میں اسے ڈاکٹر شیراز کے پاس۔ وہ میں تمہیں فون کرنے والی تھی' وہی وہ مجھ سے کہہ رہے تھے۔ آپی کی بہو کیا کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے؟ اب میں انہیں کیا بتاتی کہ میری بہو بھابی نے انگریزی اور پڑھائی کی ٹینشن کر کر بری طرح سوار کر رکھی ہے۔ کمزوری ہو گئی ہے اسے ٹی بی بھی لو تھا لیکن خدا کا شکر ہے کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ ڈاکٹر شیراز نے کچھ ملٹی وٹامنز دی ہیں اور میں نے آج سے فرحی کے کھانے پینے پر بھی شروع کی ہے' اسے وارننگ دی ہے کہ اگر اپنی صحت کا خیال نہیں رکھو گی تو سب پڑھائی وڑھائی بند۔" انہوں نے اسے تفصیل سے مطمئن کیا۔

ان کا جواب سننے کے بعد اس نے طمانیت سے بھری ایک گہری سانس لی۔

"آپ فرحی کی طرف سے پریشان مت ہوں۔ انشاء اللہ میں بہت اچھی طرح اس کا خیال رکھوں گی۔ تم بس بے فکر ہو کر اپنے سب کام نمٹاؤ۔" وہ اس کی پریشانی کو بھانپ رہی تھیں تب ہی دوبارہ اطمینان دلانے والے انداز میں بولیں۔

اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ وہ اپنی بے حد لاڈلی بہن کی طرف سے اضطراب اور بے چین کیوں ہے۔ اس کی طبیعت کے متعلق اطمینان کر لینے کے باوجود دل کی بے اطمینانی اتنوڑ ابھی جگہ گھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ وہ کتنے گھنٹے بیٹھے' چلتے پھرتے سوتے جاگتے' اسے ہر پل ایک فون کال کا انتظار رہتا تھا۔ شعوری طور پر وہ جانتا تھا وہ اسے کال نہیں کرے گی۔ وہ اس سے ناراض تھی۔ پہلے وہ ملک سے باہر سے باہر نکل جانا چاہتا تھا تو ان کی دن میں دو' تین' تین دفعہ آپس میں بات ہو جاتی تھی اور اس بار اس سے بات کیے بغیر' اس کی آواز سنے بغیر اسے کتنے دن ہو گئے تھے اور اب تو اسے واپس آئے بھی کافی دن ہو گئے تھے۔ اس وقت وہ اس سے بات کرنے کی خواہش کو بمشکل دبا رہا تھا۔ اس کی ناراضی کے باوجود وہ جانتا تھا اس وقت وہ اس سے بات کرنا پسند کرے گی۔ اس کا دل چاہا وہ اسے فون کرے۔ اس کی آواز سنے۔ اس سے معافی مانگے۔ اس کے لیے بے چین ہو کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ نے مجھ سے کہا تھا آپ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔" فرحی کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"اشعر اگر تجھے کچھ ہو جائے تو میرے بعد فرحی کا خیال رکھنا پلیز؟ فرحی ابھی بہت چھوٹی ہے اور بہت سادہ معصوم بھی۔ تم سمجھ دار ہو' تم سمجھ سکتے ہو' اپنے اور فرحی کے رشتے کو اچھی طرح نبھانے کے لیے تمہیں بہت سمجھ داری کا ثبوت دینا ہو گا۔" اس کے کانوں میں باپ کی آواز گونجی۔

"زیادہ کبھی مجھ سے اس طرح ناراض مت ہوں۔ ابھی جب مجھ سے ناراض تھے' میری طرف نہیں دیکھ رہے تھے مجھ سے بات نہیں کر رہے تھے تو مجھے اپنی وحشت ہو رہی تھی' ایسا لگ رہا تھا میری زندگی میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا ہے۔ بس وحشت ہی وحشت بات کر رہی تھی' وہی وحشت' وہی اندھیرا تو اسے محسوس ہو رہی تھی' وہی اندھیرا تو اسے اپنی زندگی میں پھیلتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے سائڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھایا۔ انگلیاں بے تابی سے کال ملا رہی تھیں۔ کال مل گئی' بیل جا رہی تھی اور پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"اشعر!" ہیلو کہنے کے بجائے اس نے اس کا نام لیا۔

"فرحی۔" وہ بھی جواب میں اس کا نام لینے کے سوا فوراً کچھ نہ کہہ سکا۔

"آپ کیسے ہیں؟" رات کے اس پہر وہ جاگ رہی تھی۔ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ اس سے کوئی شکوہ نہیں' کوئی ناراضی' کوئی شکایت نہیں۔ اس کے رویے کی کوئی وجہ پوچھے بغیر وہ اس سے اس کی خیریت پوچھ رہی تھی۔ جواب میں وہ بھی تو تھی اس کی خیریت اس کی بہت اپنی فرحی۔

"تم کیسی ہو؟" اگر وہ سامنے ہوتی تو وہ اسے گلے سے

سوہنی ہیئر
SOHNI HAIR OIL

تھے اور اپارٹمنٹ آ رہی تھی وہ بہت سے لگی اس وقت وہ واپس آتے ہی جلدی سے کیٹ کو فون کرتا تھا۔ اس کے باوجود فرحی آنکھوں میں آنسو لیے اس کی کال ریسیو کر لیتا تھا اور اس کا ایک ایک سوال' ایک ایک بات کا جواب دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اس کے بے حد ناراض ہونے کے باوجود اس کی کال کا منتظر تھا۔ اس کے بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔

"آپ نے مجھ سے کہا تھا آپ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔"

"فرحی۔" وہ بمشکل اتنا ہی بولا۔

"اشعر اگر مجھے کچھ ہو جائے تو میرے بعد فرحی کا خیال رکھنا پلیز؟ فرحی ابھی بہت چھوٹی ہے اور بہت سادہ معصوم بھی۔ تم سمجھ دار ہو' تم سمجھ سکتے ہو' اپنے اور فرحی کے رشتے کو اچھی طرح نبھانے کے لیے تمہیں بہت سمجھ داری کا ثبوت دینا ہو گا۔" اس کے کانوں میں باپ کی آواز گونجی۔

"زیادہ کبھی مجھ سے اس طرح ناراض مت ہوں۔ ابھی جب مجھ سے ناراض تھے' میری طرف نہیں دیکھ رہے تھے مجھ سے بات نہیں کر رہے تھے تو مجھے اپنی وحشت ہو رہی تھی' ایسا لگ رہا تھا میری زندگی میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا ہے۔ بس وحشت ہی وحشت بات کر رہی تھی' وہی وحشت' وہی اندھیرا تو اسے محسوس ہو رہی تھی' وہی اندھیرا تو اسے اپنی زندگی میں پھیلتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے سائڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھایا۔ انگلیاں بے تابی سے کال ملا رہی تھیں۔ کال مل گئی' بیل جا رہی تھی اور پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"اشعر!" ہیلو کہنے کے بجائے اس نے اس کا نام لیا۔

"فرحی۔" وہ بھی جواب میں اس کا نام لینے کے سوا فوراً کچھ نہ کہہ سکا۔

"آپ کیسے ہیں؟" رات کے اس پہر وہ جاگ رہی تھی۔ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ اس سے کوئی شکوہ نہیں' کوئی ناراضی' کوئی شکایت نہیں۔ اس کے رویے کی کوئی وجہ پوچھے بغیر وہ اس سے اس کی خیریت پوچھ رہی تھی۔ جواب میں وہ بھی تو تھی اس کی خیریت اس کی بہت اپنی فرحی۔

"تم کیسی ہو؟" اگر وہ سامنے ہوتی تو وہ اسے گلے سے

"تم توصیف کے رشتے کے بارے میں سوچو تو سہی سارا کس چیز کی کمی ہے اس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے' کروڑوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہے' ہینڈسم ہے' لندن میں اس کا وہ اسٹیٹس اور لونگ اسٹینڈرڈ ہے جو پاکستان میں

خضر عالم کے پاس آئی تھی۔

"تم چپ کیوں ہو؟ تم سچ کیوں نہیں بولتیں۔ خدا کے لیے بولو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔"

روتے ہوئے سچ کہہ کر خضر سے بولی۔ وہ پتا نہیں کون سا سچ تھا جو وہ کہہ رہی تھی۔ اس کی ماں خضر عالم اور یہ لڑکی' یہ تینوں جیسے کسی ڈرامے کے کوئی کردار تھے اور وہ اور کھڑا تماش بین۔ اس کا پورے ڈرامے کے اس منظر سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ وہ تماشائی تھا۔ تماش بین تھا اور بہت دور بالکل الگ تھلگ کھڑا اس تماشے کو دیکھ رہا تھا۔ جو بے حسی کی ایک ایسی عجیب سی حالت تھی جو پتا نہیں غم اور دکھ کے ناقابل برداشت احساس سے اسے بچا رہی تھی۔

"تم چپ کیوں ہو؟" خضر عالم کے لیے سچ بولو۔" اس لڑکی نے روتے ہوئے پھر خضر عالم کو جھنجھوڑا۔

"میں کیا سچ بولوں؟ تم میرے سامنے تمہاری ماں کی نسبت کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ بس اب بہت ہو گیا۔ مزید جھوٹ اور دھوکے کی زندگی میں نہیں جی سکتا۔ محبت کرنا کوئی جرم نہیں۔ کسی کو چاہنا کوئی جرم نہیں جو ہم یوں سب سے منہ چھپاتے پھریں۔ اپنی محبت کو چھپانے کے لیے جھوٹ بولیں۔ ہم کیوں جھوٹ بولیں۔ ہم کیوں جھوٹ بولیں۔ تمہاری ماں اور میں نے محبت کی ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔ تم ہمیشہ ڈرتی رہیں دنیا سے' لوگوں سے' اپنی محبت سب سے چھپاتی رہیں۔ تمہیں ہمیشہ یہ لگا کہ تمہارا مجھ سے محبت کرنا تمہارے شوہر سے خیانت ہے کوئی بہت بری بات ہے۔ میں نے بیٹھ تمہیں یہی سمجھایا کہ تمہارا مجھ سے محبت کرنا غلط نہیں بلکہ اس بات کو سب سے چھپانا غلط ہے۔ میں تم سے کہتا تھا سب کچھ صاف صاف کہہ دو۔ توڑ دو شادی کی زنجیریں' ختم کر دو اس زبردستی بندھے شادی کے رشتے کو جو تمہیں احساس گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔ جو تمہیں مجھ سے دور لے جاتا ہے۔ مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔ اور دیکھو آج کیا ہوا ہے۔ کیسے میری آنکھوں کے سامنے تمہیں بے عزت کیا جا رہا ہے۔"

خضر عالم نے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے آواز کو مضبوط بنتے ہوئے کہا۔ وہ اب خوفزدہ یا بوکھلایا ہوا نہیں تھا۔ صرف اور صرف اداس اور بہت زیادہ رنج اور دکھ میں مبتلا تھا۔

اس لڑکی نے اپنے منہ پر یک دم ہی یوں ہاتھ رکھا تھا

جیسے اپنی چیخ کو دبانا چاہتی ہو۔

"خضر تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ تم نے مجھے کھلی سی آواز میں کہا۔ یک لخت ہی وہ حق اور حقوق کی جنگ ہار گئی تھی جو اسے خضر عالم کے پاس رہنے کی لڑنی تھی۔ اسے جتانے کی کوشش کرنے لگی۔

"یہ یہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ مجھے اس طرح نہیں چھوڑ سکتے۔ میں نے آپ کے لیے اپنا گھر' اپنا خاندان' اپنی جان یا بازو کو روتے ہوئے ہاتھ سے اس موسم

"آپ کو میرا یقین ہے ناں۔ ایسی نہیں۔ میں ایسی نہیں میرا یقین کریں۔ میں ایسی نہیں میرا یقین کریں۔"

وہ روتے ہوئے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی اس کی ٹانگیں جیسے بلکل بلک کر ساری طاقت کھو چکی تھیں۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میرا یقین کریں۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں نے آپ کی وہی خدمت کی ہے جو صرف اور صرف آپ سے محبت کرنے والی ہی کر سکتی ہے اور صرف آپ کی۔ "اسے جیسے کوئی بات یاد آئی تھی۔ وہ اس سے کیا چاہتی تھی۔ وہ اس سے دور جانے کی بات کر رہا تھا۔ وہ اس سے کیا چاہتی تھی۔ وہ اس سے دور جانے کی بات کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے آئی تھی اور وہ وہاں سے اندھا دھند بھاگ رہا تھا یوں جیسے موت اس کے تعاقب میں آ رہی ہو۔

"خضر میری بات سنیں۔ پلیز میری بات سنیں۔ مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔ خدا کے لیے رک جائیں۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ آپ کی خود ایسی نہیں ہے۔ آپ کی خود۔" وہ بھاگتے ہوئے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح سڑک پر دوڑ رہا تھا۔ اسے کہاں جانا ہے۔ اس کی منزل کہاں ہے" اس کچھ پتا نہیں تھا۔ کچھ بھی محسوس کرنے کی سرحدوں سے بہت آگے وہ اپنے بے زندگی میں پہلی بار موت مانگ رہا تھا۔ جو اسے ہر احساس سے ہر درد احساس سے دور لے جائے۔ وہ مڑ کر اس دنیا کی طرف کبھی دیکھنا نہیں چاہتا" وہ مڑ کر اس زندگی میں کبھی لوٹنا نہیں چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ گزشتہ رات کو معمول کے چیک اپ کے لیے آئی

محبت کی شدید ترین آرزو کرنے کے باوجود وہ زندہ تھا۔ وہ زندہ تھا جس کے لیے لوگوں سے زندہ تھا۔ سانس لے رہا تھا۔ سانس لے رہا تھا۔ ہوسٹل کے ایک ۔۔۔ ہوسٹل کے تنگ و تاریک کمرے میں وہ بیڈ پر ٹوٹی پھوٹی حالت میں سیت لیتا تھا۔ گاڑی اندھا دھند سڑکوں پر دوڑاتے وہ کیسے یہاں آیا' کیسے' کس حال میں آیا۔ اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ ہاں یہ یاد تھا کہ وہ دنیا کے لوگوں سے چھپ جانا چاہتا تھا۔ خود کہیں غائب ہو جانا چاہتا تھا۔ پھر تھوڑے تھوڑے وقفے سے بجتے اس کے موبائل نے مسلسل بجنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ کیوں

سے تھا رہے کیوں بھیج رہے تھے۔ اس نے کھینچ کر اپنی جیکٹ سے وہ موبائل نکالا۔ کوفت' کیا اور پوری طاقت سے موبائل کو سامنے ٹریک سے گزرتی روڈ پر اچھال دیا۔ وہ ایک چھوٹا سا آلہ۔ جو دنیا کا اس سے رابطے کا واحد ذریعہ تھا۔ کھڑکی بند کرتے وہ واپس بیڈ پر آ گیا۔ اب دنیا کا کوئی بھی شخص اسے ڈھونڈ نہیں سکتا تھا۔ اس تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ اس کی تلاش ہیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ ایسی کسی خواہش کو جنم بھی دیا جا سکتا ہے' تو کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا۔

گھڑی کی سوئیاں وقت کے بوجھ تلے دبی اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ اس کے احساسات پر بھی برف چھٹتی جا رہی تھی۔ وہ سونا چاہتا تھا۔ بہت گہری بہت لمبی نیند مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سامنے دیوار پر اس کے آس پاس گونج رہا تھا۔

"بہت بہت زیادہ انتظار کر رہی ہوں۔ جلدی واپس آئیں۔ مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"

"میرے لیے سب سے زیادہ آپ اہم ہیں۔"

"اگر آپ منع کرتے رہے بھی نہیں جاؤں گی۔ آپ اب کہیں۔ مجھے جہاں جانے کو کہیں گے میں وہاں زندگی بھر نہیں جاؤں گی۔"

"میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ بہت بھی آپ مجھ سے کہتے ہیں۔ اس سے بھی کہیں زیادہ۔"

"محبت بیوی کی حیثیت میں قبول ہو کر پھر مجھے امتحان میں ڈالنے کی خواہش نہیں۔"

"بند کریں یہ۔ بند کریں میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

وہ تکلیف سے چلایا تھا۔ وہ اس آواز سے پیچھا چھڑا کر یہاں آیا تھا۔ اور یہ اس کے ساتھ ہر جگہ میں رہیں بھی چلی آئی تھی۔

"خضر کا ایکسیڈنٹ ہوا تو خود تڑپ کر ایک آدھ ان بعد اس کی عیادت کے لیے اسپتال جاتی رہی۔"

"صبح کہہ کر گئی تھیں کہ آج شام میں کچھ ہنگامے تک گھر واپس آ جاؤں گی۔"

"خود بھی تو کتنا ایسا ہی کرتی ہیں خضر صاحب کے ساتھ۔"

"اب خود ان میرا ہر دل سے دور ہو گیا کر یہ نہیں تو دوستوں کے ساتھ کیوں نہیں جا سکتی جائے گا

urdunovels.net

ایسی باتیں کر رہی ہیں جن میں بالکل لاگ لپٹ نہیں ہوتا۔ اسکے دل میں جو خیال آتا ہے کہہ دیتی ہیں۔

ان سے وصول کردہ فریدہ کے ساتھ ان کے آفس جانا تھا۔ ان کا آفس جس سڑک پر واقع تھا۔ اس سے اندر نکلتے والی ایک سڑک ہی میں وہ بلڈنگ تھی جس میں خضر کا اپارٹمنٹ تھا۔

فریدہ سے ملنے کی بے قراری میں وہ خضر عالم کو بالکل ہی بھول بیٹھا تھا۔ واپس آتے ہی اس شخص کو اپنے سامنے پایا تھا اور اس کے اندر موجود اس شخص کے لیے نفرت نئے سرے سے تازہ ہو گئی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ وہ فریدہ کے بغیر اس سمسٹر کے پیپرز تو پورے دے لے گا مگر اگلے تین سمسٹرز ڈراپ کردے۔ وہ ایک ڈیڑھ سال کے لیے اپنی پڑھائی روک کر اسے جاب کرنے کا بھی تو بہت شوق تھا۔ اور یہ سال کے عرصے میں گھر نہ بیٹھے بلکہ اس کا آفس جوائن کرلے۔ وہ فریدہ کو اس شخص کے سایے سے بھی دور رکھنا چاہتا تھا۔

"تم اوپر چلو گے؟" فریدہ نے گاڑی کا دروازہ کھولتے اس سے پوچھا۔ اگر وہ بھی پوچھتیں وہ تب بھی ان کے ساتھ اوپر ضرور جاتا۔ ایک تو فریدہ کو خضر کا اپارٹمنٹ ٹھیک سے پتا نہیں تھا' وہ بلڈنگ ادھر ادھر پھر کر تلاش کرتیں۔ دوسرے وہ اس ملاقات ہی میں اپنے خوبصورت انداز سے اس شخص کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے بیٹے کو اکیلا نہیں چھوڑے گا اور وہ آئندہ ان کے گھر آنے یا وہاں فون کرنے کی بھی جرات نہ کرے۔ سیکنڈ فلور پر اس کا خوب صورت سا اپارٹمنٹ تھا۔ پہلی بیل کے بعد اندر سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا' ایک سیکنڈ انتظار کرکے فریدہ نے دوسری بیل دبا دی تھی' اس بار اندر سے خضر کی آواز آئی۔

"آرہا ہوں بھئی' تمیں منٹ میں پہنچ جائے گا فون پر یہ کہا گیا تھا۔ آپ لوگوں کی سوئی ہوئی حس تو نہیں جاگ گئی۔"

ناگواری سے بولتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ اپنے انتظار کے بدلے ہوئے دعا کرنے والے جس بندے کی وہ توقع کر رہا تھا اس کی جگہ ان لوگوں

کو سامنے دیکھ کر اس کا باقی کا جملہ منہ ہی میں رہ گیا۔

"افوہ میں تمہارا انتظار ہی کرتا رہ گیا۔ تم لوگ کچھ پہنچے ہی نہیں۔" خضر نے قریب آکر کہا تھا۔ مسکرا کر وہ فریدہ سے ہیلو ہائے کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ اتنا گھبرایا ہوا بوکھلاہٹ کا شکار نظر آرہا تھا کہ فریدہ بھی اس کی تک اور انہیں اندر بلا رہا تھا۔

"کیا ہم اندر کہیں بلاؤ گے؟" فریدہ کی حیرت کا شکار تھیں۔

"اوہ۔ ہاں۔" کہاں پر زبان پھیرتے وہ آگے ہٹا۔ خضر کی حالت کسی ایسے چور کی تھی جس کے ماتھے پر پسینہ ابھر آیا تھا۔ خون چوڑیا ہوا چہرہ جیسے موت کا فرشتہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

اندر کسی کے چل کر اسی طرف آنے کی آواز نے قدموں کی آواز اسے سنائی دی۔

"فون ہے خضر؟ کیا ہوا ہے۔" ایک بہت مانوس آواز اسے سنائی دی۔ "نہیں' نہیں کوئی اس کے اندر نہیں گیا گران ہو رہی تھی اور وہ سامنے سے چلتی اسی طرف آرہی تھی۔

"فرد۔ اس کی خیر۔ نہیں یہ فرد نہیں۔ اس کی فرد یہاں نہیں ہو سکتی۔ اس کی فرد کا یہاں پر کیا کام ہے۔ وہ فون کے قریب آتی گئی۔ اشعر آپ؟ آپ کب آئے؟ ممی آپ۔" اس نے اس لڑکی کی آواز پھر سنی۔

"فرد تم؟ تم یہاں۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے اپنے برابر میں کھڑی اپنی ماں کی آواز سنی' وہ حواس باختہ سی قدم کے شاک کے زیر اثر کانپتی ہوئی تھی۔

"فرد تم یہاں خضر کے ساتھ؟" اس نے ایک بار پھر اپنی ماں کی کانپتی ہوئی آواز سنی۔ "تم یہاں اس طرح۔ میرے خدایا یہ منظر دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی۔" صدمے سے نڈھال اس کی ماں بری طرح رو رہی تھی۔

"ممی' ممی آپ یہ کیا؟" اس نے اس لڑکی کی آواز سنی' وہ اپنی روتی ہوئی ماں کو اس لڑکی کے قریب جاتے دیکھ رہی تھی۔ اپنی روتی ہوئی ماں کو اس لڑکی کے منہ پر تھپڑ مارتے دیکھا۔

آتی ہے۔ فریدہ ہو' اشعر کے منہ پر تھپڑ مارتی ہو' ایسی گھناؤنی حرکت کرتی ہو' اس نے ان کے اعتماد کی یوں دھجیاں اڑائی ہیں۔ اس لڑکی نے ان کی ماں ہوتے روتے زمین پر گرتے دیکھا۔ وہ اب بالکل خاموش کھڑے خضر عالم کی طرف جھپٹ پڑی تھیں۔ کسی کی بیوی ہو' ایک بیٹے کی ماں ہو' پڑھائی کے بہانے بنا کر غیر لڑکوں کے ساتھ گھومتی ہو۔

"تمہاری اور خرد کی ہمت کیسے ہوئی۔" اشعر نے ہم نے بھی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں کیا۔ ہم نے ہمیشہ تمہیں اپنے گھر میں عزت دی اور تم نے ہمارے ہی گھر کی عزت کو؟ یہ میری بہو ہے' میرے بیٹے کی بیوی ہے' کسی کی عزت پر بری نگاہ ڈالتے تمہیں ذرا شرم نہ آئی۔ کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالتے تمہیں ذرا خیال نہ آیا کہ کیا گھناؤنا کھیل کھیل رہے ہو تم اس کے ساتھ مل کر؟ تمہارا نفس' تمہاری ہوس کی بھوک اس حد تک بڑھ گئی کہ تمہیں گناہ ثواب کا احساس ہی مٹا دیا۔" وہ لڑکی کے منہ پر تھپڑ مار کر اسے کسی کو منہ دکھانے کے قابل۔"

"ممی خدا کے لیے۔" وہ لڑکی روتی ہوئی اس کی ماں کے قریب آئی۔

"ایسی غلیظ اور گھناؤنی حرکت کرکے' اتنا بڑا گناہ کرکے بھی تم میں اتنی ہمت ہے کہ میری اور اشعر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکو۔" اس کی ماں نے غصے سے کانپتے ہوئے لڑکی کو دھکا دے کر اپنے سامنے سے ہٹایا۔ وہ تیور آکر زمین پر گر گئی۔

"اچھا ہوا آج حسان زندہ نہیں' اچھا ہوا آج میمونہ زندہ نہیں' اچھا ہوا آج حمیت زندہ نہیں۔ ورنہ تمہارے ماں باپ اور بہت چاہنے والوں میں وہ سب بھی اسی ذلت سے گزرتے جس سے اس وقت میں اور اشعر گزر رہے ہیں۔ وہ بھی یونہی زندہ درگور ہو رہے ہوتے جیسے میں اور اشعر ہو رہے ہیں۔ تم تو نہ بیٹی کہلانے کے لائق ہو نہ بہو۔ بہو بیٹی تو ہر رشتے کی حرمت پامال کرڈالی ہے خرد تم نے۔"

اس کی ماں چیخ چیخ کر مسلسل رو رہی تھیں۔ وہ اپنے ہوش و حواس اس صدمے سے جیسے بالکل ہی کھو بیٹھی تھیں۔

زمین پر گری وہ لڑکی ایک دم ہی اٹھی' وہ اس کی ماں کے پاس نہیں بلکہ دیوار کے ساتھ لگ کر بالکل خاموش کھڑے

جتنا بھی دل چاہ رہا ہو۔ اور دل کیوں نہیں چاہے گا اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر جانے کا۔ ابھی اس کی عمر ہے ایسے ہلے گلوں اور ہنگاموں کی۔"

"خضر مجھ سے کہہ رہا تھا اشعر بھائی خرد سے اتنے بڑے ہیں' ان دونوں کے آپس میں مزاج کیسے ملتے ہوں گے۔ ان دونوں کی سوچ میں مجھے تو بہت فرق محسوس ہوتا ہے۔"

"آپ بہت بور ہیں۔ ابھی آپ کی جگہ کوئی زندہ دل بندہ ہوتا اتنا انجوائے کر رہا ہوتا بارش کو۔"

"خضر کہتا ہے باقی دوست بھی اچھے ہیں مگر خرد کی بات الگ ہے۔"

"لیٹ ہو گیا' اشعر بھائی اتنی اچھی لڑکی کو مجھ سے پہلے لے اڑے۔"

"آپ بہت برا ڈمائنڈڈ ہیں۔ کہنے کی حد تک تو سب ہوتے ہیں۔ آپ حقیقت میں بہت کھلے ذہن کے انسان ہیں۔"

"برا ڈمائنڈڈ' لبرل' اس برا ڈمائنڈڈ اور لبرل انسان کے منہ پر کسی نے بہت کس کر طمانچہ مارا تھا۔ اس کی بیوی اس کے ساتھ نہیں' اس کے مقابل ایک دوسرے مرد کے پہلو میں کھڑی تھی' اس کے گھر پر تنہا موجود تھی۔ وہ صرف بیوی تو نہ تھی' وہ تو اس کی محبت بھی تھی' وہ تو اس کی زندگی بھی تھی' پھر کیوں' آخر کیوں؟

"میں نے دوپہر میں آپ سے جھوٹ بولا تھا آپ نرسری گئے ہوئے تھے تب وہ سارے گملے میں نے دھوپ میں رکھے تھے۔" جیسے ایک معمولی سا جھوٹ بول کر رات میں نیند نہیں آتی تھی۔ اس نے کب اور کیسے جھوٹ' دھوکے اور فریب کو اپنا لیا؟ کب' کب ایسا ہوا اور وہ اتنا لاعلم رہا۔ اس تبدیلی کو جان تک نہیں سکا؟

"خرد یونیورسٹی گئی ہے۔ کہہ رہی تھی ندرت اور عامعہ کے ساتھ مل کر اسٹڈی کرنی ہے۔"

"آرہا ہوں بھئی۔ 30 منٹ میں میرے گھر پہنچ جائے گا فون پر یہ کہا گیا تھا۔ آپ لوگوں کی سروس بہت ہی خراب۔"

"کون ہے خضر؟ کیا آگیا؟"

وہ بیڈ پر اوندھے منہ پڑا رو رہا تھا۔ ہاں.... وہ اشعر حسین جو زندگی میں کبھی رویا نہیں تھا' باپ کی موت تک پر جس نے اپنے آنسوؤں کو دل ہی میں چھپا کر ظاہر بہادری کا ثبوت دیا تھا آج محبت کی موت کے پورے 24 گھنٹوں بعد اس کی مرگ پر سسک سسک کر رو رہا تھا۔

اسے بھوکے پیاسے اس کمرے میں بند پڑے تقریباً 36 گھنٹے ہو چکے تھے۔ بیرونی دنیا سے اپنا رابطہ منقطع کیے پورے دو دن ہو گئے تھے۔ ان دو دنوں میں کچھ کھانا تو دور اس نے پانی کا ایک گھونٹ تک نہیں پیا تھا' ایک لمحے' ایک پل کے لیے بھی وہ سویا نہیں تھا۔ اسے ہر بات یاد آرہی تھی۔ اس کی سادگی' اس کی معصومیت' اس کی سچائی' اس کی محبت' اس کا دھوکا' اس کا فریب' اس کا جھوٹ' اس کی بے وفائی۔

"آپ کب واپس آئیں گے' پلیز جلدی واپس آجائیں۔ مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"

"آپ جب واپس آئیں گے' میں آپ کو ایک بات بتاؤں گی۔"

اور اس رات اس کی وہ روتی ہوئی آواز سن کر اسے یہ تھا کہ وہ اسے یاد کر کے' اس کی محبت کی جدائی میں رو رہی ہے۔ لیکن وہ تو ندامت کے آنسو تھے۔ وہ اس رات روتے ہوئے جو بات اسے بتانا چاہتی تھی اور بتا نہیں پائی تھی۔ وہ شاید یہ تھی کہ وہ اس کے ساتھ خوش نہیں۔

شادی ان دونوں کی ان کی مرضی کے خلاف کچھ دوسرے لوگوں نے زبردستی کروائی تھی۔ مگر پھر دھیرے دھیرے گزرتے وقت کے ساتھ ان دونوں نے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا' ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے' دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے۔ مگر اشعر حسین نے ایک پوری دنیا کو دیکھنے کے بعد خرد احسان کو قبول کیا تھا۔ اس سے محبت کی تھی اور خرد احسان نے دنیا کو دیکھنے سے بہت پہلے مگر جب وہ اشعر حسین کے گھر کی چار دیواری سے باہر نکلی تو اسے پتا چلا۔ دنیا اشعر حسین سے آگے' اس سے بڑھ کر بھی بہت کچھ ہے۔ وہ الجھ گئی۔ اسے انتخاب کا موقع' انتخاب کا حق کیوں نہیں دیا گیا۔ اگر دیا جاتا تو اس کا انتخاب اپنے سے عمر میں 8 سال بڑا اتنا سوبر اور سنجیدہ مرد نہیں بلکہ اپنا ہم عمر کوئی شوخ اور زندہ دل لڑکا ہوتا۔ کاش وہ اسے دھوکا دینے کے بجائے اس سے صاف صاف یہ سب کچھ کہہ دیتی۔ وہ انتہائی باوقار طریقے سے اسے خود سے الگ کر دیتا۔ باعزت طریقے سے اسے طلاق دے کر اپنا اور اس کا رشتہ اس کے حسب منشا ختم کر دیتا۔ دلوں کے رشتے جبر اور زور زبردستی کی بنیاد پر تو قائم نہیں رکھے جا سکتے۔ محبت جبر کے ذریعے تو کسی کے دل میں پیدا نہیں کی جا سکتی۔ دکھ تب

urdunovels.net

پورے 72 گھنٹے مُردوں کی طرح اس کمرے میں بند گزارنے کے بعد وہ آخر کار ہمت کر کے اٹھا تھا۔ [illegible]

[illegible]

وہ اس کے گھر آیا تھا [illegible]

[illegible]

ساتھ ٹی وی لاؤنج [illegible] حریم [illegible] crayons [illegible]

"یہ تو بہت خوب صورت ہاؤس ہے۔ کس کا ہے؟"

[illegible]

اور اس کے دل میں ایک بہت ہی عجیب سی [illegible] ناقابل یقین جواب اسے موصول ہوا تھا [illegible]

[illegible]

"پاپا اور ڈیڈی [illegible]"

[illegible]

"پاپا! حریم کی ڈرائنگ۔" اس نے اس کی گود سے اترنا چاہا۔

"پاپا کو بتاؤ تو سہی وہ سویٹ ہارٹ پھر کرنا اپنی ڈرائنگ۔" اس نے اس کے دونوں گالوں پر پیار کیا۔

"یہ چوڑیاں تو دیکھیے ذرا پاپا۔"

[illegible]

"پرنس پاپا بور ہو رہے ہیں۔ ڈرائنگ [illegible]"

[illegible]

"ڈرائنگ بک [illegible]"

[illegible]

[illegible] پڑوسیوں کے گھروں میں [illegible]

دوسرے کونے پر آکر بیٹھ گئی۔
"ماما! سنو وائٹ دیکھیں۔" اشعر کے ساتھ لگ کر بیٹھی حریم نے اس سے کہا۔ چائے کے گھونٹ لیتی وہ بھی مووی دیکھنے لگی۔ اس نے اپنا چائے کا کپ کب کا خالی کردیا تھا اور اشعر کا کپ جوں کا توں اَن چھوا رکھا تھا۔ حریم کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں مگر اسے یہ فکر لاحق تھی کہ سنو وہائٹ زہریلا سیب کھانے سے کہیں مر تو نہیں جائے گی۔ اشعر کئی بار اس سے سونے کے لیے کہہ چکا تھا مگر وہ آنکھیں زبردستی کھولے سونے سے انکار کر رہی تھی۔

"بس پرنسس! اب باقی مووی کل دیکھیں گے۔ اس وقت پرنسس کو بھی نیند آرہی ہے اور پاپا کو بھی۔"

ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے اشعر نے آخر فیصلہ صادر کر ہی دیا۔ اور پھر "فوراً" ہی اٹھ کر ٹی وی اور لائٹ سب آف کردیا۔ حریم نے روز کی طرح اپنا سر اشعر کے ہاتھ پر اور پاؤں اس کے اوپر رکھ دیے۔ اشعر حریم کے دائیں جانب لیٹا تھا اور وہ بائیں جانب بیٹھی تھی۔ حریم لیٹتے ہی سونے کی دعا پڑھتے پڑھتے ہی سو گئی تھی۔ ایسی ساری مسنون دعائیں اسے خرد نے یاد کروائی تھیں۔

حریم کے سو جانے کے بعد اشعر بھی فوراً ہی سو گیا تھا۔ اس کی بے خبری اس کی گہری نیند کا پتا دے رہی تھی۔ وہ پچھلی کئی راتوں سے مسلسل جاگ رہی تھی پھر کس وقت اس کی آنکھ لگی اسے پتا نہیں چلا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ نیند سے پوری طرح بیدار ہونے اور آنکھیں کھولنے سے بھی پہلے اسے ایک عجیب مانوس سا احساس ہوا۔

آنکھیں کھول کر اس نے دیکھا تو اسے حریم کے برابر بالکل بے خبر گہری نیند سوئی خرد نظر آئی۔ اس نے بے اختیار اپنے چہرے کو اس سے کچھ دور ہٹایا۔ تب اس کی نظر حریم کے سینے پر رکھے اپنی ہتھیلی اور اس پر رکھے خرد کے ہاتھ پر پڑی۔ اس کے ہاتھ کے اوپر خرد کا ہاتھ اتنی مضبوطی سے رکھا ہوا تھا کہ فوراً" اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نہیں نکال سکا۔ وہ اپنے ہاتھ کے اوپر رکھے اس کے ہاتھ کو بغور دیکھتا رہا۔ گہری نیند سوتے میں کسمسا کر وہ حریم کے اور قریب ہوئی تو اس کا پیر اشعر کے پیر سے ٹکرایا۔ وہ اپنی عادت کے مطابق دائیں پیر بائیں پیر کے اوپر رکھ کر سویا تھا۔ گو ایک پل کو ٹکرانے کے بعد اس کا پیر "فوراً" ہی اس کے پیر سے دور ہو گیا تھا مگر یہ ایک پل اس کے پورے جسم میں ایک عجیب سی سنسنی' ایک ناقابلِ فہم سا احساس دوڑا گیا تھا۔ گہری نیند سوئی یہ لڑکی اتنی سچی اور معصوم ہی لگ رہی تھی کہ وہ حیرت میں گھرا سوچ رہا تھا کہ کیا گناہ گار لوگوں کے چہرے اتنے روشن بھی ہوا کرتے ہیں؟ یک دم ہی اسے یاد آیا کہ اس کے ہاتھ پر رکھے اس ہاتھ نے کئی برس پہلے اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر اس کے ساتھ بدترین خیانت کی تھی۔ اس کی عزت' اس کے وقار کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا ایک جھٹکے سے اس نے کھینچ کر اس کے ہاتھ کے نیچے دبا اپنا ہاتھ وہاں سے اٹھایا' خود کو جس حد تک حریم سے دور کر سکتا تھا کرلیا۔ اسے اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ یا وہ خود مر جائے یا اس عورت کو مار ڈالے' وہ ایک مرتبہ پھر اسی جنون اور وحشت بھری سوچ کا شکار ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی گاڑی کی آواز سنتے ہی گھر کے اندر سے فریدہ دیوانہ وار بھاگتے ہوئے باہر آئی تھیں۔ ان کی حالت انتہائی خراب تھی۔ وہ اسے چومتی اسے والہانہ پیار کرتی بے قراری سے پوچھ رہی تھیں کہ تین دن کہاں تھا' تین دنوں تک لاپتا رہ کر' روپوش رہ کر اس نے ماں کو کتنا پریشان کیا ہے کیسے کیسے وسوسے اور خوف ان کے دل میں اس دوران آتے رہے ہوں گے' وہ سمجھ سکتا تھا لیکن وہ پہلے حریم سے بات کرنا چاہتا تھا۔

"ممی! میں آپ سے ابھی ٹھہر کر بات کرتا ہوں۔" وہ اپنے گرد لپٹے ماں کے ہاتھوں کو آہستگی اور بہت نرمی سے ہٹاتا' اندر آگیا۔

"اشعر! کچھ دیر میرے ساتھ بیٹھ جاؤ بیٹا! اتنی پریشان رہی ہوں تمہارے لیے' کچھ دیر تمہیں جی بھر کر دیکھنا چاہتی ہوں۔ آؤ میرے کمرے میں چلو۔"

اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ بہت محبت سے بولیں۔ اس نے انہیں بغور دیکھا' اپنے آنسو ضبط کرتی' وہ اسے کچھ چھپاتی محسوس ہوئیں۔

"آؤ بیٹا! کچھ دیر سستالو۔ میں تمہارے لیے چائے بنواتی ہوں۔" وہ اسے اس کے کمرے میں جانے سے روکنا

urdunovels.net

جاتی تھیں۔

اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر سے ہٹایا اور آہ بھی خوفزدہ کی طرح اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ کمرہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ لیکن [illegible] موجود نہیں تھی۔ اس نے گھوم کر ہاں کی طرف دیکھا [illegible] کرنے میں آنے سے روکنے پر ناکام ہونے کے بعد [illegible] کے اندر آگئی تھیں۔ بہت نڈھال اور آنسوؤں کو [illegible]

"کیا ہے؟" سوائے سنجیدگی کے دوسرا کوئی تاثر اس کے چہرے پر نہ تھا۔

"بیٹا میں تمہیں کہہ رہی ہوں نا۔ تم کچھ دیر سستا لو۔ دیکھو حالت کیا بنائی ہے تم نے اپنی۔ چلو کچھ کھا پی لو۔ میں نور افراسیاب۔"

"ممی خود کہاں ہے؟" اس کا انداز قطعیت لیے ہوا تھا۔

"میں ہے۔۔۔ خود۔۔۔ تمہارا کچھ دیر آرام کرنا [illegible] کرے۔" وہ اس سے نظریں چرا رہی تھیں۔

"کہاں ہے؟" ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے ان کا رخ اپنی طرف کیا۔ اور ان کی آنکھوں میں تو جواب اسے نظر آیا تھا اسے پورا کا پورا ہلا گیا۔

"وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی اشعر۔" اس سے نظریں چراتے وہ بہت آہستہ سرگوشی نما آواز میں بولیں۔ ان کے شانوں سے اس نے ایک دم اپنے ہاتھ ہٹا لیے۔ دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسائے وہ بے یقینی سے ان سے [illegible]

"وہ زیان سے چلی گئی تھی۔ جب تم فجر کے بعد لوٹے تھے۔ وہ روتی اور چلاتی ہوئی تمہارے پیچھے گئی۔ مگر جب تک زیان تمہیں لے کر [illegible] وہ مجھ سے بچتے بچاتے گھر [illegible] تھی۔ وہ اپنا سارا سامان جلدی جلدی پیک کر رہی تھی۔ وہ گھر سے جاری تھی۔ گھر سے باہر گاڑی میں۔" وہ رکے رکے بول رہی تھیں۔ اس کی سماعتوں سے ٹکراتا شور رہا تھا۔ [illegible] واضح نہیں کر پا رہا تھا۔

اسے دیکھ کر جس ذلت اور بے اعتباری سے ہم دوچار ہوا تھا اسی کی رائی نہیں سما جا رہا تھا۔ کہ [illegible] تو نے کہی۔ تم اور [illegible] میں ڈال دیا۔

اور وہ ان کی بات سنتا ایک ایک [illegible] دیکھے جاتا تھا۔

اپنی بات پوری کر کے انہوں نے آنسوؤں سے بھری نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ پتھر بنے بیٹھا تھا۔

وہ اس سے لپٹ کر زار و قطار روتی رہیں اور وہ بالکل ساکت دونوں ہاتھ لٹکائے [illegible] رہنے کے بعد اس کے لیے جس لمحے [illegible] کرنی وہ ایک دم اس سے الگ ہو گئیں۔

"اشعر!" وہ خوف زدہ اس میں [illegible] دینے لگیں۔ "اشعر تم ٹھیک ہو نا؟ میں [illegible] نہیں آتے ہی یہ بات نہیں بتانا چاہتی تھی۔ [illegible] خود کو سنبھالو۔ [illegible] کے لیے خود کو سنبھالو۔"

اس کی تیکھم نے چیخ کر انہوں نے روتے ہوئے اسے پورے کا پورا جھنجھوڑ ڈالا۔ اس نے ان کے ہاتھ خود سے ہٹا دیے۔

"ممی آپ یہاں سے جائیں۔" اس کی آواز اس کی آواز نہ تھی۔ اس کا لہجہ اس کا لہجہ نہ تھا۔ بے [illegible] تھی انداز میں اس نے ان کی سمت دیکھے بغیر یہ بات کی تھی۔

"میں نہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ تم ریلیکس جاؤ۔ میں [illegible] پاس۔"

"ممی آپ یہاں سے جائیں۔" وہ زندگی میں پہلی بار ماں پر چلایا تھا۔ اس [illegible] رہا تھا کہ اگر وہ یہاں سے نہ گئیں تو وہ خود یہاں سے کہیں چلا جائے گا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی اس طرح کمرے سے [illegible] طرف بڑھیں ان کے باہر نکلتے ہی اس نے کمرے [illegible] لگا لیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کیوں تیا مرا ہجرت ایلا ظرف بن کر لوٹنے تے [illegible] کیسی رہی؟"

آئینے میں نظر آتا اس کا [illegible] پرور طنزیہ انداز میں ہنسا۔

"بچو بچو' بے چارہ اشعر حسین۔ اس کی [illegible] اسے دھوکے میں رکھ کر چلی گئی ہے۔ وہ اشعر کے [illegible] ہاں خبر لگتی ہے ہاں 'شادی شدہ عورت' [illegible] کے ساتھ [illegible] وہ اسی قسطوں میں ہار رہی تھی۔ ان قسطوں میں اس کے اپنے عکس کے ساتھ اب آہستہ آہستہ دوسرے بہت سارے لوگ بھی شامل ہونے

سے' زندگی سے' لوگوں سے' رشتوں سے بے نیاز ہو رہا تھا۔ کوئی شخص رہا کرتا ہے۔ اسے زندگی سے' [illegible] ہر ایک چیز سے نفرت تھی' [illegible] دنیا سے بھاگنے اس کا اور اپنا بھرم قائم رکھنے کو' [illegible] عزت بڑا [illegible] کو اس کی ماں نے بڑے اچھے [illegible] مضبوط جھوٹ بولے تھے۔ ایسے مضبوط اور [illegible] جھوٹ جن کے ہوتے [illegible] کوئی کمی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی ہو [illegible] کے [illegible] کچھ [illegible] کے [illegible] سب روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی تھی۔ ایک روز [illegible] کی سی بات' ہر گھر میں ہونے والی روایتی میاں بیوی کی باہمی [illegible]

وہ اپنی ذات کا اعتماد' یقین' فخر' غرور' سب کچھ [illegible] دنیا میں اکیلا آیا تھا۔ اپنی نظروں میں گر جانے کے بعد [illegible] اسے دنیا سے بھی کسی فرد کی نظروں میں اپنی عزت قائم رہنے یا نہ رہنے سے کوئی مطلب' کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اس کے لیے اب [illegible] ہر احساس بے معنی تھا۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی [illegible] نہیں رہتا تھا۔ وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی زندہ نہیں تھا۔

غرور احسان۔ اس بے رحم لڑکی کو اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ ہاں فقط اتنی دعا ضرور کی تھی کہ وہ زندگی میں کبھی اس کے سامنے نہ آئے۔ غرور احسان کا اس نے [illegible] تماشا تو اس کے اپنے حق میں بہت بہتر تھا۔ کہ اگر وہ [illegible] اس کے سامنے آتی تو اس کے ہاتھوں اس کا وہ حشر ہوتا کہ [illegible] اسے رہتی دنیا تک [illegible] کے لیے عبرت کا نشان بنا دیتے۔ مگر [illegible] نے اسے بہت طاقت بخشی تھی۔ اور [illegible] بہت دور تک تھی۔ اگر چاہتا تو چاہے وہ پاتال ہی میں کیوں نہ چھپی ہوتی' وہ اسے زمین کی تہہ سے' دنیا کے کسی بھی گوشے سے [illegible] کے سامنے لے آتا۔ اس کی زندگی اس کی موجودگی [illegible] عبرت کی مثال بنا دیتا۔ مگر ایسا کچھ اس نے کیا نہیں تھا۔ انتقام لینے کے لیے نشانِ عبرت بنانے کے لیے بھی اس چہرے کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ غرور احسان کا [illegible] بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔

○ ○ ○

رات جن دنوں کو اس نے پیچھے خود پر گزرتے محسوس کیا تھا اس کے بعد لگا تھا اب وہ کبھی ان سب [illegible] آہستہ آہستہ پوری دنیا' پوری کائنات ان [illegible] پوری تھی۔ اس نے [illegible] ان افراد کو پوری [illegible] اس کے سر میں شدید [illegible] کے [illegible] اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا [illegible] تھا۔ [illegible] کے [illegible] کی کاٹ اس کے [illegible] کے [illegible] اب اسی [illegible] وہ بے بسی سے [illegible] ہتا [illegible] کے آگے [illegible] دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے [illegible] آ رہا تھا جا رہا تھا۔

○ ○ ○

[illegible] ہسپتال میں رہا تھا اور ان پندرہ دنوں [illegible] کے دوران کوئی فرد اس کے قریب نہیں تھا۔ [illegible] کے [illegible] کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ وہ [illegible] پاگل ہو چکا ہے۔ ہسپتال کے ان پندرہ دنوں میں وہ [illegible] کسی مریض کی مانند ساکت اور خاموش رہا تھا۔ [illegible] اس سے پوچھتیں' اسے بولنے پر [illegible] کرتیں' وہ [illegible] کا [illegible] نہار اکھ' نہار اکرب سب کچھ ان کے اپنی ماں [illegible] اور [illegible] کا [illegible] دے۔ وہ روتے ہوئے [illegible] ہوں کر' رو کر باہر نکل دے۔ وہ روتے ہوئے [illegible] ہی کی وقت تک کرتیں اور ان کی ہر بات کے [illegible] میں اس کی ایک چپ ہوتی۔ وہ ہسپتال میں پہلی بار [illegible] تھی تو تب اس کی چپ 'زندگی سے [illegible] اور نفرت سے عاقب ہو گئی تھی اس کی ماں نے [illegible] کے سامنے روتے ہوئے [illegible]

"اشعر! خود کو سنبھالو۔ کیا اس بدکردار' بے [illegible] لڑکی کے [illegible] کی سزا تم خود کو دو گے؟ وہ بے غیرت [illegible]

"ممی! [illegible] بند کر دیں۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" اس [illegible] نفرت' دو ٹوک لہجے میں یہ تنبیہہ واضح طور پر موجود تھی کہ وہ [illegible] کر دنیا کے کسی بھی فرد سے چاہے وہ اس [illegible] کیوں نہ ہو' ملنا نہیں چاہتا۔

[illegible] ہسپتال [illegible] کر جب وہ اپنے گھر واپس آیا [illegible] وہ ایک بالکل بدلا ہوا انسان تھا۔ گوشت پوست سے [illegible] ایک زندہ انسان ہو سوچتا [illegible] اب کچھ بھی [illegible] کرتا۔ وہ اپنی محسوس کرنے کی تمام [illegible] کو اکر زندگی میں واپس آیا تھا۔ وہ فقط [illegible] تھا [illegible] کی اس دنیا میں لوٹ آیا تھا جس سے اسے شدید [illegible] تھی۔ وہ اس دنیا میں اب رہتا یوں تھا جیسے دنیا

باتوں کو بھلا کر مسکرا نہیں سکے گا۔ شاید حریم بھی اسے خوشی نہیں دے سکے گی اور محض چند ہی گھنٹوں بعد اس نئی صبح میں دن کی روشنی میں وہ اپنی بیٹی کے ساتھ مسکرا رہا تھا، باتیں کر رہا تھا۔ اس کی معصوم سی باتوں پر دل کھول کر ہنس رہا تھا، خوش ہو رہا تھا۔

اس کی بیٹی جیسے اس پر ایک جادوئی اثر رکھتی تھی۔ جب کبھی وہ اپنی زندگی کو برباد دیکھنے لگتا، اسے یقین ہونے لگتا کہ اب وہ مر رہا ہے، وہ اسی وقت اس کے پاس آکر اس کے دل کو خوشگوار انداز میں دھڑکنے پر آمادہ کر دیتی۔

جب تک وہ جاگی نہیں تھی، وہ بے زاری سے بغیر ناشتہ کیے اپنے کمرے میں بیٹھا رہا اور اس کے جاگتے ہی جیسے اس کی مردہ زندگی بھی جاگ گئی۔ وہ طویل نیند لے کر خوب دیر سے اٹھی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے ان باپ بیٹی نے ساتھ مل کر ناشتہ کیا تھا اور پھر وہ اس کے پیچھے لگ گئی تھی، وہ اسے اس کا رات کا وعدہ یاد دلا رہی تھی۔

وہ حریم کو ساتھ لے کر ان کے اپارٹمنٹ سے قریب ہی ایک بڑی سی نرسری میں لے آیا۔ کچھ خالی گملوں کے علاوہ وہ مختلف پھولوں اور پودوں سے سجے گملے بھی خریدنے لگا۔ حریم کو صرف پھولوں اور پھلوں والے پودوں میں دلچسپی تھی۔ حریم نرسری آکر وہاں مختلف پودے اور گملے خریدے جاتے دیکھ کر بہت زیادہ خوش تھی۔ بیٹی کا یہ شوق اس کے علم میں اب آیا تھا اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس کا یہ شوق، یہ دلچسپی اسے پہلے کیوں نہیں پتا تھی۔ اگر پتا ہوتی تو اس کے لیے بجائے اپنے اس اپارٹمنٹ کو وہ ڈھیر سارے ان ڈور اور آؤٹ ڈور پلانٹس سے سجا ڈالتا۔ اس کے اپنے گھر کا گارڈن کس قدر وسیع و عریض تھا، وہاں خود اس کے اپنے ہاتھوں کے لگے کتنے سارے پھلوں کے درخت تھے۔ اس کا دل چاہا وہ حریم کو وہاں لے جائے اور اس سے کہے، اسے جو بھی پلانٹس لگانے ہیں، فروٹس لگانے ہیں، سب یہاں لگا لے۔ اگر گارڈننگ میں حریم کے اس شوق کی اسے پہلے خبر ہوتی تو بجائے کمرشل ایریا کے کوئی اپارٹمنٹ لینے کے وہ کرائے کا کوئی مکان تلاش کرتا، ایسا مکان جس میں بہت بڑا صحن بھی ہوتا۔ فی الوقت تو حریم کا پھلوں کا شوق وہ گملے میں لگے لیموں کے پودے ہی سے پورا کر سکتا تھا۔ باقی اس نے سارے مختلف پھولوں والے گملے لے لیے۔ وہ اتنے ڈھیر سارے گملے لے چکے تھے کہ پہلے چکر میں وہ لفٹ میں حریم کے ساتھ آدھے گملے رکھ کر لایا تھا اور باقی کے حریم کو

اپارٹمنٹ چھوڑ دینے کے بعد اگلے دو چکروں میں یہ۔ جتنی دیر اس نے تمام گملے بالکونی میں ترتیب سے رکھے، حریم اتنی دیر وہیں اپنے قریب کرسی ڈال کر اس کا ہاتھ بٹھاتے رہے۔ ان کی بالکونی کافی کشادہ اور بہت بڑی تھی مگر ان ڈھیر سارے گملوں نے اس پوری خالی جگہ کو بھر دیا تھا۔

جب گملے ترتیب سے لگانے کا کام ختم ہوا، تب اس نے حریم کو اپنے پاس بٹھا لیا، وہ اس کے ہاتھ سے پنجوں کو لگوا رہا تھا، اس کے ہاتھ سے بیج ڈلوا رہا تھا۔ جس پودے میں پانی ڈالتا، اس میں پانی بھی اس کے ہاتھ سے ڈلوا رہا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے ایک پھول کا بیج ڈلوانے لگا تو وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر قدرے خفگی سے بولی۔

"پاپا! حریم سیڈ خود ڈالے گی۔ حریم کو سیڈ ڈالنا آتا ہے۔"

وہ حیرت سے آنکھیں وا کیے بیٹی کا باغبانی کا شوق دیکھ رہا تھا۔

اس کے لگائے ایک پودے کو اس کے ساتھ بیٹھی حریم پلاسٹک کے چھوٹے شاور سے پانی دے رہی تھی اور اس کی چشم تصور اسے اٹھارہ انیس برس بعد کا ایک خوش گوار منظر دکھا رہی تھی۔ اس کے گھر کا وسیع و عریض گارڈن تھا، اس کے سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید ہو چکے تھے، اس کی آنکھوں، ماتھے اور ہونٹوں کے گرد کئی گہری لکیروں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ وہاں کسی کیاری میں ایک پودا لگا رہا تھا اور اس کے قد کے برابر آتی اس کی بہت حسین نوجوان بیٹی اس کے ساتھ کھڑی تھی جیسے آج وہ اسے بتا رہا تھا کہ گرج ایسے نہیں، ایسے بڑھتے ہیں اور پودوں کو پانی ایسے نہیں، ایسے دیتے ہیں۔ ایسے ہی وہ ہنستے ہوئے شوخ لہجے میں اسے بتا رہی تھی۔

"پاپا! آپ واقعی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ یہ پودا یہاں نہیں، ادھر والی کیاری میں لگانا چاہیے تھا۔ وہاں دھوپ زیادہ آتی ہے۔ لگتا ہے پاپا! آپ بڑھاپے میں گارڈننگ بھولتے جا رہے ہیں۔" وہ خود کو بوڑھا کہے جانے پر جیسے مصنوعی خفگی سے کھسیا رہا تھا، وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ اس نے بے اختیار اللہ سے دعا کی کہ وہ اسے یہ منظر دیکھنا نصیب کرے۔ وہ اپنی بیمار بیٹی کو بھی عمر، صحت اور خوشیاں پاتا اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ اس نے محبت بھری نظروں سے حریم کو دیکھا۔ اس نے صرف زمین ہی جا بجا مٹی کا ڈھیر نہیں بکھیرا تھا، ساتھ اپنے چہرے، ہاتھ پاؤں

بھی خوب مٹی لگائی تھی۔ اس کے گالوں، ناک پر بھی مٹی لگی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ بھی بری طرح مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے اور کپڑوں کا تو خوب ہی شاندار حال کیا تھا اس نے۔ وہ کھڑا دیکھ کر مسکراتا رہا۔

ڈھیر سارے گملوں کے ساتھ، پودوں کے ساتھ سجی سنوری وہ کروہ دونوں اندر آئے تھے۔ وہ اسے گود میں لیے اندر آیا تو ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑی خرد، حریم کو دیکھ کر ہنس پڑی۔ اس کے سامنے ٹیبل پر ایک باؤل رکھا ہوا تھا اور اس میں پتا نہیں کیا مکس کر رہی تھی۔

"یہ آپ کیا حلیہ بنا کر آئی ہیں؟" جو کام وہ کر رہی تھی، اسے ویسا ہی چھوڑ کر اس نے آگے بڑھ کر حریم کو اس کی گود سے لیا۔

"ماما! حریم نے سیڈ ڈالے ہیں۔"

"وہ تو مجھے نظر آ رہا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"پاپا! پلانٹ کب نکلے گا؟" گویا کوئی چاند تھا، ادھر بیج بوئے جائیں گے، ادھر پودا نکل آئے گا۔

"تھوڑے دن لگیں گے پرنسس!"

"باقی باتیں بعد میں، اب پہلے چل کر نہا لو۔ میں ڈوتس کی تیاری ہوں، ان کی ڈیکوریشن کرنی ہے۔" حریم سے باتیں کرتی خرد اسے وہاں سے لے گئی۔ اپنی ٹی شرٹ، جینز اور ہاتھوں پر اوپر تک جا بجا گیلی مٹی کے نشان اور داغ دھبے دیکھ کر مسکراتا وہ بھی دوبارہ نہانے اور لباس تبدیل کرنے اپنے کمرے میں آ گیا۔

حریم کو نہلا دھلا کر لباس تبدیل کروانے کے بعد وہ اسے لیونگ روم میں لے آئی کہ اشعر بھی وہیں صوفے پر بیٹھا سنڈے کے اخبار کا کوئی پزل حل کر رہا تھا۔ حریم کو آتا دیکھ کر اس نے اخبار فوراً صوفے پر رکھ دیا۔ حریم بھاگتی ہوئی اس کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گئی۔ وہ مسکراتا ہوا اس سے کوئی بات کرنے لگا تھا۔ وہ کچن میں آ گئی۔ اشعر اور حریم کی باتوں اور قہقہوں کی آوازیں اسے کچن میں سنائی دے رہی تھیں۔

حریم نے کل اس سے ڈوتس کی فرمائش کی تھی۔ حریم کو ڈوتس کھانے سے زیادہ ان کی سجاوٹ کرنے میں مزا آتا تھا۔ وہ جب بھی ڈوتس بناتی، ٹوتھ پک کو تیار کر لینے کے بعد ان کے اوپر سجانے کا سارا سامان لے کر حریم کو اپنے ساتھ کھڑا کر لیا کرتی۔ کھانے کی مختلف کلر فل اشیاء کے ذریعے ڈوتس کی سجاوٹ کا یہ کام حریم کے لیے بے حد ایجوائے

اور انجوائے منٹ والا کام ہوا کرتا تھا۔ ڈوتس کی تیاری کا مرحلہ آیا تو اس نے میز پر لا کر سارے فرائی اور بیک ہوئے ڈوتس رکھے، آئسنگ شوگر، چاکلیٹ سیرپ، اسٹرابیری سیرپ، پیل جیم، اسٹرابیری جیم، شہد، paste almond، چھوٹے چھوٹے مارشمیلوز، چاکلیٹ کے ٹکڑے، چاکلیٹ کے کلر فل بینز (beans) اور ڈوتس کی سجاوٹ کا دیگر سامان لا کر میز پر رکھا پھر حریم کو بلانے یونٹ روم میں گئی تو وہاں آئی تو پتا چلا، اسکول، اسکول کھیلا جا رہا ہے۔ اس کا دوپٹہ اوڑھے حریم ٹیچرز والی آئننگ پہنے، پیلے رنگ کے مارکر سے کچھ لکھ رہی تھی۔ اور سامنے کرسی پر اشعر اس کا اسٹوڈنٹ بن کر بیٹھا تھا۔ حریم کی پلاسٹک کی دونوں کرسیاں بھی اشعر نے وہیں، عالیا، اس کی فرمائش کے تحت لا کر اپنی کرسی کے برابر رکھی تھیں۔ اور ان دونوں پلاسٹک کی کرسیوں پر اس نے اپنی ڈولز کو بٹھا رکھا تھا۔ وہ یونہی اپنی گڑیاؤں کو اپنی اسٹوڈنٹس بنا کر کلاس روم سجایا کرتی تھی شروع میں۔

"الف سے انار، ب سے؟"

"ٹیچر! میں بتاؤں؟" اشعر نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہاتھ اٹھایا۔ حریم نے کسی ٹیچر ہی کے انداز میں "یس" کہا۔

"ب سے بلی۔" حریم نے خفگی سے اپنے نالائق شاگرد کو گھورا۔ چونکہ اس کی بک میں 'ب' سے بلی ہی لکھا ہوا تھا۔ وہ اب اپنے نالائق شاگرد کو شاید کوئی ڈانٹ پلانے والی تھی جب وہ مسکراتی ہوئی ان دونوں کے پاس چلی آئی۔

"چلیے ٹیچر صاحبہ! آپ کے رپورٹ ڈوتس تیار ہو گئے ہیں۔ اب انہیں اچھا سا ڈیکوریٹ کر دیجیے۔" اس نے خوشی سے سرہلایا۔

"چلیں پاپا! ڈوتس ڈیکوریٹ کریں گے۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر اشعر کو اٹھایا جو فوراً ہی کھڑا ہو گیا تھا اور اسے بھی گود میں اٹھا لیا تھا۔ وہ تینوں آگے پیچھے چلتے ڈائننگ ٹیبل تک آ گئے۔

حریم کو اشعر نے کرسی پر بٹھایا تھا۔ اس کے برابر میں وہ خود بیٹھ گیا۔ وہاں ڈوتس اور ان کی سجاوٹ کا سارا سامان دیکھ کر وہ سمجھ چکا تھا کہ حریم کو کیا کرنا ہے۔ مسکراتے ہوئے اس سے بولا۔

"پرنسس! بتائیے کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کس کے ڈوتس زیادہ اچھے ڈیکوریٹ ہوتے ہیں گے۔ میں اور حریم ایک

ٹیم میں اور ماما دوسری ٹیم میں اور جج بنے گی زینت۔" حریم نے تالی بجا کر خوشی کا اظہار کرتے فوراً" حامی بھری۔

"ہاں پاپا! بہت مزا آئے گا۔"

وہ ان دونوں کی بحث سے لطف اندوز ہوتی خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی۔

"پاپا! ماما کی ڈیکوریشن اچھی ہے۔" اس کے تیار کر کے رکھے ڈونٹس کو بغور دیکھتے حریم کو احساس ہوا کہ ماما ڈونٹس کو پاپا سے زیادہ اچھا سجا رہی ہیں۔ اس نے پاکستانی سیاستدانوں کو مات کرتے یک دم ہی اپنی پارٹی اور اپنی وفاداری تبدیل کر لی۔ "حریم! ماما کی ٹیم میں ہے۔"

اشعر نے اس کی توتا چشمی اور بے وفائی پر اسے مصنوعی خفگی سے گھورا جبکہ وہ بیٹی کی چالاکی پر بے ساختہ مسکرا اٹھی۔

"آجائیے زینت صاحبہ! جج کے فرائض سرانجام دینے۔ ذرا دیکھ کر بتایئے کس نے ڈونٹس زیادہ اچھے ڈیکوریٹ کیے ہیں۔" اشعر نے کچن میں کام کرتی زینت کو یہیں کھڑے کھڑے زور سے آواز دی۔ زینت ایپرن سے گیلے ہاتھوں کو خشک کرتی ڈائننگ روم میں آگئی۔

وہ خرد اور اشعر کے ہنسی ضبط کرتے چہروں کو دیکھ کر اس کھیل کا سارا پس منظر سمجھ چکی تھی تب ہی فوراً" ہاتھوں سے حریم کے ڈونٹس والی ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔

"حریم جیت گئی۔ حریم جیت گئی۔" زور زور سے تالیاں پیٹ کر حریم نے بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا۔

اشعر چھٹی کے اس پورے دن گھر پر رہا تھا۔ اس کی کاروباری اور سوشل مصروفیات کس طرح کی ہوتی تھیں وہ جانتی تھی۔ شاید ان دنوں اس نے اپنی تمام مصروفیات ترک کر رکھی تھیں۔

شام میں وہ حریم کو قریبی پارک لے گیا تھا۔ حریم وہاں سے واپس آئی تو اشعر کی گود میں چڑھی لدی پھندی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں خوب بڑے سائز کے دو غبارے تھے، غباروں کا باقی ڈھیر اشعر کے ہاتھوں میں تھا۔ کئی رنگوں اور کئی طرح کے لگتا تھا گویا کسی غبارے والے کے پاس موجود سارے کے سارے غبارے ہی وہ دونوں خرید کر لے آئے ہوں۔ ساتھ ہی اشعر کے ہاتھوں میں کھانے پینے کی کئی طرح کی اشیاء سے بھرے شاپرز بھی تھے۔ اتنی تفریح اور بھرپور شاپنگ کر کے آئی تھی پھر بھی حریم کا منہ پھولا ہوا تھا۔

"یہ گھر آتے ہی منہ کس خوشی میں پھلایا ہے پرنسس آپ نے؟" اشعر نے تعجب سے اس کے پھولے منہ کو دیکھا۔ باپ کی بات نظر انداز کر کے اس نے اپنی بانہیں اس کی طرف پھیلا دیں۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لیا تو اس کی گود میں آتے ہی وہ منہ پھلا کر روٹھے لہجے میں بولی۔

"پاپا نے حریم کو سی سا پر نہیں بٹھایا۔" اشعر اسے گھورتا جھٹ اس کے قریب آیا۔

"پرنسس! تم تو بڑی چیز ہو۔ پارک میں کیا کہا تھا اگر سارے بیلونز اور اپنی پسند کی کھانے کی ساری چیزیں ملیں گی تو دوستی ہو جائے گی۔"

اشعر نے اسے جھولوں پر زیادہ دیر بیٹھنے سے روکا ہوگا اور اس چیز سے وہ خفا تھی۔

"اب ماما، پاپا اور حریم بیلونز سے کھیلیں گے۔ پارک میں یہی پرامس ہوا تھا نا؟" اشعر نے کہا جواباً" اس نے پھولے منہ ہی سے اثبات میں سر ہلایا۔ کھیل میں لگ کر حریم کا آف موڈ خود بخود ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔

رات کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا، زینت ان لوگوں سے کھانے کا آکر پوچھ چکی تھی۔ حریم کھیل ختم کرنے کے لیے ابھی آمادہ نہیں تھی۔ حالانکہ اب وہ تھکنے لگی تھی۔

"تب ہی اچانک اشعر کا موبائل بجنے لگا اشعر نے اسکرین دیکھ کر فوراً" ہی کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم ممی!" اس نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔ اس کا لہجہ بھرپور محبت کی واضح عکاسی کر رہا تھا۔ وہ ایک دم ہی صوفے پر سے اٹھی اور غبارے کے پیچھے جاتی حریم کو گود میں اٹھا کر لیونگ روم سے باہر نکل آئی۔ حریم کے احتجاج کی پروا کیے بغیر جتنی دیر میں اشعر کو اس کے سلام کا دوسری جانب سے جواب موصول ہوا ہوگا اتنی دیر میں وہ وہاں سے باہر آگئی تھی۔ باہر آجانے کے بعد اسے اشعر کی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں ممی! آپ کیسی....." وہ حریم کو لے کر اپنے اور حریم کے مشترکہ کمرے میں آگئی تھی۔

اشعر نے خرد کو باہر جاتے تعجب سے دیکھا۔ اس کے کال ریسیو کرتے ہی وہ جس طرح ایک دم سے اٹھ کر حریم کو وہاں سے لے گئی تھی وہ بہت عجیب سا انداز تھا۔ ماں سے ایک اتنی بڑی بات اب تک چھپائے رکھنے پر وہ ان سے بہت شرمندہ تھا۔ جب وہ سب کچھ جان جائیں گی تب

urdunovels.net

...وقتی بڑی اور اہم بات سے بے خبر رکھے جانے پر یقیناً اس سے ناراض ہوں گی۔ مگر وہ ان سے معافی مانگ کر، اپنے ایسا کرنے کی وجہ سے آگاہ کر کے انہیں منا لے گا۔ انہیں دکھ، پریشانی اور ٹینشن دینے سے بدرجہا بہتر تھا کہ وہ ان کی تھوڑی سی ناراضی سہہ لے۔ حالانکہ دل ماں کے لیے شدید دکھ میں مبتلا ہوا تھا۔ اس کی ماں جو اسے دوسری شادی کے لیے آمادہ کرتے اکثر بڑی حسرت سے کہا کرتی ہیں کہ "کیا ان ہی تقدیر میں پوتے پوتی کی خوشی دیکھنا نہیں لکھا" جانتی ہی نہیں کہ ان کی ایک پوتی ہے۔ ان کی وہ پوتی جسے ان کی بہو نے پچھلے چار سالوں سے ان سے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس کے دل اور دماغ میں اس وقت کون سی سوچیں، کون سے خیال آ رہے تھے۔ ان سب کو نظر انداز کر کے وہ بظاہر معمول ہی کے انداز میں ہنستا مسکراتا ماں سے باتیں کرتا رہا۔

"تم نے بات کرنا ہو تو بہتر ہے یا تو تمہارے موبائل پر کال کرے یا آفس میں کہ میرا بہت مصروف بیٹا میری موجودگی میں گھر رات گئے واپس آتا تھا تو آج کل تو میرا خیال ہے ساری رات ہی آفس میں گزار دی جاتی ہوگی۔ آج سنڈے ہے پھر بھی مجھے یقین ہے کہ کام کے معاملے میں میرا جنونی بیٹا اس وقت بھی آفس ہی میں پایا جاتا ہوگا۔" وہ ہنس کر بولیں اور وہ بھی جواباً ہنس پڑا۔

"اتنا کام کرنے والا بھی نہیں ہوں۔ فی الحال تو ایک بہت اچھی سی جگہ پر چھٹی کے اس دن کو انجوائے کر رہا ہوں۔ آپ ہیں نہیں تو بندہ گھر پر کس کے لیے رکے۔"

"بہت خوش لگ رہے ہو؟" وہ ماں تھیں اور اتنی دور بیٹھے صرف اس کے لہجے سے اس کی خوشی کو پہچان گئی تھیں۔ وہ انہیں بتانا چاہتا تھا کہ زندگی کے اور خوشیوں کے جو رنگ ان دنوں وہ دیکھ رہا ہے۔ وہ اس نے آج تک کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ زندگی میں بعض بظاہر اتنی چھوٹی چھوٹی بچگانہ سی باتیں بھی کسی کو اس قدر خوشی دے سکتی ہیں۔ وہ انہیں بتانا چاہتا تھا کہ آج اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ گارڈننگ کی ہے، پارک میں جھولے جھولے ہیں، اور غبارے سے کھیلا ہے۔ وہ یہ سن کر حیران ہوتیں یا ہنستیں۔ وہ ان کا اتنا سوبر، اتنا میچور بیٹا ایسی کوئی بات کہتا تو پتا نہیں ان کا پہلا ردِ عمل کیا ہوتا۔

☆ ☆ ☆

وہ اور رضا زیدی ساتھ لنچ کر رہے تھے۔ کام کو جنون کی طرح سر پر سوار رکھنے اس اچھے سے ریسٹورنٹ میں اچھا لنچ انجوائے کرتے بھی رضا زیدی کے سر پر بزنس ہی سوار تھا۔ وہ لندن کی ایک کمپنی کے ساتھ ہونے والی ان کی ڈیل اور اس ڈیل کے فائنل ہونے کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتے ان کے ایک competitor ہی کا ذکر چھیڑے کرنے میں مصروف تھا۔ روزانہ آفس سب سے پہلے وہاں سے سب سے آخر میں اٹھنا اور اتوار کا دن بھی اکثر و بیشتر آفس ہی میں گزارنا اس کا معمول تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کافی کے سپ لیتے رضا زیدی نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ بھی اشعر ہی کی طرح چین اسموکر تھا۔

"تو تھینکس زیدی!" نفی میں سر ہلاتے اس نے سگریٹ لینے سے انکار کیا۔

"تم سگریٹ کے لیے منع کر رہے ہو؟ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی سانس لینے سے انکار کر دے۔" رضا ہنستے ہوئے بولا۔

"سب خیریت تو ہے نا میرے بھائی؟" اس نے پیکٹ سے اپنے لیے ایک سگریٹ نکالی۔

"I'm trying to guit" سگریٹ منہ میں دباتا رضا زیدی بہت زور سے کھانسا۔

"trying to guit" یقین نہ کرنے اور مذاق اڑانے والے انداز میں اس نے اشعر کے الفاظ دہرائے۔

"خیر تو ہے نا اشعر حسین صاحب! مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔"

"یہ میرے لیے آسان نہیں ہے مگر اس عادت کو چھوڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس کی سنجیدگی کے جواب میں رضا زیدی کی معنی خیز مسکراہٹ اور زبردستی کی کھانسی تھی جو رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"ایک بندہ اپنی کوئی بری عادت چھوڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اس کی حوصلہ افزائی ہی کر دو۔"

"کون سی عادت؟" وہ معنی خیزی سے پھر کھانسا۔

"اسموکنگ کرنا بری عادت ہے۔ گندی بات ہے، اس اچھے نیک اور فرماں بردار بچے کو یہ بات کس ہستی نے سمجھائی ہے؟" رضا کے مذاق اڑاتے انداز کے جواب میں وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسی وقت اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ سارہ کا نام دیکھ کر وہ کال ریسیو کرنا نہیں چاہتا تھا مگر...

urdunovels.net

...کیوں کرلی۔"

"ہاں سارہ! کیسی ہو؟"

"اپنی خوش قسمتی پہ ناز کر رہی ہوں۔ جناب اشعر حسین نے میری کال ریسیو کرلی۔ مجھے اتنی عزت بخش دی۔" "وہ جواباً" کھلکھلائی۔ وہ جواب میں بالکل خاموش رہا۔

"سوری، تم شاید مائنڈ کر گئے۔" اس کی خاموشی کو غلط معنی دے کر وہ فوراً سنجیدہ ہو گئی۔

"تم بزی تو نہیں تھے؟ میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" سامنے بیٹھے رضا کی معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کہے، وہاں میں بزی بھی ہوں اور ڈسٹرب بھی بہت ہو رہا ہوں۔

سارہ اپنے مختلف فیشن ایونٹس کی اسپانسرشپ کے لیے دو تین بار اس کے آفس آ چکی تھی اور رضا اس سے مل چکا تھا۔ رضا ہی کیا کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی سمجھ جاتا کہ وہ اسے کس طرح دیکھتی، کس طرح ملتی اور کس طرح بات کرتی ہے۔ وہ آنکھوں میں محبت، عقیدت اور خود سپردگی سموئے، اپنا پورا وجود اس پر وان کرنے کو تیار، اپنی پوری حیات اس پر نچھاور کرنے کو بے قرار ایک لڑکی اپنی زندگی کے قیمتی ماہ و سال اس کے پیچھے برباد کر رہی ہے۔ سارہ کے لیے یہ تمام افسوس، ہمدردی سب اپنی جگہ مگر وہ اس کے ایسے ہر انداز اور ہر بات سے بے نیاز ہوتا تھا۔ چڑتا تھا تب ہی تو اس سے کتراتا تھا۔

"بزی تو ہوں۔ خیر تم کہو کیسے فون کیا؟" وہ قدرے بے مروتی سے بولا۔

"میں نے تم سے اس روز ذکر کیا تھا ناں اپنے فیشن شو کا۔ 2007ء کے لیے میرا برائیڈل کلیکشن۔ سٹرڈے کو فیشن شو ہے اور اس میں تمہیں بھی آنا ہے۔ نو ایکسکیوز، نو بہانہ ایک انٹرنیشنل میڈیا کمپنی شو کو اسپانسر کر رہی ہے اور انہوں نے ڈیزائنر کے طور پر مجھے سلیکٹ کیا ہے۔ Solo presentation میرے کام کی۔ بہت بڑا ایونٹ ہے میرے لیے۔ صرف پاکستان سے ہی نہیں بلکہ انڈیا، لندن اور پیرس سے بھی کئی سلیبریٹیز اور فیشن اور ٹیکسٹائل انڈسٹری سے وابستہ لوگ آ رہے ہیں۔ تم آؤ گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"سوری سارہ! سٹرڈے کو تو میں یہاں ہوں گا ہی نہیں۔ فرائی ڈے کو سنگاپور جا رہا ہوں کچھ آفیشل کام ہیں۔ وہاں سے جلدی سے جلدی بھی آیا تو اگلے منگلے تک میری واپسی ہوگی۔ اپنی ویز انوائیٹ کرنے کا بہت شکریہ اور میں ہوں یا نہیں میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہارا فیشن شو ان شاء اللہ بہت کامیاب رہے گا۔ اچھا خیر ہے پھر اللہ حافظ۔"

"سارہ اجمل؟" رضا کے معنی خیزی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے بے زاری سے سر اقرار میں ہلا دیا۔

"اچھا تو آپ سنگاپور جا رہے ہیں اور وہ بھی کافی سارے دنوں کے لیے؟" رضا نے اسے اس کے جھوٹ پر جیسے ملامت کی۔

"اتنی خوب صورت لڑکی سے جھوٹ بولتے اسے تمہارا انداز کرتے تمہارا دل نہیں دکھتا؟ سچ کہتا ہوں تم جیسا بدذوق میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" رضا کی باتوں کو نظر انداز کر کے اس نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا۔

"ایسی حسین کوئی لڑکی مجھے آدھی رات کو نیند سے اٹھا کر بھی کسی جگہ بلائے گی تو میں سر کے بل چل کر جاؤں گا۔"

"یونہی تو نہیں عطیہ بھابھی تم سے مشکوک رہتیں۔ آفس دیر تک رکو تو فون کر کے مجھ سے تصدیق ضرور کرتی ہیں کہ ان کے شوہر صاحب آفس ہی میں ہیں یا آفس کا نام لے کر تمہیں اور پہنچے ہوئے ہیں۔" ویٹر کو فارغ کرتے اس نے رضا پر جوابی چوٹ کی۔

"وہ دونوں ساتھ چلتے ریسٹورنٹ کے دروازے سے باہر نکلنے لگے تھے جب رضا کو پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ وہ رضا کے دوست تھے۔ رضا کو دیکھ کر جوشی سے اپنے دوستوں کی طرف بڑھا جبکہ وہ اسے اس کے دوستوں کے ساتھ مصروف چھوڑ کر باہر اپنی گاڑی کے پاس آ گیا۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول ہی رہا تھا جب ایک بار پھر اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ "اتنی جلدی دوبارہ کال؟ ابھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ قبل لنچ کے لیے اٹھنے سے پہلے تو اس کی گھر پر خرداد حریم سے بات ہو چکی تھی۔ بے صبر اہٹ میں اس نے فوراً" کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے آنے والی آواز حریم کی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی اس کی جان میں جان آئی۔

"پاپا۔"

"ہاں پاپا کی جان! پاپا کی پرنسس کیسی ہے؟" کچھ روٹھے روٹھے سے لہجے میں کہے گئے اس کے "پاپا" کے جواب میں وہ دلار بھرے لہجے میں بولا۔

"پاپا! حریم کو Zoo جانا ہے۔ lion دیکھنا ہے۔ ماما نہیں لے جارہیں۔" اس کا انداز شکایتی اور لہجہ سے بھرپور خفگی کا اظہار کرتا ہوا تھا۔

"اس بات پر موڈ آف ہے ہماری پرنسس کا؟ ہم خود لے کر جائیں گے اپنے بیٹے کو Zoo۔ بس تم تیار رہنا۔" اس کے حساب سے اس نے "فورا" کہے گئے اس وعدے پر اسے خوش ہوجانا چاہیے تھا مگر وہ خوش ہوئے بغیر اسی خفا اور ضدی انداز میں بولی۔

"شام میں نہیں۔ حریم کو Zoo ابھی جانا ہے۔ پاپا! حریم کو ابھی جانا ہے۔" اس کی ضدی آواز میں آنسوؤں کو محسوس کرکے اس کا دل بے چین ہوگیا۔ آفس میں ابھی کون کون سے کام اس کے منتظر ہیں۔ اسے سب کچھ بھولنے لگا۔

"اچھا پاپا ابھی آرہے ہیں۔ ٹھیک ہے؟ تھوڑی سے دیر میں جناب جلدی سے آنسو صاف کرو۔" اسے تسلی دے کر اس نے فون بند کیا تو رضا ریسٹورنٹ سے نکل کر اپنی طرف آتا نظر آیا۔ وہ اسے فون پر بات کرتا دور سے دیکھ چکا تھا' چنانچہ اس کے قریب آنے پر جیسے ہی اس نے یہ کہا کہ وہ ابھی آفس واپس نہیں جارہا اسے کوئی ضروری کام ہے تو رضا معنی خیزی سے بولا۔

"وہاں سے فون تھا وہیں جانا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے سر اثبات میں ہلایا۔

"کوئی لڑکی تھی نا؟ دیکھو جھوٹ مت بولنا۔ بات کرتے وقت جو تمہارے چہرے کی اتنی زبردست اور بھرپور مسکراہٹ میں نے ابھی دور سے دیکھی ہے وہ آج تک کبھی نہیں دیکھی اور ایسی شاندار مسکراہٹ صرف کسی حسین لڑکی سے بات کرتے وقت ہی چہرے پر آسکتی ہے۔"

وہ جواباً کھل کر ہنسا۔ "لگاتے رہو اندازے۔"

"اندازے نہیں مجھے یقین ہے۔ بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ کہیں یہی تو وہ ہستی نہیں جس کی وجہ سے آپ جیسا چین سموکر' اسموکنگ سے تائب ہونے کی باتیں کررہا ہے۔" وہ کچھ کہے بغیر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا ہاں اندر ہی اندر وہ رضا کی قیافہ شناسی پر محظوظ ہورہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ اپارٹمنٹ پہنچ چکا تھا۔ اپنی بانہیں والہانہ پن سے باپ کی طرف پھیلاتے وہ اگلے پل اس کی گود میں تھی۔

"ٹھیک ہے' اب خوش ہو؟ دیکھ لو پاپا فوراً گھر آگئے ہیں۔ وہ اسے لے کر اندر آگیا۔ خرد کچن میں کھڑی کچھ کررہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر اسے اور پھر حریم کو دیکھا۔ حریم کی طرف اس نے جن خفگی بھری نظروں سے دیکھا تھا انہیں دیکھتے ہی اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ حریم سے کسی بات پر ناراض ہے۔

"پاپا! ماما' حریم سے کٹی ہیں۔" وہ اسے لے کر اس کی طرف آیا تب حریم نے خود ہی اسے بتایا۔

"کس بات پر؟ آپ نے کوئی شرارت کی تھی؟ ماما کو تنگ کیا تھا؟" اس نے بغور بیٹی کا چہرہ دیکھا۔

"حریم نے آپ کو فون کیا تھا' ماما کٹی ہوگئیں۔" فون کہنے پر بیٹی سے ناراض ہے اس بات پر وہ خاصا حیران ہوا۔ بچوں کو چاہے وہ پہچانتی بھی تھی تب بھی فون پر کوئی نمبر ملانا ابھی وہ جانتی نہیں تھی۔ اس نے حریم سے پوچھا تو کچھ فخریہ لہجے میں وہ بولی۔

"حریم نے خود کیا تھا۔"

"خود؟ کیسے؟" وہ اسے ساتھ لے کر صوفے پر بیٹھ چکا تھا اور حریم اس کے چہرے پر موجود تجسس اور دلچسپی کو محسوس کرکے پاس رکھے ٹیلی فون سیٹ کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

"اس سے۔" اس نے redial کے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اکیسویں صدی سے تعلق رکھتی اپنی بیٹی کی ذہانت پر عش عش کر اٹھا۔

"ماما ناراض تھیں' حریم نے آپ کو فون کردیا۔ ماما آکر کٹی ہوگئیں۔ پاپا کو فون کیوں کیا' حریم تم گندی بچی ہو۔ حریم تم ضدی ہو۔"

"پاپا!" وہ اس کے کندھوں کے گرد ہاتھ پھیلا کر بولی۔

"ہاں پرنس"

"پاپا! ماما' حریم سے کٹی ہیں۔" اس کی پریشانی کو دیکھ کر وہ مسکرادیا۔

"ماما اس بات پر ناراض ہیں ناں کہ حریم نے پاپا کو فون کیوں کیا تھا؟ ہم ماما سے جھوٹ موٹ کہہ دیتے ہیں کہ حریم نے فون نہیں کیا تھا' فون تو پاپا نے کیا تھا۔ ماما تو ناراض تھیں انہیں تھوڑی پتا چلے گا کیسا؟" مگر حریم نے یک دم ہی نفی میں سر ہلایا۔

"پاپا! جھوٹ بولنا گندی بات ہے۔" وہ جہاں کا تہاں حیرت سے آنکھیں وا کیے اپنے چار سال کی بیٹی کو اپنی ایک غلطی کی اصلاح کرتے دیکھ رہا تھا۔ ایک' دو پل اپنی حیرت

پر قابو پانے کی کوشش کرنے کے بعد اس نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے لبوں سے ایک اتنی اچھی بات کہلوانے پر فخر اور خوشی سے بھر سا گیا تھا۔

"حریم کال ٹھیک بات کہی حریم نے۔ حریم کو اتنی اچھی بات کس نے بتائی؟ حریم کی ٹیچر نے؟"

حریم نے "حریم کی ٹیچر" کے لفظ پر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ماما بولتی ہیں جھوٹ بولنا گندی بات ہے۔ جھوٹ بولنے سے اللہ میاں ناراض (ناراض) ہوتے ہیں۔" جس بات کو اپنی پوری زندگی جھوٹ' دھوکے اور فریب سے عبارت بیٹی کو سچ بولنے کی نصیحت کیا کرتی تھی؟ جھوٹ' اور جھوٹ کو سراہا اختیار کرنے والی بیٹی کو اچھائیوں اور سچائیوں کی ترغیب دیتی تھی؟ وہ حیرت زدہ حریم کو ایک ٹک دیکھا گیا تھا۔

یک دم ہی اسے خیال آیا کہ وہ عورت بیوی چاہے جتنی بری ثابت ہوئی ہو مگر ماں اچھی تھی۔ وہ بیٹی سے محبت کرتی تھی۔ اس نے بیٹی کو بہت اچھی تربیت دی تھی۔ وہ بہت آف موڈ کے ساتھ حریم کو Zoo جانے کے لیے تیار کررہی تھی۔ وہ یہ سمجھتی تھی کہ حریم کا بات بات پر چڑچڑا ہونا اور ضدی پن دکھانا' اس کی طویل بیماری کے سبب ہے اسے جو گھر میں ہزار طرح کی پابندیوں کے ساتھ ایک محدود زندگی جینا پڑ رہی ہے اس کے سبب ہے مگر پھر بھی وہ اس کے حد سے بڑھے ضدی پن سے کوفت میں مبتلا تھی وہ اتنی ضدی ہوگئی تھی کہ ایک بار جو بات اس کی زبان پر آجاتی اسے وہ جب تک پورا نہ کرالیتی سکون سے بیٹھتی نہیں تھی۔

"ماما! آپ تیار ہوں۔" حریم اس کے خفا خفا چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ چپ چاپ کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ سوکھے ہوئے کپڑے اتارنے بالکونی میں آگئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اشعر کو حریم کو گود میں اٹھائے بالکونی میں آتے دیکھا۔

"بھئی آپ ہماری پرنسس سے کیوں ناراض ہیں؟" حریم کی طرف دیکھتے اشعر نے اسے مخاطب کیا۔ گویا معاملہ فہمی بنا کر باپ کو لایا گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں بیٹی کی چالاکی اور ذہانت پر مسکرائی مگر بظاہر خفگی ہی سے بولی۔

"اس لیے کہ یہ گندی بچی بن گئی ہے۔ کہنا نہیں مانتی ہے۔"

"اچھا آپ اب دوستی کرلیں۔ ہماری پرنسس آپ سے پرامس کررہی ہے آئندہ آپ کی ہر بات مانے گی۔"

باپ کی گود میں چڑھی وہ امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی' اتنی مضبوط سفارش کامیاب ہوتی ہے یا نہیں۔

"اگر آئندہ سے یہ کہنا مانا کرے تو پھر میں دوستی ہوں۔"

"بالکل کہنا مانے گی۔ اب آپ جلدی سے ہماری پرنسس کو kiss کریں اور پھر ہمارے ساتھ Zoo چلیں۔" اس نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر حریم کو اشعر کی گود سے لے کر پیار کیا تھا۔

دو گھنٹے Zoo میں گزار کر وہ لوگ اپنے اپارٹمنٹ واپس آئے تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ اپنی بلڈنگ کے اندر آکر وہ لوگ لفٹ کے انتظار میں آکر کھڑے ہوگئے۔ لفٹ گراؤنڈ فلور پر آکر رکی تو اس میں سے ایک نیلی باہر نکلی۔ خوش شکل اور خوش لباس ایک مرد' ایک عورت اور ان کے ساتھ دو پیارے سے بچے خوش باش اور پرفیکٹ قسم کا کپل۔ اور پھر وہ حیرت سے بری طرح چونکی جب اس نے اشعر کو اس آدمی کے سامنے ٹھٹک کر رکتے دیکھا۔ اشعر تو صرف ٹھٹک کر رکا تھا مگر وہ بندہ۔

"ابے سالے! تو یہاں۔" کہہ کر ایک ہی پل میں اس سے بغل گیر ہوگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نعمان کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا تھا اور کسی حد تک پریشان بھی۔ اس کے اور حریم کے بیچ جو بھی کچھ تھا وہ تو ان کی بالکل نجی بات تھی۔ اور جو کچھ بھی سچائیاں تھیں مگر فی الحال سب سے بڑی سچائی یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی اور اپنی بیٹی کے ساتھ کھڑا تھا مگر جو بات ابھی ماں نہیں تھی اور بتائی بھی نہیں چاہتا تھا کہ ماں سے پہلے اس سے کوئی اور واقف ہوسکے مگر اب اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوسکتا۔ نعمان اس کا یونیورسٹی کے دنوں کا بہت اچھا دوست تھا۔ وہ اسے امریکہ میں ملا تھا۔ دونوں نے ایم بی اے ایک ساتھ بزنس ایڈمنسٹریشن میں کیا تھا اور ان کی آپس میں بہت اچھی دوستی تھی۔

تعلیم مکمل کرکے اشعر امریکہ سے پاکستان واپس آگیا تب بھی اس کا اور نعمان کا آپس میں ہمیشہ رابطہ

رہا پاکستان آنے پر اس کے انوائٹ کرنے پر وہ ان کے گھر ڈنر پر بھی آیا تھا۔ اس موقع پر اس کی خرد سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ پھر کچھ ہی دنوں بعد جو اس کی زندگی طوفان کی زد میں آئی تو وہ ساری دوستیاں اور سارے تعلقات بھول گیا۔ نعمان بے چارہ بہت عرصے تک اس سے یک طرفہ دوستی نبھانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ کبھی فون کالز اور کبھی e-mails کے ذریعے مگر اس نے پلٹ کر کبھی دوست کو یاد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور اب تو تقریباً "ڈیڑھ پونے دو سال سے اس کا نعمان سے سرے سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ شاید وہ بے چارہ اس دوستی کو یک طرفہ طور پر نبھانے کی اپنی کوششوں سے تھک گیا تھا یا شاید اس سے ناراض ہو گیا تھا تب ہی اس کی کالز اور mails آنی بند ہو گئی تھیں۔ نعمان سے وہ آخری بار واشنگٹن میں اس کے گھر میں ملا تھا تب نعمان کی بیٹی شاید چند ماہ کی تھی اس ملاقات کے چند مہینوں بعد ہی اس کی زندگی طوفانوں کی زد میں گئی تھی اور اس کے بعد سے پھر اس کی نعمان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

"دوستی کا تعلق توڑ لیا، کیا شکل پہچاننا بھی چھوڑ دی۔" اب اس کے گلے لگا وہ شکوہ کناں انداز میں بولا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ اور یہ زنانہ طعنے دینے کے بجائے یہ بتاؤ کہ کب سے آئے ہوئے ہو اور اب تک مجھ سے ملے کیوں نہیں۔" نعمان کے شکوے پر دل میں شرمندہ ہوتے اس نے اس کا ہاتھ گرم جوشی سے تھام کر پوچھا۔

"آئے ہوئے چند دن ہو گئے ہیں اور آپ سے ملنے کا جہاں تک سوال ہے تو بندہ یہ جاننے کے باوجود کہ آپ مزید اس سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے پھر بھی ڈھیٹ اور بے غیرت بن کر تین روز قبل آپ کے گھر فون کر چکا ہے، وہاں سے اطلاع ملی تھی کہ صاحب گھر پر نہیں ہیں، آپ کے فون نمبر آپ کا موبائل نمبر ساتھ لانا بھول گیا تھا۔ آپ کے ملازم سے بھی یہ نمبرز لینے کی کوشش نہیں کی چونکہ میرا خیال تھا کہ پرانے تعلقات کا لحاظ کرتے اپنے ملازم سے میری کال کا سن کر ایک جوابی کال کرنے جتنی کرنسی آپ شوکر ہی دیں گے۔ اسی امید پر وہاں اپنا کراچی میں اپنے گھر کا فون نمبرز وغیرہ سب کچھ چھوڑا تھا مگر دوست، دوست نہ رہا، پیار پیار نہ رہا۔" پچھلے تین دنوں سے وہ واقعی گھر گیا ہی نہیں تھا۔ اس لیے دوست کا فون آنے کا پیغام نہ پہنچائے جانے پر کسی ملازم سے باز پرس کر ہی نہیں سکتا تھا۔

"السلام علیکم بھابھی! کیسی ہیں آپ؟" اسے دل ہی دل میں شرمندہ ہونے کے لیے چھوڑتے ہوئے نعمان، خرد کی طرف متوجہ ہوا جو پتا نہیں اسے پہچانتی بھی تھی کہ نہیں۔ خرد نے کسی قدر حیرت بھرے انداز میں جواب دیا۔

"اور یہ گڑیا؟" اس نے اشعر کی گود میں موجود کو بغور دیکھا۔

"اس کا تو خون سفید ہو گیا۔ کم از کم آپ ہی مجھے میری بھتیجی کے ہونے کی اطلاع دے دیتیں۔" وہ پھر بے تکلفانہ انداز میں خرد سے مخاطب تھا۔ وہ شکوے شکایت کرتے دوست کو کیا بتاتا کہ اس کی اس بھتیجی سے تو وہ خود چند دن پہلے ملا ہے کسی اور کو اس کی اطلاعات کیا پہنچاتا۔ مگر یہ سب ایک الگ قصہ تھا۔ اس وقت اپنے اس بے تکلف اور مخلص دوست کے سامنے اس ناری صورت حال کو وہ کس طرح ہینڈل کرے وہ تیزی سے سوچ رہا تھا۔ یہ شدید ترین مجبوری تھی کہ اپنی بلڈنگ میں اپنے اپارٹمنٹ کے اتنے پاس کھڑے دوست کو اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دینا ہی تھی۔ مگر دل میں وہ یہ دعا کر رہا تھا کہ کاش وہ اس وقت بہت جلدی میں ہو۔ وہ خود ہی اس کے گھر آنے سے معذرت کر لے۔ دل میں سوچتے الجھتے کب سے خاموش کھڑی نعمان کی بیوی سے سلام دعا کی وہ بینش سے دو، تین بار ملا ہوا تھا اور نعمان کی بیٹی علینا کو بھی دیکھا ہوا تھا ہاں دوسرے بچے کو آج وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔

"بھابھی! اس کا طعنوں سے اتنی جلدی دل نہیں بھرے گا ——— آپ اوپر چلیے۔" اس نے بینش سے کہا۔

"طعنے؟ میرا دل چاہ رہا ہے تم سے ٹھیک ٹھاک قسم کا جھگڑا کروں۔ شادی ہم نے بھی کی، فیملی ہماری بھی ہے مگر تمہاری طرح دوستوں کو بھلا کر اپنی زندگی میں ہم یوں مگن نہیں ہو گئے۔" اسے ناراضی سے دیکھتے نعمان نے خود لفٹ کا بٹن دبا دیا۔ یعنی وہ ان کے ساتھ ان کے گھر چل رہا تھا۔ وہ سب لفٹ میں داخل ہو گئے۔ اندر ہی اندر اس ساری صورت حال سے گھبراتے اور نعمان کے ممکنہ سوالات کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کرتے وہ اوپر سے خود کو پُرسکون ظاہر کرتا اس کے دونوں بچوں سے باتیں کرنے لگا۔ اس کی بیٹی علینا، حریم سے تقریباً "سال ڈیڑھ سال بڑی تھی۔ اور بیٹا غالباً "دو، ڈھائی سال کا تھا۔ خرد ابھی تک بالکل خاموش تھی۔

فیملی کی کسی قریبی شادی میں شرکت کے لیے وہ لوگ پاکستان آئے ہوئے تھے اور یہاں ان کی بلڈنگ میں بینش کے کوئی رشتہ دار رہتے تھے۔ جن کے گھر وہ لوگ لنچ پر مدعو تھے اور اس وقت وہیں واپس جا رہے تھے کہ ان لوگوں سے ملاقات ہو گئی۔

زینت نے اس گھر میں آنے والے ان پہلے مہمانوں کا حیرت سے استقبال کیا۔ اشعر، نعمان اور اس کی فیملی کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا تھا۔ خرد بھی ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔

"پرنس! فرینڈ شپ کرو، ہمارے گھر اتنے پیارے پیارے بچے آئے ہیں ان سے شیک ہینڈ کرو۔ انہیں اپنے toys دکھاؤ۔" اس کے کہنے پر حریم نے علیشا اور منی سے ہاتھ ملایا۔ پھر خرد نے زینت کو آواز دے کر بلایا۔

"بچوں کو لیونگ روم میں لے جاؤ، کھیلیں گے۔"

زینت نے حریم کو گود میں اٹھایا اور پھر ان تینوں بچوں کو اپنے ساتھ لے گئی۔ بینش کے چہرے پر حریم کو گود میں اٹھا کر لے جاتے دیکھ کر حیرت پھیلی۔ اس سے پہلے لفٹ کے سامنے کھڑے ہونے سے لے کر اپارٹمنٹ کے اندر داخل ہونے تک حریم کو مسلسل اشعر کی گود میں دیکھ کر وہ سمجھی تھی کہ شاید لاڈ پیار میں اشعر نے بیٹی کو گود میں لے رکھا ہے مگر چار سال کی بچی جو خود آرام سے چل پھر سکتی تھی اسے جب ملازمہ نے بھی گود میں لیا تب وہ کچھ حیران سی ہوئی۔

خرد، بینش سے بات کرنے لگی تھی۔ خرد اور بینش کی یہ پہلی ملاقات تھی اس لیے ابھی ابتدائی گفتگو کی جا رہی تھی۔ پانچ دس منٹ کی گفتگو کے بعد وہ صوفے پر سے اٹھنے لگی تو اسے اٹھتا دیکھ کر نعمان فوراً بولا۔

"بھابھی! آپ کو ابھی کوئی تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کسی جلدی میں نہیں ان شاء اللہ آپ کے ہاتھ کا بنا ڈنر کھا کر جائیں گے۔ جو بھی چیز آپ اچھی بناتی ہیں بنا لیں، تکلف کوئی نہیں اور جلدی بھی کوئی نہیں۔ ہم نے لنچ کافی دیر سے کیا تھا ڈنر بھی لیٹ ہی کریں گے۔ دل بھر کے بے تکلفی کا مظاہرہ کر لینے کے بعد اس کے "تکلف کوئی نہیں" کہنے پر وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا جبکہ بینش نے شوہر کو گھورا تھا۔ وہ نعمان سے غیر متوقع ملاقات پر پریشان ہوا تھا مگر اب اپنے ایک سچے اور مخلص دوست کی بے تکلفی کو انجوائے کر رہا تھا۔ خرد مسکراتی ہوئی واپس بیٹھ گئی تھی۔ نعمان نے خرد کے اٹھنے کا مطلب سمجھا ہو مگر وہ جانتا تھا کہ خرد اور کسی کی بھی کال کے لیے اٹھی تھی مگر مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے ہرگز نہیں۔ ایک پل تو اس نے حیران پریشان نظروں سے نعمان کو دیکھا پھر بے تکلفانہ بات سنی اور پھر اس کا مطلب سمجھ کر بے ساختہ مسکرائی تھی۔

پھر نعمان کے استفسار پر اس نے اسے حریم کی بیماری اور اس کی عنقریب ہونے والی ہارٹ سرجری کے متعلق بتایا تھا۔ نعمان اپنی ساری چونچالی اور غیر سنجیدگی بھول کر یک دم ہی بے تحاشا سنجیدہ ہو گیا۔

"میں بھی اتنی دیر سے بغیر سوچے سمجھے گفتگو کے چلا جا رہا ہوں۔"

دونوں بڑی فکرمندی اور توجہ سے حریم کی بیماری سے متعلق اس کی ساری بات سن رہے تھے۔ خرد اس دوران خاموش رہی تھی۔

"پریشان مت ہو اشعر! ان شاء اللہ آپریشن کامیاب ہو گا۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نعمان نے اسے تسلی دی۔

خرد، حریم کو دیکھنے کے لیے اٹھ گئی، کہیں اپنے ہم عمر بچے دیکھ کر اس نے بھاگنا دوڑنا نہ شروع کر دیا ہو۔ بینش بھی اس کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں یار! تمہیں وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔ آخر شادی شدہ زندگی کا سات سالہ تجربہ رکھتا ہوں تم سے سینئر ہوں اور بہت پہلے سے جانتا ہوں کہ ساس اور بہو کا اختلاف جو بنیادی طور پر حق ملکیت کا اختلاف ہوا کرتا ہے ان میں ٹھیک ٹھاک قسم کی شامت بے چارے بیٹے اور بے چارے شوہر ہی کی آتی ہے کس کو صحیح سمجھے، کس کا ساتھ دے؟ ماں کی سنو تو وہ اپنی جگہ بالکل حق پر لگتی ہے اور بیوی کی سنو تو وہ۔ سمجھ دار مرد بھی ایسے موقع پر بوکھلا کر رہ جاتا ہے۔ دونوں جانب اس سے حمایت کی امید کی جا رہی ہوتی ہے اور وہ دونوں میں سے جس کی بھی طرف سے بولے اگلا فریق لازماً اس سے ناراض اور برہم ہو جاتا ہے۔"

وہ الگ گھر میں رہنے کا کوئی جواز نعمان کو پیش کرنے والا تھا مگر ابھی اس نے اپنی بات شروع کی ہی تھی کہ اس کی وضاحت کا مقصد سمجھتے نعمان نے اس کی بات کاٹتے بڑے ہمدردانہ اور تسلی آمیز لہجے میں اس سے کہا تھا۔ کم از کم

روم میں بیٹھ گئی تھی۔ بینش بھی اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"یہ نعمان بھائی بس۔ بیٹھے بٹھائے آپ کو پریشان کر دیا۔ مجھے سخت شرمندگی ہو رہی ہے ہماری وجہ سے آپ کو اتنی زحمت کرنی پڑ رہی ہے۔" خرد اسے کچن میں داخل ہوتا دیکھ کر مسکرائی اور بیٹھنے کے لیے کرسی آفر کی تو بیٹھتے ہوئے بینش نے کہا۔

"کوئی زحمت نہیں۔ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ اور اب آپ یہ تکلف جملے مزید بول کر مجھے شرمندہ ہرگز مت کریں۔"

"لائیں میں آپ کی کچھ ہیلپ کراؤں۔" پہلے اس نے منع کرنا چاہا مگر پھر اسے بھند دیکھ کر سلاد بنانے کے لیے تمام سبزیاں اور چھری اس کے حوالے کر دی۔ بینش میز پر تمام سبزیاں رکھ کر کرسی پر بیٹھی سلاد کے لیے سبزیاں بھی کاٹتی جا رہی تھی اور اس سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔

"سرجری کی کیا ڈیٹ دی ہے ڈاکٹر نے؟" بینش نے پوچھا ——— وہ اسے اچھی امید دلانے اور تسلی دینے کے لیے اپنی بھتیجی کے بارے میں بتانے لگی جس کی اوپن ہارٹ سرجری جب وہ دو سال کی تھی تب تین سال کی تھی تب ہوئی تھی۔

"اور اب وہ ماشاء اللہ 16 سال کی ہے او لیول کر چکی ہے اور پڑھائی اور ایکسٹرا ایکٹوٹیز میں بھرپور حصہ لیتی ہے۔" اسے اس کا امید دلاتا انداز بہت اچھا لگ رہا تھا۔

چند گھنٹوں بعد ڈائننگ ٹیبل پر ایک اچھی دعوت کا تمام اہتمام موجود تھا۔ چانپوں کا پلاؤ، چکن کڑاہی، فرائیڈ فش سلاد، رائتہ، بچوں کے لیے اسپیگھٹی اور میٹھے میں پڈنگ اور موسم کے پھل۔ بغیر کسی پیشگی تیاری کے آناً فاناً کیے جانے والے ترتیب و اہتمام کے لحاظ سے تو یہ ایک بہترین ڈنر تھا۔ بہت طویل عرصے بعد وہ خرد احسان کے ہاتھوں کا پکا کھانا کھا رہا تھا۔ وہ کھانا بہت اچھا پکاتی تھی اور ایک وقت تھا جب وہ اس کے ہاتھوں کا بنا کھانا بہت شوق سے کھایا کرتا تھا۔ تینوں بچے اسپیگھٹی بہت شوق سے کھا رہے تھے۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ علیشا جو حریم سے دو سال بڑی تھی، وہ بھی اسے فیسکنڈ ڈائننگ اپنی کیئر کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہی تھی جس طرح حریم کھا رہی تھی۔ اسے اپنی بیٹی پر فخر محسوس ہوا تھا۔ کھانے کے بعد مہمانوں کو کھانا بہت

سب لیونگ روم میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ بڑوں کے لیے جیسمن نی خود بنائی تھی اور بچوں کے لیے کولڈ ڈرنک سرو کی گئی تھی۔ حریم کی علینا اور صبی سے خوب دوستی ہوگئی تھی۔ رات بارہ بجے جب وہ لوگ جانے کے لیے اٹھے تو حریم کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ لوگ جائیں۔

"انکل! علینا کو یہاں رہنے دیں۔"

"بیٹا! آج ہمیں علینا کو لے جانے دو، ہم پھر کسی اور دن اسے آپ سے ملانے لائیں گے اور تب آپ بھی اپنے پاپا سے خوب ضد کرنا کہ وہ اسکول کی چھٹیوں میں آپ کو ہمارے گھر لے کر آئیں۔ وہاں ہم آپ کو خوب سیر کرائیں گے پھر وہاں پر آپ اچھی طرح دل بھر کر علینا کے ساتھ کھیلنا۔" حریم کو جھک کر پیار کرتے نعمان نے اس کی بات کا محبت و شفقت سے جواب دیا۔

وہ دوست اور اس کی فیملی کو چھوڑنے نیچے تک چلا گیا تھا جبکہ خرد نے انہیں وہیں سے ہی خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ اتنی دور سے آئے اس کے دوست کی اچھی خاطر تواضع ہوگئی اور وہ اس کی بھولی خوش باش فیملی اور عارضی قیام گاہ کے متعلق اچھی رائے لے گیا ہے۔ اس چیز سے وہ خاصا مطمئن تھا۔

آج حریم کو اس کے بجائے خرد سے کہانی سننی تھی، اس لیے وہ چپ چاپ اس کے ساتھ لیٹا تھا۔ خرد کتاب سے کہانی پڑھنے کے بجائے اپنے حافظے میں محفوظ شہزادیوں اور پریوں کی ایک مشہور دیومالائی کہانی اسے سنا رہی تھی۔ کہانی سنتے سنتے حریم کو بہت سی کتابیں یاد آئی تھی جو خرد کو ایک سیکنڈ رکنے کا اشارہ کرکے وہ اس سے بولی۔

"پاپا!"

"ہاں میرا بیٹا!" اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے اس نے پوچھا۔

"پاپا! حریم کے پاس بھائی کیوں نہیں؟" ہونق نگاہوں سے اس نے بیٹی کو دیکھا۔ ایک معصومانہ سوال کرکے وہ اس کے چودہ طبق روشن کر گئی تھی۔ اس نے ضدی پن سے اپنا سوال دہرایا۔

"حریم کو بھائی چاہیے۔ علینا کے پاس بھائی ہے۔"

حریم کو بھی بھائی چاہیے۔" خرد بظاہر اس گفتگو سے لاتعلق ظاہر کر رہی تھی، اپنے ہاتھوں کو گھورتے اس نے جیسے حریم کی بات سنی ہی نہیں تھی مگر ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالتے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ اس وقت جیسی گھبراہٹ

اسے ہو رہی تھی اور جتنا اوکورڈ وہ فیل کر رہا ہے، اتنا ہی وہ بھی فیل کر رہی ہے۔

"ماما! حریم کو بھائی چاہیے، علینا کی طرح۔"

"حریم! فضول باتیں مت کرو۔ خاموشی سے سنو۔ اب اگر بیچ میں تم کچھ بولیں تو پھر میں کہانی ہرگز نہیں سناؤں گی۔" اس نے بیٹی کو بری طرح جھڑک دیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ بچوں کو ڈانٹ کر اپنے بڑے ہونے کا رعب دکھا کر ہم ان کے سوالوں کے جواب دینے سے انکار کر سکتے ہیں مگر انہیں یہ معصومانہ سوال کرنے سے روک کس طرح سکتے ہیں؟ حریم منہ بسور کر اشعر سے لپٹ گئی تھی اور پھر ماں سے اظہار ناراضی کے طور پر ہاتھ سے کئی ہونے کا اشارہ بھی اسے دکھا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں ڈاکٹر انصاری کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ حریم کا تفصیلی چیک اپ کر چکے تھے۔ حریم کا ECG اور کچھ دوسرے ٹیسٹ جو انہوں نے اس کے دوبارہ کروانے چاہے تھے، وہ سب بھی ہو چکے تھے۔ حریم کی فزیکل کنڈیشن اور اس کی تازہ ترین ٹیسٹ رپورٹس کی روشنی میں انہوں نے حریم کی سرجری پانچ روز بعد کیے جانے کو Approve کر دیا تھا۔ وہ یہاں سرجری کی تاریخ طے کرنے ہی آئے تھے اور اب جب انہیں بتایا جا رہا تھا کہ پانچ روز بعد اس کی اوپن ہارٹ سرجری کی جائے گی، تب ان دونوں ہی کے چہروں پر فکر اور پریشانی پھیل گئی تھی۔

ڈاکٹر انصاری ایک ایک بات انہیں تفصیل سے بتا رہے تھے اور ایک مرتبہ پھر یہ اطمینان بھی دلا رہے تھے کہ ان شاء اللہ یہ آپریشن بالکل کامیاب رہے گا۔ اس آپریشن میں کوئی خطرے کی بات نہیں اور آپریشن کے بعد ریکوری بھی جلد ہوگی۔ حریم کی حالت میں بہتری تو بہت جلد۔ آنی شروع ہو جائے گی اور اندازاً تین سے چار ماہ کے اندر حریم ایک مکمل اور بھرپور قسم کی نارمل لائف شروع کر سکے گی۔

وہ دونوں باہر نکلے تو ویٹنگ روم میں صوفے پر حریم اپنی ڈول کو گود میں بٹھائے اس سے باتیں کر رہی تھی۔

"بھوک لگی ہے؟ اچھا ابھی ماما، پاپا آپ کے لیے کچھ لنچ کرنے ہوٹل چلیں گے۔ تم کیا کھاؤ گی؟ فرنچ فرائز اور آپ؟ فرنچ فرائز حریم کو بھی اچھے لگتے ہیں۔ ماما نہیں

گیا۔ اسے خرد اور حریم کے ساتھ اس کا کوئی بھی دوست یا جان پہچان والا دیکھ لیتا تو کم از کم سارہ اجمل نہ دیکھتی۔

"ہائے اشعر! تم تو سنگاپور گئے ہوئے تھے نا؟ کب واپسی ہوئی؟" طنزیہ نگاہوں سے سارہ نے اسے دیکھا۔

"میں جائیں سکا، یہاں کچھ ضروری کام پڑ گیا تھا۔" خود کو پرسکون اور نارمل ظاہر کرنے کے لیے اس نے قصداً کاٹے کی مدد سے مشروم کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا، بڑی لاپروائی اور بے نیازی سے۔

"اچھا جا نہیں سکے۔ میں سمجھ رہی تھی کہ شاید تمہارا سنگاپور گرا جی ہی میں ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ اس پر سے نظریں ہٹا کر اس نے طنزیہ نگاہوں سے خرد کو دیکھا۔

"خرد احسان! لوٹ آئیں آپ؟ کب آئیں — اور کیسی ہیں آپ؟ آپ لوگوں کی ری یونین کب ہوئی؟ فریدہ آنٹی نے یہ بریکنگ نیوز مجھے نہیں دی۔" اس کا انداز حقارت آمیز تھا۔ پھر قدرے جھک کر اس نے حریم کو بغور دیکھا جو فرنچ فرائز منہ میں رکھتی ان خوبصورت آنٹی کو دلچسپی سے بغور دیکھ رہی تھی۔

"یہ غالباً" آپ کی بیٹی ہے؟" اس نے خرد کی طرف نگاہ کی۔

"اور شاید تمہاری بھی۔" اس بار مخاطب وہ تھا اس کی بوکھلاہٹ ایک پل میں شدید قسم کے غصے میں تبدیل ہوئی تھی۔ اس کی پرسنل لائف میں اس طرح آکر مداخلت کرنے والی وہ تھی کون؟

"سارہ تم۔" نیبھی لہجے میں اس کا نام لے کر اس نے تب بھینچ کر کسی سخت لفظ کی ادائیگی سے خود کو بمشکل روکا۔

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ
ایئر ہوسٹس
جو دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 36 اردو بازار کراچی

اسے ہمیشہ کہیں گے حریم کو اور انجلینا کو

[illegible] خبر اور معصوم اس کی یہ جیتی جاگتی گڑیا جانتی [illegible] کہ اس کی زندگی کس آزمائش سے گزر رہی [illegible] کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل [illegible] اس نے اپنے ساتھ کھڑی خرد کو دیکھا تو وہ جلدی سے [illegible] آنسو — صاف کرتی نظر آئی۔ جتنی دیر میں [illegible] آنسوؤں کو صاف کرکے خود کو نارمل کیا، اتنی [illegible] حریم کو صوفے پر سے گود میں اٹھا چکا تھا۔

[illegible] حریم کو اور انجلینا کو ہوٹل چلنا ہے اور [illegible] فرائز کھانے ہیں۔" اس نے خوشی سے زور زور سے [illegible] میں ہلایا۔ دل و دماغ اس وقت کسی تفریح کے لیے [illegible] تھے مگر بیٹی کی خوشی کے لیے اسے ایسا کرنا ہی

وہ تینوں گاڑی میں آبیٹھے۔ گاڑی ڈرائیو کرتے کئی بار [illegible] اس کی اچٹتی سی نظر اپنے برابر بیٹھی خرد پر پڑی تھی۔ [illegible] کھڑکی کی طرف منہ کیے تھوڑی دیر بعد چہرے سے [illegible] آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی۔ حریم اسے رونا دیکھ سکی [illegible] اور پھر اس کے سوالات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ [illegible] ہو سکتا تھا، اس لیے اس نے خرد کو بہت دبی آواز میں [illegible] سے کہا۔

"خود پر کنٹرول رکھو۔ حریم ڈسٹرب ہوگی۔" حریم کا دھیان ماں پر نہ جائے، اسی لیے اس نے گاڑی میں اس کی پسند کا فاسٹ میوزک لگا دیا تھا اور مسلسل اس سے باتیں بھی کیے جا رہا تھا۔

ایک اچھے سے ریسٹورنٹ میں وہ تینوں آکر بیٹھ چکے تھے جو پابندیاں اس پر عائد تھیں، وہ سب اسی کی بہتری کے لیے تھیں پھر بھی اس وقت اس کا بیٹی کی ایک معصوم سی خواہش پوری کرنے کا دل چاہا تھا۔ حریم نے جو جو ڈشز منگوائی تھیں، وہ دونوں اس کا دل خوش کرنے کو اسی میں سے ایک دو نوالے لے رہے تھے۔ اس کی پوری توجہ اپنی بیٹی پر تھی۔ تب ہی تو اسے سامنے کی میز سے کسی کے اٹھنے اور اپنی طرف آنے کی ذرا بھی خبر نہیں ہو پائی تھی۔ یہ خبر اسے اس وقت ہوئی جب کوئی اس کی میز پر اس کے بالکل سر پر آکر کھڑا ہو گیا۔

نریم سے کچھ بات کرتے اس نے چونک کر سر اوپر اٹھایا تو اپنے سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر وہ حقیقتاً بوکھلا

"بہت لکی ہو اشعر! چار' پانچ سال بعد بیگم واپس ملیں تو ملیں ساتھ تمہارے لیے ایک بیٹی بھی بطور تحفہ لے آئیں۔ بیٹھے بٹھائے تمہیں ایک عدد پڑھی لکھی بیٹی بھی مل گئی۔" اشعر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تمسخرانہ سی ہنسی ہنستے اس نے اسے مزید غصہ دلانا چاہا۔

"سارہ!" کرسی پر سے اٹھتے ہوئے اس نے شدید طیش کے عالم میں کہا۔ اس بار اس کی آواز پہلے سے بلند تھی' غصے میں وہ یہ بھولنے لگا تھا کہ وہ کسی پبلک پلیس پر موجود ہے اور یہ بھی کہ سارہ جان بوجھ کر اس کے غصے کو ہوا دینا چاہتی ہے' اس کے غصے سے لال انگارہ چہرے سے وہ نہ خائف ہوئی اور نہ ہی چپ ہوئی بلکہ اس نے جیسے اس صورتِ حال سے مزید حظ اٹھانا چاہا۔

"ڈونٹ وری۔ میں یہاں زیادہ دیر رکنے نہیں آئی۔ میں تو صرف اس reunite ہوئی فیملی سے ہائے ہیلو کرنے چلی آئی تھی۔"

"تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ۔ جتنا برداشت میں کر سکتا تھا کر لیا' آگے اگر تم نے مزید ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہارا بالکل بھی لحاظ نہیں کروں گا۔"

"کہا تو ہے بابا! جا رہی ہوں۔" وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔ اشعر کے غصے سے لطف لیتے اس نے استہزائیہ اور تمسخرانہ نگاہوں سے پہلے خرد اور اس کے بعد حریم کو دیکھا۔

"اوکے بیٹا! بائے۔"

"بائے آنٹی!" حریم نے بڑی تہذیب سے ان اسٹائلش سی آنٹی کو بائے کہا۔ سارہ اجمل ایک پل میں وہاں سے چلی گئی تھی۔

وہ شدید غصے میں تھا' اور چلے جانا چاہتا تھا مگر حریم ابھی اپنے لنچ کو انجوائے کر رہی تھی۔

"پاپا! حریم کو لنچ کرنے دیں۔" اس نے حریم سے واپس چلنے کے لیے کہا تو اس نے فوراً" جواب دیا تھا۔ ہر بات سے بے خبر' بے نیاز وہ جوس کے سپ لے رہی تھی۔ اس نے سارہ کے آنے اور چلے جانے کے بہت دیر بعد —

— پہلی بار خرد کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں میز پر مرکوز کیے بالکل بے تاثر چہرے کے ساتھ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑی دیر بعد کہیں جا کر حریم گھر جانے کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ وہ ان دونوں کو گھر چھوڑ کر فوراً" واپس بھی نہیں جا سکا تھا۔ حریم اس کے لیے راضی نہیں تھی۔ اس کے اندر تراشنے کے باوجود وہ بہت کافی دیر تک گھر پر رکا تھا۔

☆ ☆ ☆

طوفانی رفتار سے گاڑی ڈرائیو کر کے وہ گھر پہنچی تھی۔ راستے میں اتنی جگہ اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا کہ اس کی زندہ سلامت گھر واپسی کسی معجزے سے کم نہیں تھی۔ زور دار دھماکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو فون پر کسی سے بات کرتی زرینہ نے اسے بے وقت گھر واپس آتے تعجب سے دیکھا۔

"نرگس حیات کے بارے میں تمہاری رائے بالکل ٹھیک تھی۔ مسز نثار کے ہاں ڈنر پر دیکھا تھا اسے؟" گوسپس میں مصروف انہوں نے بیٹی کو مسکرا کر دیکھا' اسے اشارے سے سامنے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔

جس رفتار سے وہ اندر داخل ہوئی تھی اسی رفتار سے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ اوپر اپنے کمرے کا دروازہ اس نے ایک زور دار دھماکے سے بند کیا تھا اس کی آواز انہوں نے نیچے تک سنی تھی۔ پریشانی میں جلدی سے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر کے وہ اس کے پیچھے اوپر بھاگیں۔

بے طرح پریشان ہوتے انہوں نے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیا اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ انہوں نے دوبارہ ناک کیا' ساتھ اسے آواز بھی دی۔

"سارہ! سویٹ ہارٹ' میں ہوں ممی' دروازہ کھولو بیٹا!" اندر سے پھر کوئی جواب نہیں آیا۔ انہوں نے دروازہ خود کھول کر اندر داخل ہونا چاہا تو وہ اندر سے لاکڈ تھا۔

"سارہ! کیا ہوا ہے؟ مجھے بتاؤ۔ پلیز دروازہ کھولو میری جان۔" عام طور پر اپنے غصے اور ناراضی کا اظہار وہ اس طرح کیا نہیں کرتی تھی۔ اور اگر کر رہی تھی تو یقیناً" کوئی بہت بڑی بات ہوئی تھی۔ بری طرح پریشان ہوتے وہ اس کے کمرے کا دروازہ پیٹے چلی جا رہی تھیں۔

باقی آئندہ شمارے میں

سے تعبیر کرتی ہے۔ ندرت کی منگنی میں خضر کا خرد کی جانب التفات اشعر کو غم و غصے کا شکار کر دیتا ہے۔ وہ کئی دن خرد سے سرد مہری برتتا ہے۔ جس پر وہ صحیح معنوں میں پریشان ہو جاتی ہے۔ اشعر کی بے زاری اس کے لیے سوہان روح ہے۔

حریم کی خرابی طبیعت کے باعث محض پندرہ دن کے اندر آپریشن کی تاریخ رکھ دی جاتی ہے۔ اشعر کی خواہش ہے کہ بیٹی کو کم سے کم دن میں اس تکلیف سے چھٹکارا دلوا دے' اسی لیے وہ خرد کے ناپسندیدہ وجود کو بھی برداشت کر رہا ہے۔

اشعر' خرد سے بات کیے بغیر بزنس ٹور پر دبئی چلا جاتا ہے جس سے دونوں کے مابین رنجش کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔ اسی پریشانی میں اس سے سیمسٹر امتحان میں بھی شریک نہ ہو پاتی۔ اسی دوران اسے علم ہوتا ہے کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ وہ ٹیلی فون پر اشعر کو صرف ایک سرپرائز کی خوش خبری دیتی ہے۔ اشعر اچانک پاکستان پہنچ کر خرد کو سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ گھر پر سب سے پہلے اس کی ملاقات فریدہ سے ہوتی ہے جو اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ اشعر کو بہانے سے خضر کے گھر لے کر جاتی ہیں۔ جہاں اشعر' خرد کو خضر کے گھر میں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اس موقع پر فریدہ کی گریہ زاری اور خضر کی کامیاب اداکاری ماحول کو مزید پراسرار بنا دیتی ہے۔ خرد اپنی بے گناہی ثابت نہیں کر پاتی۔ اشعر بغیر کچھ کہے سنے باہر نکل جاتا ہے۔ تین دن وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک ہوٹل میں گزار کے جب وہ گھر واپس آتا ہے تو اسے یہ روح فرسا خبر ملتی ہے کہ خرد گھر چھوڑ کر جا چکی ہے۔ اس صدمے پر اسے شدید نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ خرد کے جانے کے بعد وہ بظاہر دنیاداری میں مصروف ہو جاتا ہے مگر اس کے جذبات سرد ہو چکے ہوتے ہیں۔

آپریشن سے قبل وہ حریم کو اس کی خواہش پر ہوٹل میں ڈنر کے لیے لاتا ہے۔ عین موقع پر سارہ' خرد اور حریم کو اشعر کے ساتھ دیکھ لیتی ہے۔ وہ اپنی طنزیہ گفتگو سے اشعر کو غصہ دلا دیتی ہے۔ سارہ کے لیے یہ برداشت کرنا بے حد مشکل ہے کہ خرد دوبارہ اشعر کی زندگی میں داخل ہو چکی ہے۔

پانچویں قسط

تب اندر سے سارہ کی غصے' جھنجلاہٹ اور بے زاری سے بھری آواز انہیں سنائی دی۔

"ٹھیک ہوں میں۔ خودکشی کی ہے' نہ کرنے والی ہوں۔ کچھ دیر بالکل اکیلی رہنا چاہتی ہوں۔" اس کی آواز سن کر زرینہ کی جان میں جان آئی۔ کم از کم اندر وہ خیریت سے تو تھی لیکن ایسا کیا ہوا تھا جو ان کی بیٹی اتنے شدید غصے میں تھی' اس طرح کا ردعمل ظاہر کر رہی تھی۔ اس کی اس طرح کی کیفیت انہوں نے زندگی میں اب سے پہلے صرف ایک ہی بار اور دیکھی تھی۔

سارہ کی بدتمیزی کو نہ اس نے معاف کیا تھا نہ معاف کرنے کا اس کا کوئی ارادہ تھا۔ وہ اس کی اس بدتمیزی پر اسے پہلی اور آخری بار انتہائی سخت الفاظوں میں یہ وارننگ دینا چاہتا تھا کہ وہ آئندہ اس کی ذاتی زندگی میں مداخلت کی جرأت نہ کرے ورنہ نتائج کی ذمہ دار وہ خود ہوگی۔ وہ اس کے پاس جا کر اس کی طبیعت صاف بھی کر آیا ہوتا اگر اسے فوری طور پر حریم کی سرجری کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا۔ کسی دوسرے معاملے کو اٹھنے کی اس کے پاس نہ فرصت تھی نہ مہلت۔ سارہ گھٹیا پن کا ثبوت دیتی خرد اور حریم کے متعلق نجانے کیا کیا بات' کس کس انداز میں فریدہ تک پہنچا سکتی تھی مگر اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ حریم اس کی بیٹی ہے اور وہ حریم کا باپ ہونے پر خوانخواستہ کسی شرمندگی میں مبتلا نہیں جو اس بات پر خوف محسوس کرے کہ کہیں کوئی اس کی بیٹی کے وجود سے آگاہ نہ ہو جائے۔ حریم کو ماں سے چھپانے کی اس کی وجوہات قطعاً دوسری نوعیت کی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کو پورے دل کے ساتھ' اپنے دل کے تمام سچے جذبوں کے ساتھ Own کرتا تھا۔ اس کی بیٹی اس کا سامان فخر اور اس کی پوری حیات کا سرمایہ تھی۔

اس وقت اسے اپنی ممی کی نہیں حریم کی فکر تھی۔ تین روز بعد حریم کو ہسپتال میں ایڈمٹ ہو جانا تھا اور اسے اس وقت سوائے اپنی بیٹی کی صحت اور زندگی کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

آفس میں اپنے چند ضروری کاموں کو الٹا سیدھا نمٹا کر وہ سرِشام ہی گھر پہنچ گیا تھا۔ سارہ سے دوپہر میں ہوئی ملاقات اگر ذہن سے اب تک مکمل طور پر محو نہیں ہوئی تھی تو حریم کو دیکھتے ہی بالکل بھول گئی۔

"کیا کھیلا جا رہا ہے نرس؟"

"ڈاکٹر" ڈاکٹر" اس نے اپنے کھلونے کا اسٹیتھو اسکوپ کان سے لگاتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کے سامنے صوفے پر اس کی گڑیا لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے کھیل اب کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگے تھے اس لیے حیران ہونے کے بجائے وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ خرد بھی وہیں بیٹھی تھی۔ وہ اپنے کھیل میں پوری طرح مگن اور مصروف تھی۔

"نرس بابا کو بھی کھلاؤ" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' کچھ سوچا پھر سر اقرار میں ہلا کر بولی۔

"اچھا' حریم ڈاکٹر ہے۔ ماما نرس ہیں اور آپ ..."

"اور میں یقیناً" آپ کی arrie کی طرح ایکسٹرا شنٹ ہوں گا' جس کا کہ تھپ علاج کریں گی۔ سوئیٹ گرل کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گی کہ ہر کھیل میں لیڈنگ رول آپ ہی کا کیوں ہوتا ہے؟"

play کی رائٹر' ڈائریکٹر بھی خود اور ہیروئن بھی خود۔ "اس کی ناک ہولے سے کھینچتے ہوئے اس نے اسے چھیڑا۔ خرد خاموشی سے بیٹھی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی اسے اتنی ہی پریشان محسوس ہوئی تھی' جتنی دوپہر ڈاکٹر انصاری کے پاس سے اٹھتے وقت ہوئی تھی۔

"پاپا! گیم شروع کریں نا!" حریم نے اس سے کہا۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے بالکل سامنے مریض بن کر بیٹھ گیا۔ پہلے تھرمامیٹر اس کے منہ میں ڈال کر اس کا ٹمپریچر دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد اسٹیتھو اسکوپ استعمال کیا گیا تھا۔

"لمبے لمبے سانس لیں (لیجیے)۔" وہ اسٹیتھو اسکوپ اس کے سینے پر رکھ کر بولی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اب میز پر رکھے رائٹنگ پیڈ پر پین سے الٹی سیدھی لکیریں کھینچ کر دراصل اس کی دواؤں کا نسخہ لکھ رہی تھی۔

"آپ کا بلڈ پریشر ویک ہے۔ آپ کو بھاگنا بھی نہیں ہے۔ کھیلنا بھی نہیں ہے۔ بس ریسٹ کرنا ہے۔"

وہ انتہائی معصومیت اور سنجیدگی سے کسی ڈاکٹر کے متعلق کیے گئے جملے دہرا رہی تھی۔ اس کی اس معصومیت نے اس کے دل کو لہولہو کر ڈالا' خود پر ضبط کر کے مسکراتے رہنا اس پل اس کے لیے بڑا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔ خرد ایک

آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پائی ہے' وہ اندر کمرے میں جا کر رونا چاہتی ہے۔

"آپ کو انجکشن لگے گا۔ تھوڑی سی تکلیف ہوگی۔ رونا نہیں ہے۔" اس کی معصومیت نے اس کے باپ کے دل کو کھیلا بلا کر رکھ دیا ہے' وہ بے خبر اور انجان جانتی ہی نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے اس سے انجکشن لگوانے لگا۔

کھانے کے لیے جب اس نے زینت سے کہہ کر خرد کو بلوایا تو اس کا سُتا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہ لگا کہ وہ کمرے میں سارا وقت روتی رہی ہے۔ کھانے کے لیے حریم کے برابر بیٹھ کر' اس کے منہ میں اپنے ہاتھ سے نوالہ ڈالتے وہ خود کو کمپوز کر چکی تھی۔ روز کی طرح دونوں نے مل کر ہی اسے دوا کھلائی تھی۔ حریم کو جب بھی ماما سے کہانی سننا ہوتی اس لیے وہ خاموشی سے حریم کے پاس لیٹ گیا اور خرد اس کے پاس بیٹھ کر' اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی ایک مشہور دیومالا کی کہانی سنانے لگی۔

حریم کے اتنے زیادہ نزدیک آجانے سے وہ اس کے کتنے قریب آگئی ہے' شاید وہ محسوس کر ہی نہیں رہی تھی۔ وہ اس کی موجودگی سے مکمل طور پر بے نیاز تھی۔ حریم سو چکی تھی اور وہ دونوں جاگ رہے تھے۔ دونوں کے چہرے حریم کی طرف تھے' دونوں کی نگاہیں حریم پر مرکوز تھیں۔ ایک دوسرے سے شدید نفرت کرنے والے رات کے اس پہر ایک ہی بات سوچ رہے تھے' ایک ہی چہرے کو دیکھ رہے تھے' ایک ہی فکر میں الجھے تھے' ایک ہی کرب میں مبتلا تھے' ایک ہی دعا مانگ رہے تھے۔ ایک دوسرے کی مخالف سمت میں چلتے ان دو لوگوں کی زندگیاں اس وقت ایک ہی مقام اور ایک ہی جگہ پر آ کر ٹھہر گئی تھیں۔ کیسی عجیب سی بات تھی ایک دوسرے سے شدید نفرت تھی اور حیات کا مقصد ایک ہی تھا' جینے کی وجہ ایک ہی تھی' زندگی کا محور ایک ہی تھا۔ حریم حسین' حریم حسین اور صرف حریم حسین۔

حریم کے سینے پر ہاتھ رکھے' اس کی دھڑکنوں کو محسوس کرتی وہ شاید یہ اطمینان پاتی رہنا چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی کا دل بالکل صحیح رفتار سے دھڑک رہا ہے اور وہ اشعر حسین بیٹی کے چہرے کے قریب اپنا چہرہ کیے' اپنے چہرے پر اس کی

وہ کچن میں تھی جب اس نے اپنا موبائل کی رنگ ٹون سنی۔ وہ حیران سی کمرے میں آئی اور سائڈ ٹیبل پر پڑا اپنا موبائل اٹھایا۔ افیشن کا نام دیکھتے ہی اس کے چہرے پر کال ریسیو کرلی۔ اسے دو سال شانیوں میں گھرے پچھلے ونوں میں اپنی اس دوست کا خیال آیا ہی نہیں تھا مگر افیشن نے بھی اس تمام عرصے میں اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی چھٹی بڑھوانے کے لیے جو درخواست اسے بھجوائی تھی' اس کے بعد سے افیشن کا کوئی فون نہیں آیا تھا۔ اپنی جاب کے حوالے سے اسے کوئی خوشگوار امیدیں وابستہ نہیں تھیں۔ پہلے جو چھٹی اسے بغیر تنخواہ کے بہت ساری باتیں سنائے جانے بلکہ اچھا خاصا ذلیل کرنے کے بعد دی گئی تھی اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہر بری سے بری بات وہ خود سوچ سکتی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟ خاور بھائی' بچے سب ٹھیک ہیں؟" سب سے پہلے اس نے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

"آفس میں سب ٹھیک ہے؟"

"ہاں' بس تمہاری بہت کمی محسوس ہوتی ہے۔"

"میں جاب پر ہوں یا نکال دی گئی ہوں۔" اس کے سنجیدگی سے پوچھے سوالوں کا افیشن روانی سے جواب دیتے اس سوال پر ٹھٹک کر چپ ہوئی۔

"خرد ..."

"افیشن! جو بھی بری خبر ہے۔ مجھے بتا دو کیونکہ بات کچھ کچھ تو میں سمجھ ہی گئی ہوں۔" افیشن کے کچھ کہنے سے قبل اس نے متانت سے کہا۔

"خرد وہ امجد صاحب نے تمہیں ..." وہ ہچکچا کر چپ ہو گئی۔ شاید ایک بری خبر دوست کو سنانے کی اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

"انہوں نے مجھے جاب سے نکال دیا۔" اس نے خود اس کا جملہ مکمل کر دیا۔ افیشن جواب میں بالکل چپ رہی اور اس کی یہ چپ اپنے اندر ہر سوال کا واضح جواب تھی۔ ایک دو سیکنڈز کی خاموشی کے بعد افیشن اپنے اندر کچھ جرأت پیدا کر کے اسے ساری بات بتانے لگی۔ جب خود جان ہی گئی تھی تو اب کچھ بھی چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں

لیے کہ اس آخری کش کی گھڑی میں اگر وہ تمہارے اور حریم کے ساتھ ہے تو پھر ہمیں اسے ایک اور موقع دینے میں کوئی حرج نہیں۔ غلطیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں اور انہیں معاف بھی ہم انسان ہی کیا کرتے ہیں۔"

اس کے لبوں پر اس کی نصیحتوں نے ایک تلخ سی ہنسی بکھیر دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہونٹوں پر ایک خاموش اور تلخ مسکراہٹ۔ اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا یا کیا کہ اچانک ہی اس نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ کمرے کے کھلے دروازے کی چوکھٹ کے ساتھ اسے اشعر کھڑا نظر آیا۔ وہ پتا نہیں یہاں کب سے کھڑا تھا اور پتا نہیں کیا کچھ سن چکا تھا۔ ایک سیکنڈ کے لیے تو وہ بالکل خاموش ہو گئی' اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کرے پھر اس نے اشعر کو واپس پلٹتے دیکھا' وہ ایک لمحے کے اندر وہاں سے واپس جا چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

چار دنوں تک ساری دنیا سے ناراض اپنے کمرے میں بند ہو کر گزارنے کے بعد آخر اس نے پانچویں دن انہیں اپنے کمرے میں آنے کی اجازت دی تھی۔ ان چار دنوں میں وہ نہ کسی سے ملی تھی' نہ کوئی کال ریسیو کی تھی۔ اس کے کولیگز کی اس کے کلائنٹس' اس کے دوستوں کی' اس کے کاروباری ساتھیوں کی نجانے کس کس کی کتنی بے شمار کالز اس کے موبائل اور آفس میں رابطے میں ناکامی پر ان کے گھر کے فون نمبرز پر آرہی تھیں۔ زرینہ ہر ایک سے "سارہ کی طبیعت خراب ہے' وہ بات نہیں کر سکے گی" کہہ کر بات کرانے سے معذرت کر رہی تھیں۔ سارہ نے جب انہیں اپنے کمرے میں آنے سے صاف منع کر دیا تھا تو کسی سے ملنے یا بات کرنے کے لیے کیسے آمادہ ہو سکتی تھی؟ بس انہی اس نے ان کے بہت منت سماجت کرنے پر اجازت دے دی تھی کہ وہ اس کے لیے کسی ملازم کے ہاتھ ناشتہ اور کھانا کمرے میں بھجوا دیں۔ کھانے کی ٹرے اس کے لیے جاتا تھی وہ ویسی کی ویسی ہی واپس بھی آجاتی تھی۔ اس میں سے کچھ بھی وہ کھاتی چکھتی نہیں تھی مگر انہیں ملازم کے آنے سے اتنی تسلی تو مل جاتی تھی کہ وہ اندر ٹھیک ہے۔ بس صرف اوندھے منہ بستر پر لیٹی ہے۔ اور پھر پورے چار دنوں بعد جب وہ دروازے کے باہر ہی سے اس سے بہت برے لہجے میں کہہ رہی تھیں کہ وہ اگر خود کمرے سے باہر نہیں نکل رہی تھی تو کم از کم انہیں تو اندر آنے کی اجازت دے دے۔ تب اس نے انہیں اندر آنے کی اجازت محض ایک "ہوں" کے ذریعے دی تھی۔ نہ مزید کچھ کہا نہ اٹھ کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ بے تابی سے دروازہ کھول کر خود اندر داخل ہوئیں تو وہ بیڈ پر بیٹھی نظر آئی۔ انہوں نے ایک نظر کمرے پر ڈالی۔ کمرے کا پورا حلیہ ہی بگڑا ہوا تھا۔ کیلے' مگھنٹے' کارپیٹ پر ادھر ادھر پھینکے ہوئے قیمتی ڈیکوریشن پیسز دیواروں پر مار کر توڑ پھوڑ دیے گئے تھے۔ غصے میں اس نے کمرے کی کوئی چیز بھی سلامت نہیں چھوڑی تھی۔

اپنا پرانفاست اور خوبصورتی سے سجایا گیا سمیٹا ہوا آراستہ کمرہ اس نے خود پورے کا پورا اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ تیزی سے چلتی وہ اس کے پاس آگئیں' اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا ہے میرے خدا کے لیے مجھے کچھ تو بتاؤ۔ دیکھو تو ذرا تم نے اپنی حالت کیا بنالی ہے۔" اپنی حسین بیٹی کا اجڑا روپ انہیں دکھ اور شدید غصے میں بیک وقت مبتلا کر گیا۔ کس کی وجہ سے تھی ان کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کی یہ حالت۔

"وہ خبر دو واپس آگئی ہے۔"

"کیا؟" انہوں نے نا سمجھ آنے والے انداز میں بیٹی کو دیکھا۔

"خرد احسان' اشعر حسین کی زندگی میں واپس آگئی ہے۔ یہی کہا ہے میں نے۔" وہ غصے سے چلائی۔

"تم سے کس نے کہا؟"

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ساتھ میں اس کی بیٹی بھی تھی۔ کیا ایک کمپلیٹ فیملی کا تاثر پیش کر رہے تھے وہ لوگ مل کر۔ بڑی محبت سے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھا رہا تھے وہ لوگ۔" اس کے لہجے میں غصہ اور حقارت دونوں شامل تھا۔ زرینہ آنکھیں پھاڑے بیٹی کو بے اعتباری سے دیکھ رہی تھیں۔ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟

"وہ بے چاری چھوٹے شہر کی مسکین سی لڑکی' وہ آپ کی اس بیٹی سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ کم از کم اپنی بھولی بھالی شکل کا سارا فائدہ تو کرا سے اس شخص کا دل جیتنا تو آتا ہے۔ اس نے لندن فیشن اسکول کی شکل نہیں دیکھی۔ فیشن ڈیزائنر کے مقابلے میں اگلی دس

تندرست ہو جائے گی تو اچھا اب پھر لاہور جا کر اپنے کام کاج دیکھو۔ یہ بتاؤ حریم کہاں ہے؟ اسکول کی افسوس اور بوجھل پن سے کہنا چاہا۔

"اشعر کے ساتھ ہے یا بالکونی میں۔ ان دونوں کو وہاں گملوں میں بہت سارے پودے لگانے ہیں۔ بھی دونوں یا غیابی طور پر مصروف ہیں۔" آنسو صاف کرتے اس نے بھی لہجے کو حتی الوسع سے جواب دیا۔

حریم اشعر سے بہت جلدی مانوس ہو گئی ہے وہ اس سے اتنی مانوس اور اٹیچڈ ہے جیسے اپنے شوہر سے جاتی ہے ہمیشہ سے برتتی آئی ہے۔" اس نے افیشن کے لہجے کی سچائی اور دیانت داری سے جواب دیا۔

"آخر خون کا رشتہ ہے بیٹی باپ سے کیوں نہ مانوس ہو گی۔"

"خون کا رشتہ تو بے شک ہے مگر حریم جو اشعر سے اتنی جلدی اتنی زیادہ مانوس ہو گئی ہے اس کے ساتھ زیادہ بے تکلف ہوئی ہے تو اس میں سارا کمال اشعر کی محبت اور چاہت بھرے رویوں کا ہے۔ وہ اسے بہت والہانہ اور بے ساختہ چاہتا ہے۔ حریم سے اس کے کہیں کوئی کھوٹ نظر نہیں آتا۔" وہ سچائی سے بولی اس سے اسے جو نفرت تھی وہ جلد ہی ختم ہو گئی نفرت کا شکار ہو کر وہ یہ جھوٹ نہیں بول سکتی تھی کہ اشعر حریم کے حق میں اچھا ثابت نہیں ہو رہا۔

"تم سے ذکر کر کے اشعر کا میں نے جو خاکہ بنایا تھا کسی انڈین کمرشل موویز کے ظالم اور خطرناک ولن جیسا تھا مگر اب حریم کے ساتھ اس کے برتاؤ کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ وہ اتنا برا بھی نہیں۔ کم از کم ولن تو ہرگز نہیں۔" افیشن محظوظ دلی سے ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں افیشن! وہ میرے ساتھ جیسا بھی تھا جو بھی کیا کم از کم حریم کے حق میں وہ واقعی بہت اچھا ثابت ہے۔"

"اللہ کرے اب وہ اچھا ہی رہے۔ حریم کے لیے تمہارے لیے بھی۔ اگر وہ اپنی غلطیوں پر سرمندہ ہو کر معافی مانگے' تمہارے ساتھ زندگی نئے سرے سے شروع کرنا چاہے تو اس کا ہاتھ تھامنے میں دیر مت کرنا۔

زندگیوں میں بھی نہیں بچ سکی تھی اس کی رسائی وہاں تک ہے جہاں آپ کی بیٹی اگلی سوزندگیوں میں بھی نہیں بچ سکتی۔" اس نے تھے سے سائیڈ ٹیبل پر ملامت پڑی واسعہ اٹھا کر زور سے دیوار پر مارا۔ زخم خاموشی سے بیٹی کے اندر انگارہ چبھو رہی تھیں۔

"دو دن کی لڑکی کے لیے میں بھی اپنے ساتھ ناانصافی نہیں کروں گا۔" وہ اس کے پہلو میں اس کی بیوی کی حیثیت سے پھر جا بھی ہے۔ "میں نے مجھے بھی اپنے برابر ناانصافی کرانے نہیں کیا۔ اس دو دن کی معمولی لڑکی سے میں اپنا حاصل اپنا موازنہ کررہی ہوں مقابلہ کررہی ہوں اور اس مقابلے میں وہ سارہ اجمل کو مات دیتی دکھائی دے رہی ہے جہاں سارہ اجمل کی رسائی نہ ہوتی ہے نہ کبھی ہوسکے گی۔" وہ نفرت اور حقارت سے چلا رہی تھی زور زور سے بول رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بھی نکل آئے تھے۔

"جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ شدید نفرت کے بعد اشعر ایسا کس طرح کرسکتا ہے؟" زرنے سے خود کلامی کی۔

کیا ہوسکتا ہے۔ اشعر حسین سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھی شہر میں ڈنکے کی چوٹ پر اپنی بیوی اور بیٹی کو لے کر گھوم رہا ہے۔ بعد صرف اپنی حیثیت اشعر سے دوبارہ منوا چکی ہے بلکہ اپنی بھی کہ مردوں کو کس طرح قابو کیا جاتا ہے۔ اب شاید یہ نرسنگ مجھے اس تھرڈ کلاس لڑکی کی لیا پڑے گی۔ "وہ پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں چیخنے لگی تھی وہ پہلے سے بھی زیادہ شدت سے چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

اشعر نے اس کی فون پر ہونے والی گفتگو سنی تھی، باتیں سن لی تھیں، اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ پہلے تو کہ شاید وہ کافی دیر سے وہاں کھڑا تھا پھر لگا کہ شاید وہ اسی وقت وہاں آیا تھا جب اس نے بغیر صرف خاموشی سے ایشن کی تھی جو سن رہی تھی۔ اشعر نے دعا کی کہ وہ اسی وقت وہاں آیا ہو۔ اتنے لمحوں بعد ایک بعد دوسرا کہ سارہ دوست کی آواز سنی تھی۔ اتنے لمحوں بعد کوئی بات سننے والا تھا تو وہ خود پر قابو رکھ کی نہیں پائی تھی۔ یہ باتیں ہوتے ہوئے سچے

اپنے دل کی کون کون سی باتیں وہ افیشن سے کہہ گئی دل کو یہ باتیں بھی نہیں لگ رہی تھی کہ اس نے باتیں اس کی غلط ہیں اس کی سوچیں اشعر کے جائے مگر اس کے تاثرات سے ایسا لگ نہیں رہا تھا نے کچھ سنا ہے۔ گو وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے چہرے کے تاثرات چھپا کر رکھنے میں کمال درجہ حاصل ہے پھر بھی یہ دعا کررہی تھی کہ وہ سے غلط ہو رہا ہے۔ سچ بھی یہی ہو۔ اشعر نے کی فون پر ہونے والی کوئی بھی بات نہ سنی ہو۔ رات بھی اور وہ دونوں کل جل کر حریم کو روزی کی طرح گھما چکے تھے۔ حریم بیڈ پر بیٹھ کر اپنی کلرنگ بک میں پسندیدہ کارٹون کریکٹر کی تصویر میں رنگ بھر رہی تھی سامنے صوفے پر بیٹھی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

کل صبح آٹھ بجے تک انہیں ہسپتال پہنچ جانا تھا اور بجے پہنچنے کے لیے صبح تیار بھی جلدی ہونا تھا سوچ رہی تھی کہ اسے ہسپتال لے جانے کے لیے سارا ضروری سامان ابھی پیک کرلینا چاہیے۔ اشعر کمرے میں آیا تو بجائے حریم کے پاس جا کر بیٹھنے کے صوفے پر اس کے برابر میں آکر بیٹھ گیا۔

"تم نے حریم کو کل ہسپتال جانے کا بتایا؟" بہت آہستہ آواز میں اشعر نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔" اشعر کی طرف دیکھے بغیر اس نے بھی آہستہ سے جواب دیا۔ وہ بھی حریم سے اس کی بیماری کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ علاوہ اسے بھاگنے دوڑنے اور خود کو تھکانے سے منع کرنے کے وہ اسے ایسا کچھ بھی نہیں کہتی تھی جس میں اس کی بیماری کا کوئی ذکر شامل ہو۔

اگر ابھی وہ دونوں اسے اعتماد میں لے کر پیار سے سمجھا دیتے کہ آئندہ کافی سارے دنوں تک اسے گھر پر نہیں بلکہ ایک ہسپتال میں رہنا ہوگا تو اس کا والدین پر اعتماد قائم رہے گا۔

اشعر اس کے پاس سے اٹھ کر بیڈ پر حریم کے بالکل پاس جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سر فیسیل کا کونا منہ میں دبائے اپنے مخصوص انداز میں کچھ سوچنے میں مصروف تھی۔

"بابا! آپ کیسی لگ رہی ہے؟"

"اچھی ہے مگر بابا کی پرنس جتنی اچھی نہیں لگ رہی۔ میری پرنس تو سب سے اچھی ہے۔" اس نے اسے گود میں اٹھا کر بٹھایا اور والہانہ اس کے دونوں گالوں

پیار کیا۔ اس کے گرد محبت سے اپنے دونوں ہاتھ لپیٹ دیے۔

"بابا! حریم کو کلر کرنا ہے۔" اس نے انہیں کی گود سے اترنے کی کوشش کی۔

"کلر بک ابھی کرلینا سویٹ ہارٹ پہلے بابا کی ایک بات سن لو۔" اس نے حریم کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"پرنس آپ کو ڈاکٹر انکل کیسے لگتے ہیں؟"

"اچھے۔" اس نے معصومانہ سنجیدگی سے یک لفظی جواب دیا۔

"آپ کے اچھے والے ڈاکٹر انکل نے کہا ہے کہ حریم کو میرے پاس ہسپتال میں ایڈمٹ کروادو۔ میں اس کا اتنا اچھا علاج کروں گا' اسے اتنی اچھی اچھی میڈیسنز دوں گا کہ حریم فوراً" ٹھیک ہو جائے گی پھر حریم کو کوئی بھاگنے سے بھی منع نہیں کرے گا۔ پارک میں جھولے پر بیٹھنے سے بھی منع نہیں کرے گا اور ماما' حریم کو اسکول بھی جانے دیں گی۔ فرنچ فرائز اور آئس کریم بھی خوب ڈھیر ساری جتنی حریم کا دل چاہے گا' اتنی کھانے دیں گی۔" حریم کی طرف بغور دیکھتے وہ ٹھہر ٹھہر کر آسان لفظوں میں بات اسے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

"حریم کو اسکول جانا ہے؟ سی سا پر بیٹھنا ہے؟" اس کے سوالیہ انداز کا حریم نے سر کو زور زور سے اقرار میں ہلا کر جواب دیا۔

"تو پھر آپ کو ڈاکٹر انکل کی بات مان کر کل ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونا ہوگا۔"

"ایڈمٹ کیا ہوتا ہے؟" ٹکر ٹکر اسے دیکھتے اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہسپتال میں ایڈمٹ ہونا یہ ہوتا ہے کہ آپ کو تھوڑے دنوں تک جب تک ڈاکٹر انکل کہیں گے' اس وقت تک ہسپتال میں ہی رہنا ہوگا۔ رات میں بھی وہیں رہنا ہوگا' وہیں سونا ہوگا۔ اکیلے نہیں' وہاں حریم کے پاس ماما بھی ہوں گی' بابا بھی ہوں گے۔" خود بھی صوفے سے اٹھ کر حریم اور اشعر کے پاس بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔

"تھوڑے دنوں تک ہمیں صرف وہیں پر رہنا ہوگا مگر حریم وہاں اپنے تھوڑے سے Toys لے جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر انکل نے پرمیشن دی ہے حریم وہاں Annie کو بھی ساتھ لاسکتی ہے۔ حریم کا دل چاہے گا تو وہ وہاں اپنے Toys کے بھی کھیل لے گی۔ ڈرائنگ بھی کرے گی اور حریم کے روم میں ٹی وی بھی ہوگا۔ اگر حریم فائن بوائے گا تو حریم اپنا کوئی فیورٹ کارٹون بھی دیکھ سکے گی۔" اس نے حریم کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیار سے سنوارتے ہوئے رسانیت سے اسے سمجھایا۔ حریم ابھی بھی اشعر کی گود میں تھی اور اس کے قریب آکر بیٹھنے سے وہ اشعر کے کتنے قریب آگئی ہے۔ اسے اس وقت یہ احساس تھا ہی نہیں۔ ان دنوں اس کے محسوسات' اس کی تمام حسیات صرف حریم پر مرتکز تھیں۔ حریم' اشعر کی کمزوری تھی ہے' یہ اسے نظر آرہا تھا مگر اشعر کے ہونے کا کوئی احساس اس تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ اس تک پہنچنے والا ہر احساس محبت کی ہر آنچ صرف حریم سے وابستہ تھی۔

اس نے جھک کر حریم کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا' اسے پیار کیا۔

"ہسپتال میں اچھے بچوں کی طرح رہو گی نا۔" آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں اس کی آواز کچھ بھاری سی ہو گئی تھی۔ مسکرا کر بیٹی کو دیکھتے وہ اس کے سامنے بالکل بھی نہیں رونا چاہتی تھی۔

"پرنس آپ کی ماما بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ نے گڈ گرل بن کر ہسپتال میں رہنا ہے۔ ڈاکٹر انکل کی ساری باتیں ماننی ہیں۔ گندے بچوں کی طرح رونا اور ضد بھی نہیں کرنا ہے۔ ڈاکٹر انکل کو بھی تو پتا چلے کہ بابا کی پرنس کتنی بہادر' کتنی اسٹرونگ ہے۔" اشعر نے حریم کے کمزور پڑتے ہاتھوں کو مزید مضبوطی سے پکڑ کر اسے اپنے اور قریب کرلیا۔

"ہم بھی آپ کے ساتھ آئیں گے بابا؟" اس کے چہرے پر ابھی بھی کچھ الجھن تھی۔

"بہت جلدی' ان شاء اللہ' بہت جلدی اور وہاں سے میری پرنس بالکل ٹھیک ہو کر آئے گی پھر کوئی منع کرے تو دیکھے میری بیٹی کو بھاگنے اور کھیلنے سے' پارک جانے سے' اسکول جانے سے' آئس کریم کھانے سے پھر میری پرنس کو کوئی بھی بات سے منع نہیں کرے گا۔" اشعر کے یقین دلانے پر بات سمجھ لینے والے انداز میں اس نے سر ہلا دیا۔ بڑی سمجھ داری سے اثبات میں ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

حریم کے چہرے کو کبھی بھی' کبھی محبت سے سمیٹتے سجاتے

کس وقت اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ کمرے میں کوئی شور شرابا نہیں تھا پھر پتا نہیں کس چیز نے اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر سوئی ہوئی حریم کو دیکھا۔ وہ بالکل بے فکری والی گہری نیند سوئی نظر آتی تھی اس کی سانسیں اس کے دل کی دھڑکنیں سب کچھ بالکل نارمل تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے حالات میں یونہی گہری نیند سے بیدار ہو کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی دھڑکنوں کو محسوس کیا کرتا تھا۔ اس کی سانسوں سے کمرے کو دیکھا کرتا تھا حریم کو پرسکون سوتا دیکھ کر اس نے اس کے برابر والی جگہ کو دیکھا۔ وہ جگہ خالی تھی۔ خود وہاں نہیں تھی گردن گھما کر اس نے واش روم کی طرف دیکھا۔ اس کی لائٹ آف تھی۔ شاید وہ پانی پینے کچن میں گئی ہوگی۔ گھڑی پر نظر ڈالتے اس نے سوچا۔ اس وقت میں کئی ہوگی۔ گھڑی پر نظر ڈالتے اس نے سوچا۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ دس بارہ منٹ گزر گئے اور وہ کچن میں واپس نہیں آئی تب حریم کا سر بری بے چینی سے اپنے بازو کے نیچے سے ہاتھ نکالتا وہ بیڈ سے کھڑا ہوا۔ کمرے سے باہر بغیر کوئی آواز اور آہٹ پیدا کیے وہ باہر نکلا۔ پورے اپارٹمنٹ میں اندھیرے اور خاموشی کا راج تھا۔ کہیں کوئی حرکت، کوئی آواز، کوئی روشنی نہیں تھی۔ کوریڈور میں ذرا آگے بڑھنے پر اسے کسی کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دیں۔ یوں لگا کہ کوئی گھٹ گھٹ کر رو رہا ہے۔ یہ آواز لیونگ روم سے آرہی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتا لیونگ روم کے کھلے دروازے پر رک گیا۔ ایک چھوٹی سی ٹیبل لیمپ جلائے جائے نماز بچھائے حریم بیٹھی تھی۔ اس کی سسکیوں کی آواز اب کم ہو گئی تھی مگر رات کی اس گہری خاموشی میں بہت ہلکی سی آواز بھی کورپڈور تک سنائی دینے لگی تھی۔ وہ سسک سسک کر روتے کچھ دعائیں بھی پڑھتی جارہی تھی۔ وہ بہت دیر کھڑا رہا۔ اللہ سے مانگے جانے والے بالکل خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اللہ سے جتنا اسے حریم کی تڑپ کی کوئی خبر ہوئی ہی نہیں تھی۔ بہت دیر رونے کے بعد وہ جس خاموشی سے آئی تھی اسی خاموشی سے پلٹ بھی گیا۔ کمرے میں آکر وہ کھڑا ہوا تھا اسی خاموشی سے پلٹ بھی گیا۔ کمرے میں حریم کے برابر لیٹے وہ بالکل گم صم تھا۔ جاگا ہوا لیٹا وہ حریم کو دیکھ رہا تھا اور سوچ بھی نہیں پا رہا تھا کہ کیا۔ کچھ سوچ بھی رہا تھا کہ نہیں۔ اسے خود معلوم نہیں تھا۔

حریم کے ہسپتال جانے کے بعد اس نے ڈاکٹر انصاری کو فون کیا۔ ڈاکٹر انصاری نے اسے بتایا تھا کہ حریم کے بلڈ ٹیسٹ اور یورین ٹیسٹ وغیرہ ہونے تھے جن کے لیے اسے وہاں تقریباً چھ گھنٹے ان ٹیسٹوں کے بعد ہی اسے ڈسچارج کرنا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بیٹی کو اپنے ہاتھوں کا بنا ہوا اس کی پسند کا ناشتہ کھلائے۔ اس کی من پسند اشیا پوپ مشتمل بہت اچھا سا ناشتہ بنا کر سلیقے سے پیک کر لیا۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے حریم کو جگایا۔

اس کا منہ دھلا کر اس کو تیار کیا۔ Annie G اور دوسرا بہت سا سامان تھا' اس لیے حریم اس کے بھائی کے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ اپنا گلوز اور ڈرائنگ بکس کلر پنسلیں بھی اس نے اس سے بیگ میں رکھوائی تھیں۔ ابھی تو وہ اتنی خوش تھی جیسے کسی پکنک پر اسے لے جایا جارہا ہو' اس کے لیے تیار ہو کر اپنا ساز و سامان لے کر ہاسپٹل جانا بھی جیسے ایک تفریح ہی تھا۔

ڈاکٹر انصاری نے انہیں بتایا تھا کہ سرجری کے بعد کم سے بارہ دنوں تک ہاسپٹل میں رہنا پڑے گا اور پھر گھر آنے کے بعد اس کا بیڈ ریسٹ اور مکمل احتیاط برتے جانے کا عرصہ کم سے کم بھی دو ڈھائی ماہ پر مشتمل ہو گا۔

"چلیں؟" اشعر نے اس سے پوچھا۔ وہ دل میں چھپی قرآنی سورتوں کا ورد کر رہی تھی۔ جھٹکے سے اس نے حریم کے اوپر دم کیا اور پھر اشعر کے سوال کے جواب میں سر اثبات میں ہلایا۔ اشعر نے حریم کو گود میں اٹھا لیا۔ وہ تینوں گھر سے باہر نکلنے لگے تب ہی اس نے اپنے دل کی تمام تر شدتوں سے سچائیوں سے اللہ کو پکارا۔

"بہت پیار ہے' اس کائنات میں میری بیٹی یہاں سے پیاری ہے۔ میرے اللہ! تو ایسا کر دے کہ ہر بیماری سے آزاد ہو کر مکمل طور پر صحت مند اور تندرست ہو کر میری بیٹی اس گھر میں واپس لوٹے۔ میری آنکھوں کو یہ منظر دکھا دینا میرے اللہ!"

☆ ☆ ☆

وہ بیسمنٹ میں موجود پارکنگ میں اپنی گاڑی کے پاس پہنچے بھی نہیں تھے کہ حریم نے اپنے فیورٹ چاکلیٹ کو کیز خریدنے کی فرمائش کر دی۔

اس نے ایسی کوئی بھی حجت کیے بغیر وہ اسے گود میں اٹھائے اپنے ساتھ بیسمنٹ سے باہر لے گیا۔ وہ حریم کو اٹھائے اپنی گاڑی کی پسند کے کوکیز لا کر واپس آیا تو حریم اسے اپنی گاڑی میں سے کسی چیز سے بے نیاز نہیں ہوئی تھی۔ اسپتال کے اس حصے کو 'ٹراما' اور تمام سہولیات سے آراستہ روم میں وہ بیڈ کے سرہانے سے تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔

سوا ایک بجے کے قریب ڈاکٹر انصاری حریم کے روم میں آئے۔ حریم کے ساتھ چند پر لطف باتیں کرتے ڈاکٹر انصاری نے اس کا معائنہ کیا۔ اپنے ساتھ موجود نرس اور ڈاکٹر کو تمام دن بھر حریم کی observation کے حوالے سے چند ہدایات دیں اور اشعر کو یہ بھی بتایا کہ کچھ دیر میں ڈاکٹر سفیان رضی ہو حریم کی سرجری کے دوران anesthesia نیم کو لیڈ کریں گے۔

ڈاکٹر سفیان رضی کے جانے کے آدھے پون گھنٹے بعد حریم کے روم میں آئے۔

فزیکل ایگزامینیشن کے بعد انہوں نے اشعر اور خود سے حریم کی گزشتہ اور موجودہ صحت کے متعلق کچھ سوالات کیے تھے۔

ڈاکٹر انصاری سے تو وہ پہلے ہی خوب واقف تھی اور انہیں پسند بھی کرتی تھی' یہ پسندیدگی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ کل صبح حریم کی سرجری تھی اور ڈاکٹر رضی نے حریم کے روم سے نکلنے سے پہلے ان لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ اس چیز کی تاکید کی تھی کہ حریم کو آج رات ٹھوس غذا دینی کب بند کرنی ہے اور پھر اس کے بعد سوپ' جوس اور پانی وغیرہ بھی کس وقت کے بعد سے نہیں دینا ہے۔

☆ ☆ ☆

حریم ہر بات سے بے خبر اپنی ایک فرنچ بک میں رنگ بھرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ اپنے روزانہ کے معمول کے برخلاف آج صبح بہت جلدی اٹھ گئی تھی اس لیے کلرنگ کرتے کرتے ہی اسے نیند آنے لگی تھی۔ خود نے اسے تکیے پر لٹایا' اس سے باتیں کرتے کرتے وہ چند منٹوں ہی میں سو گئی تھی۔

ڈاکٹر رضی کے جانے کے کچھ دیر بعد اشعر کمرے سے باہر چلا گیا تھا' اس سے کچھ کہے بغیر گیا تھا' وہ جانتی تھی کہ وہ کہاں گیا ہے۔

اشعر کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اشعر کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ دروازے میں آکر اشعر نے سوئی ہوئی حریم کو ایک نظر غور سے دیکھا تھا۔

گاڑی اسپتال کے احاطے میں آکر رک چکی تھی۔ شہر کے ایک مہنگے علاقے میں گائناکولوجی و سیکولر ڈیزیزز کے علاج کے لیے قائم اس اسپتال کی عمارت کا exterior اور interior دونوں نہایت شاندار تھے۔

یہ Pre-operative day تھا اور آج حریم کے دوبارہ کئی ٹیسٹ ہونے تھے۔ چنانچہ اسپتال پہنچنے کے بعد سب سے پہلے وہ لوگ اسی مرحلے سے گزرے۔

"کھانا کھاؤ۔" بے تکلفانہ انداز میں اس نے اسے کہا تھا۔ اسے کھانے سے پہلے کسی چیز کی کوئی خواہش نہیں تھی۔

"مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔" اس نے کہا تھا۔ اشعر نے اس کی طرف توجہ سے دیکھے بغیر اس کے لیے پلیٹ لگائی۔ اس کے کھانے کے لیے کچھ مزید کہے بغیر اشعر نے کھانا نکالنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کھانا لیے تھے۔ تھوڑی دیر میں حریم سو کر اٹھ گئی تو اشعر نے اٹھ کر حریم کے لیے ایک گلاس میں ایپل جوس نکالا اور اسے جوس پیتا ہوا دیکھتے دل میں سوچے گئے کئی کرنا آسان لفظوں میں کس طرح ساری بات سمجھائے۔

"حریم! ڈاکٹر انکل نے کہا ہے کہ حریم بالکل ٹھیک ہو جائے" اسے گندی گندی کڑوی میڈیسنز بھی کھانا پڑیں گی۔ جانا پڑے گا۔ اس کے لیے ہمیں حریم کا تھوڑا سا بلڈ کرنا پڑے گا۔" حریم کے بالوں کو پیار سے سنوارتے نے کہا۔

"اس علاج کے لیے حریم کو ایک اسپیشل روم میں رہنا پڑے گا۔ وہاں ڈاکٹر انکل ہوں گے' نرس ہوگی' ماما ہوں گی بھی وہاں حریم کے پاس ہی ہوں گے مگر ڈاکٹر انکل نے کہا ہے ماما' پاپا اس روم میں حریم کے ساتھ سارا وقت نہیں رہ سکتے۔"

حریم جو میٹھے سے خوش ذائقہ جوس کے سپ لے رہی تھی۔ حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتی معصومیت سے بولی۔

"حریم رات کو اکیلی سوئے گی؟" اس نے مدد کے لیے اشعر کی طرف دیکھا۔

"اکیلی نہیں' وہاں بہت اچھی نیمت سوئیٹ سی نرس آنٹی ہوں گی جو حریم کا بہت زیادہ خیال رکھیں گی۔ بہت اچھے والے ڈاکٹر انکل ہوں گے وہ بھی حریم کا خوب خیال رکھیں گے اور ماما' پاپا بھی اس روم کے باہر حریم کے بالکل پاس ہی ہوں گے۔ حریم کا جس وقت دل چاہے کہ ماما پاپا اس کے پاس آجائیں بیل فٹ سے نرس سے کہہ کر ہمیں بلا لے گی۔ ہماری پرنس تو بہت بہادر ہے' وہ تو ماما' پاپا کے بغیر بھی رہ سکتی ہے۔ رہ سکتی ہے نا نہیں؟" اشعر نے بڑے پیار سے اسے سمجھایا تھا۔ حریم کے چہرے پر الجھن اور کچھ پریشانی سی تھی۔ پاپا کا مسئلہ نہیں تھا' ان کے بغیر وہ رات میں رہ سکتی تھی مگر ماما کے بغیر رات میں اکیلے؟ وہ نئی کے تاثرات کو بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ ان دونوں کی تمام نئی بات سے ہرگز خوش نہیں تھی مگر مجبوری تھی پاپا نے

کارڈیالوجسٹ نے حریم کا تفصیلی چیک اپ کیا تھا۔ اس نے نرس کو حریم کو کچھ میڈیسن دینے کو کہا تھا۔ وہ اور اشعر دونوں حریم کے بالکل قریب کھڑے تھے۔ کیا ہونے والا ہے حریم کو کچھ پتا نہیں تھا وہ تیاری تھی اور وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر آنسوؤں کو پیتی حریم سے روز مرہ جیسی ہی باتیں کر رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ حریم کی پیشانی پر رکھا ہوا تھا۔ جیسے جیسے اس دوا کا اس پر اثر ہونا تھا۔ ویسے ویسے اس کی بھوری بھوری آنکھیں غنودگی میں ملنے لگی تھیں۔ جیسے ہی حریم غنودگی میں چلی جاتی اسے آپریشن تھیٹر لے جایا جانا تھا۔ حریم اپنی بھاری بھاری پلکوں کو زبردستی اٹھا اٹھا کر اپنی گہری سیاہ آنکھوں کو بند ہونے سے روک رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے ماما کی بات پوری سننا چاہتی تھی مگر اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے جھک کر بیٹی کی پیشانی کو چوما تھا۔ اسے آپریشن تھیٹر لے جائے جانے کی تیاری ہونے لگی تو اس کا دل چاہا۔ وہ بیٹی کے دل کو چیر پھاڑ کرنے کے لیے جتنا بھی ناگزیر سہی پر وہ کیسے اپنی بیٹی کی زندگی کے لیے ان ڈاکٹروں کو روک دے یہ آپریشن اس تکلیف کو کہ اس کے دل کو کھولا جائے اس کا خون پہلے اسے نوکیلے اوزار چبھیں گے اس کے دل کو کام کرنے سے روک کر اسے کسی مشین پر زندہ رکھا جائے۔ اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے وہ پوری کی پوری کانپ بری طرح رو رہی تھی۔ اسی پل کسی نے اس کے کانپتے ہوئے سر پر ہاتھ کو اپنے مضبوط اور گرم ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا کا پیغام دیتا نرم سا تاثر پھیلا ہوا تھا۔ اس تسلی اس سہارے سے بڑھ کر اس کے لیے اور کوئی بھی چیز نہیں ہو سکتی تھی اس نے اپنا کانپتا ہوا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھوں کے اوپر رکھ دیا تھا اور اس نے اسے بھی اسی مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حریم کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا جا چکا تھا اور وہ دونوں ریڈور میں کھڑے تھے۔

اشعر نے اسے کندھے سے پکڑ کر بینچ پر بٹھایا تھا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا وہ اپنے دل اپنے دماغ اور اپنی سوچوں کو اس وقت صرف اور صرف تسبیحات وظائف اور دعاؤں میں لگانا چاہتی تھی مگر یہ بھی

شام کے چھ بج رہے تھے اور یہ وزیٹنگ آورز تھے۔ خرد ہاتھ روم میں تھی اور وہ حریم کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ جب ان کے دروازے پر ہلکے سے دستک دے کر ایک خاتون اندر آئیں۔ پہلی نظر میں وہ انہیں بالکل بھی نہیں پہچان سکا تھا البتہ حریم نے بڑی گرم جوشی سے انہیں سلام کیا اور ساتھ ہی کسی فضہ باجی کا پوچھا۔

"فضہ باجی نہیں آئیں؟"

"فضہ باجی گھر پر پڑھائی کروا رہی ہیں ان کے ایگزامز ہو رہے ہیں اس لیے۔" حریم کے قریب آکر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔ اسے یاد آیا یہ وہی خاتون ہیں جن کے پاس حریم اور خرد اس کے ساتھ آنے سے پہلے رہ رہی تھیں۔

وہ اس سے انتہائی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے ملا۔

"آپ بیٹھیے۔ خرد باتھ روم میں ہے۔"

تب ہی خرد باتھ روم سے نماز کے لیے دوپٹہ لپیٹتی نکلی تو انہیں سامنے بیٹھا دیکھ کر والہانہ ان کی سمت بڑھی۔

"آپ کو اتنی زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آنٹی فون کر کے حریم کی خیریت پوچھ لیتیں۔" وہ ان کے گلے لگ کر کہہ رہی تھی۔

"ڈیئر میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے میرے لیے۔ خبردار جو یہ زحمت وحمت جیسے لفظ میرے ساتھ بولے۔"

"نہیں بولوں گی۔ میں تو بس آپ کے تحفوں کی تکلیف کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔" وہ ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ خرد سے بلکی پھلکی مگر تسلی آمیز گفتگو کر رہی تھیں۔ وہ واقعی مہذب خاتون تھیں۔ حریم کے صرف پندرہ بیس منٹ رکنے کی وہ جانے کے لیے اٹھ گئی تھیں۔ خرد نے صوفے پر سے اٹھ کر انہیں وہیں سے خدا حافظ کہہ دیا تھا جبکہ وہ انہیں خدا حافظ کہنے دروازے کے باہر لفٹ تک ان کے ساتھ آیا تھا اور حریم کی عیادت کے لیے آنے پر اس نے ان کا بہت شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

ہزار چاہنے کے باوجود بھی وہ رہ رہ کر یہی خیال
جارہا تھا کہ اندر اس وقت حریم کے ساتھ کیا ہو رہا ہو گا۔
ڈاکٹر انصاری نے سرجری کا جو تمام تر پروسیجر انہیں
تفصیلی طور پر سمجھایا تھا، وہ خوف اور اذیت سے کانپ رہی
تھی وہ اپنا سارا دھیان صرف دعاؤں پر رکھنا چاہتی تھی۔ مگر
اس کے ذہن میں آپریشن روم کے اندر کا تصور اتنی منظم
مسلسل آئے چلا جارہا تھا۔

"حریم ٹھیک ہو جائے گی نا؟" آپریشنگ روم کے
خوفناک منظر سے پیچھا چھڑا کر اس نے اشعر کی طرف
دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اب تیزی سے بہہ رہے
تھے کہ وہ اسے بہت دھندلا دھندلا سا نظر آیا۔

"ان شاء اللہ ہماری بیٹی بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ
اپنے ہاتھ سے اس کے چہرے پر بکھرے آنسوؤں کو صاف
کرتا ہوا نرمی سے بولا۔ وہ یک دم ہی اس کے کندھے پر
سر رکھ کر رو پڑی۔

"اگر حریم کو کچھ ہوا، میں کیسے زندہ رہوں گی، ابھی تو
اتنی چھوٹی ہے میری بیٹی، ابھی تو اس نے زندگی میں کچھ بھی
نہیں دیکھا۔ اس کی ٹیچر اس کی ذہانت کی مجھ سے اتنی
تعریفیں کرتی تھیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ بہت ذہین بہت
قابل باپ کی بیٹی ہے۔ اس کے پاپا امریکہ سے پڑھ کر آئے
تھے۔" وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر روتے ہوئے بول رہی
تھی۔

"ہماری بیٹی ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ اور دنیا
کی جس بہترین یونیورسٹی میں وہ پڑھنا چاہے گی میں اسے
وہاں بھیجوں گا۔ آئی پرامس یو۔" اشعر کی بھرائی آواز اس
کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس کے کندھے پر سے سر اٹھا کر اس نے اسے دیکھا
اس نے بڑے ضبط سے آنسوؤں کو روک رکھا تھا۔

"حریم نے پھولوں کے جو بیج گملے میں ڈالے تھے، ابھی
اس میں پودا نہیں نکلا نا؟" اس کی ذہنی رو بھٹک کر کسی اور
سمت گئی تھی۔

"نہیں ابھی تھوڑے دن لگیں گے۔" اس نے
رسانیت سے اس کے سوال کا جواب دیا۔ "جب اس میں
پھول کھلیں گے تب حریم ہو گی نا وہاں ان پھولوں کو دیکھنے
کے لیے۔"

"ہاں جب پھول کھلیں گے تب حریم ہمارے ساتھ
ضرور ہو گی۔ ان شاء اللہ" اس کے یہ سوالات شاید اسے

حیران نہیں کر رہے تھے، شاید وہ خود بھی انہی باتوں کو سوچ رہا تھا۔
ادھوری رہ جانے والی باتوں کو پورا کرنا تھا۔
ان کی زندگیوں میں واپس لا کر پورا کرنا تھا۔

آپریشن شروع ہونے کے بعد تین چار گھنٹے
کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھالے رکھا تھا۔ مگر اب
اگلا لمحہ اسی طرح عذاب سے گزر رہا تھا۔
حسین کی نہیں خود ان کی زندگی اور موت
والے سخت ترین لمحات تھے۔ بغیر آواز کے
کرتی، قرآنی آیات کا ورد کرتی وہ پھر بے قراری سے
لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

پورے پانچ گھنٹے اور اٹھارہ منٹ بعد انہیں
خبری ملی تھی کہ حریم کے والو کا نقص ٹھیک کر دیا گیا
بائی پاس مشین ہٹا دی گئی اور اب حریم کا دل کسی مشین
بغیر خود مکمل کام کر رہا ہے۔

یہ آدھی خوش خبری تھی مگر یہ آدھی خوش خبری
کے لیے اتنی بڑی تھی کہ مارے خوشی اور تشکر کے
آنکھوں سے دو آنسو ٹپک گئے۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اشعر نے پوچھا۔

"روئی بہت ہوں، اللہ سے شکوے بہت کیے ہیں
ذرا اس کا شکر بھی تو ادا کر آؤں۔" روتے ہوئے
اشعر سے کہا۔ خرد کا شکرانہ پندرہ بیس منٹ پر
تھا اور ابھی وہ واپس نہیں آئی تھی کہ اس نے ڈاکٹر
کو آپریشن تھیٹر والے کوریڈور سے چل کر آتے
ہاتھ والے دوسرے کوریڈور کی طرف مڑتے دیکھا
وہ آپریشن تھیٹر ہی سے آرہے تھے وہ کسی اور طرف
تھے مگر اسے اپنے پاس آتا دیکھ کر مسکراتے ہو
گئے۔

"خوش خبری تو یقیناً" آپ کو مل گئی ہو گی۔ بیٹی
زندگی آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔"

خرد بھی اسی وقت اس کے پاس آکر کھڑی ہوئی
اس نے ڈاکٹر انصاری کے اختتامی جملے سنے تھے
کامیاب آپریشن کے بعد مریض کے لواحقین کے
سے سرشار چہروں کو دیکھ کر خود بھی خوشی اور سرشاری
دل میں پیدا ہوتی محسوس کرتے ڈاکٹر انصاری وہاں
واپس مڑ گئے۔ اس نے خرد کی طرف دیکھا۔

"حریم پھول کھلتے دیکھے گی اور..." شعری آنکھوں میں خوشی اور تشکر کے آنسو تھے۔

"جی حریم پھول کھلتے دیکھے گی اور... کل رات میں نے آپ کو بھی سنائی تھی وہ اسے بھی پوری کرے گی۔ آپ کی دعا کہانی پوری کرتے دم آیا تھا۔ میں جان بوجھ کر اسے آدھی کہانی سنائی تھی۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

○

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اشعر کو گھر جانے کی اجازت ملی تھی۔ انہیں حریم نظر نہ آئی تھی۔ وہ ہوتی تو ضرور ملتی۔ ڈھیر ساری باتوں اور مذاق میں بہلاتی۔ "اس کے پاس کھڑے ہو کر اسے بتانا اس نے آپ کو کیا اذیت دی۔" وہ بے آواز اشک بہاتے خودغرضی کی حالت میں بڑبڑائی اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھی مگر اشعر اسے ہاتھ پکڑ کر ICU سے باہر لے آیا تھا۔ اس کی آئی سی یو میں موجود کارڈیالوجسٹ سے تفصیلی بات ہوئی تھی۔

وہ اسے تھوڑی بے چینی اور بے قراری دیکھ کر اسے تھوڑی دیر بعد آئی سی یو میں جانے دے رہا تھا اس شرط پر کہ وہ حریم کو دیکھ کر فوراً باہر آجائے گی۔

رات بے قرار رہتے اور ڈاکٹروں کے مطابق حریم کی حالت تسلی بخش تھی۔ پرسوں رات اپنے گھر پر ان دونوں نے حریم کے ساتھ جو وقت گزارا تھا اتنا ہی بہت تھوڑا بہت کھایا تھا کھانے کے بعد سے وہ مسلسل جاگ رہی تھی۔ وہ کئی راتوں سے بالکل نہیں سوئی تھی اور وہ بھی دو راتوں سے بالکل نہیں سوئے تھے مگر مرد اور عورت کی جسمانی طاقت میں بہت فرق ہوتا ہے اور اسے اب یہ ڈر لگ رہا تھا کہ بے انتہا ٹینشن کے ساتھ مسلسل بھوکے پیاسے رہنے کہیں وہ خود اپنی طبیعت نہ خراب کرلے۔ اسے ہسپتال سے گھر لے جانے کے لیے کسی بھی قیمت پر راضی نہ ہوتی۔

"رات سوا نو بجے جب دونوں کو دیکھ کر واپس آئے تھے تب وہ خرد کا ہاتھ پکڑ کر وارڈ بوائے کے ہمراہ کمرے سے باہر نکلے تب وہ خرد کو لے کر ICU کی طرف لے جانے لگا۔ وہ اٹھ کے دیکھ رہا تھا۔ اشعر کو خرد کا ہاتھ پکڑے جاتے دیکھ کر تھی۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"لیکن حریم ہم یہاں اکیلی..." اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر اکیلی نہیں ہے۔ اس کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کے لیے انتہائی قابل ڈاکٹرز اور نرسیں موجود ہیں۔" اس نے پھر اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے "لیکن وہ حریم" کہنا چاہا مگر اس کے کسی اندیشے کو خاطر میں نہ لاتا وہ اسے وہیل چیئر پر بٹھا کر ریڈیو کے انتظار میں بیٹھے وارڈ بوائے کی طرف لے آیا۔

وہ اسے لے کر وارڈ میں داخل ہوا۔ اس وقت وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ پورا کمرہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اشعر نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا اور پھر خود بھی اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"حریم کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کے لیے اس کا دھیان رکھنے کے لیے اس کی تیمارداری کے لیے تمہارا خود صحت مند اور فٹ رہنا انتہائی ضروری ہے۔ اگر تم خود بیمار پڑ گئیں تو حریم کا خیال کون رکھے گا؟" اس نے رسانیت سے اسے سمجھایا۔ "مجھے کیا ہوا ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"اس طرح مسلسل بھوکے رہ کر نہ سو کر تم ٹھیک کس طرح رہ سکو گی خرد؟ کھانا وانا لے کچھ کھانا اور تھوڑا سا سونا بہت ضروری ہے۔"

وہ اس کے پاس سے اٹھا اور صوفے کے پاس رکھی چھوٹی میز پر موجود لیمپ آن کردیا۔ فیوز لائٹ اس نے قصداً بجھا دی تھی۔ وہ نیند بھگا بھگا کر تھوڑی تھوڑی زبردستی بیچاری سی اسے وہیں بیٹھا چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکلا ہاسپٹل کے احاطے میں موجود کینٹین رات نو بجے بند ہو جاتا تھا وہیں پہنچنے میں منٹ لیٹ ہو گیا تھا۔ اس لیے اب اسے کہیں باہر سے کچھ لے کر کھانا تھا۔ پارکنگ لاٹ میں آکر وہ گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا جب اس کے موبائل پر ایک نامعلوم نمبر سے کال آئی۔ اس نمبر کو وہ کال بھی نہ پہچانتے اس نے کال ریسیو کی۔

"اشعر صاحب بات کر رہے ہیں؟" کسی نوجوان خاتون کی آواز تھی۔

"جی" اس نے آواز کو پہچاننے کی کوشش کرتے قدرے حیرت سے کہا۔

"میں خرد کی دوست [illegible] بات کر رہی ہوں نواب شاہ سے۔ آپ کو اس بے وقت زحمت دینے کی معذرت چاہتی ہوں لیکن خرد کے موبائل پر بہت سے میسجز آئے ہوئے تھے کئی تو میں نے آپ کے بتائی کر کرکے میں تک گئی تو میں نے آپ کے بھائی کو فون کر کے آپ کی ملازمہ سے آپ کا سیل نمبر لیا۔ دراصل میں حریم کی خیریت پوچھنا چاہ رہی تھی حریم کیسی ہے؟ اس کا آپریشن؟"

"الحمدللہ کامیاب آپریشن بالکل کامیاب رہا ہے ابھی حریم آئی سی یو میں ہے اور خرد نے اپنا موبائل شاید آف کیا ہوا ہے۔ ابھی میں ہسپتال سے باہر ہوں ورنہ آپ کی اس سے بات کرواتا۔ میں تھوڑے گھنٹے تک واپس وہاں پہنچتا ہوں تو آپ کی خرد سے بات کروادوں گا۔"

اس نے شائستگی اور خوش اخلاقی سے اسے جواب دیا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے بس حریم کی خیریت معلوم کرنا تھی وہ آپ سے معلوم ہو گئی۔ آپ بس خرد کو میرے فون کا بتا دیجیے گا اور یہ بھی کہ ہم سب مسلسل حریم کے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔ بتول خالہ نے تو اپنے گھر میں تلاوت کرنے کا بھی کہا تھا' وہاں بھی سب نے حریم کے لیے بہت دعائیں کی ہیں۔ ان شاءاللہ کل صبح خرد کو فون کروں گی۔"

کہاں کہاں کون کون لوگ تھے جن سے وہ واقف نہیں تھا اور جو اس کی بیٹی کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھے۔ وہ خرد کے ان مخلص جاننے والوں کو سوچتا گاڑی سڑک پر لے آیا۔ وہ ہسپتال کے بالکل قریب واقع ایک چھوٹی ملکی فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں آگیا تھا۔ اس نے برگر پیک کروائے اور فوراً ہی واپس ہسپتال آگیا۔ خرد کو وہ جس طرح بیٹھا چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی جس صرف اس نے اپنے سر کو ہاتھ سے ذرا زور سے مل کر پکڑا ہوا تھا شاید اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ وہ صوفے پر اس کے پاس بیٹھا اور برگر کا ایک نوالا توڑتے ہوئے اس سے بولا۔

"تمہیں بھوک نہیں لگ رہی' تمہارا کچھ کھانا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا پھر بھی صرف حریم کی وجہ سے کھانا کھاؤ۔ میرے لیے نہیں' اپنے لیے نہیں صرف حریم کے لیے۔" اس کے انکار سے پہلے اس نے کہا۔

"یہ برگر کھاؤ' چائے پیو' سر درد کی ایک گولی لو اور تھوڑی دیر سو جاؤ تاکہ جب صبح سو کر اٹھو تو پوری طرح فٹ اور فریش ہو۔"

طرح زندگی سے [illegible] مگر بجائے اس کے پاس سے اٹھنے کے
اس نے بڑی [illegible] سے اس کے گرد ہاتھ پھیلا کر اس کو
اپنے شانے پر [illegible] اس کے بالوں میں آہستہ آہستہ
انگلیاں چلانے لگا جیسے ایک بہت پرسکون نیند سلا
دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بہت کمزور، بہت نڈھال
اور بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ
یہاں آنے کے بعد سے دوبارہ [illegible] گئے تھے
[illegible] اس کے چہرے [illegible] ہوئی
[illegible] اس کی آنکھیں [illegible]
[illegible] اس نے وہی [illegible]
پہن رکھا تھا [illegible] دونوں میں
تھا اس کے پاس [illegible]
سے ہر لباس [illegible] اور
وحیان کے بھی [illegible] بہت سادہ اور عام سے
معمولی قیمت کے کپڑے اس کی مالی حیثیت کے آئینہ دار
[illegible]

[illegible] کیوں مگر ایک عجیب سی سوچ اس کے دل میں
پہلی بار [illegible] کی وہ اس سے پہلے کہاں تھی [illegible]
[illegible] اس کے پاس حریم کی [illegible]
کے لیے [illegible] حریم کی گزشتہ [illegible]
[illegible] آنے والی [illegible]
وہ حریم کا [illegible] کروا رہی تھی
اور [illegible] کیوں مگر اس وقت [illegible]
[illegible]
[illegible] مشکل [illegible] ساتھ ہے [illegible]
[illegible] عام ہے [illegible]
[illegible] نفرت سے [illegible]
دکھ اور کرب سے [illegible] صرف اتنا پوچھا۔
"حریم [illegible] تم نے اس وقت مجھے
کیوں نہیں پکارا [illegible] میرے ہوتے ہوئے اتنی کمزور
پڑ گئی [illegible] اس وقت [illegible] ساتھ؟"
[illegible]
[illegible] آنکھیں [illegible]
[illegible]

ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھے [illegible] بہت دیر تک ساکت بیٹھا
رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ پر رکھے اس کے ہاتھوں کو [illegible]
[illegible] اور بہت دیر بعد جب وہ اس کے ہاتھ [illegible]
[illegible] میں جا کر کھڑا ہوا تو اسے خود پر [illegible]
شدید [illegible] آیا تھا کہ آج رات اچانک سے اس
جب بیٹی کی بیماری اور اس کی صحت یابی کے سوا
ذہن میں رکھتے [illegible] کسی کمزور لمحے کی زد میں آنے کا سوال
پیدا نہیں ہوتا تھا۔
اگر ایسا ہوتا تو یہاں [illegible] احساس کی جگہ کوئی دوسری
عورت اس کے ساتھ ہوتی [illegible] تو وہ اس کے لیے
اسی طرح محسوس کر رہا ہوتا [illegible]
[illegible] دنیا کے تمام دکھوں سے بچا لینے کی آرزو
[illegible] نفرت نہیں کر رہا [illegible]
[illegible] ساری رات
اسے حریم کے پاس واپس [illegible] اس نے خود کا سر شانے سے ہٹایا۔
اسی طرح گزار دیتا۔ اس نے [illegible]
اسے صوفے پر [illegible] چادر بھی اوڑھا دی۔
بہت گہری نیند میں جا چکی تھی [illegible] چادر اس کے شانوں تک
اسی طرح پھیلاتے اس کے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے
[illegible] بے اختیاری سی کیفیت میں وہ اس کی طرف جھکا [illegible]
[illegible] اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ [illegible]
[illegible] آج بھی نہیں جانتا کہ تم نے جو کیا [illegible]
[illegible] تمہیں ایک بات بالکل سچ بتاؤں۔ تم سے نفرت
میں میں ہار گیا ہوں۔"

☆ ☆ ☆

تین دن میں [illegible] سے بات کرکے حریم کی
کنڈیشن اس کی ریکوری کی رفتار سے مطمئن [illegible]
[illegible] آپریشن [illegible] آیا تھا۔
[illegible] اندر [illegible] آوازیں [illegible]
[illegible] سکتی تھی۔ اس کے سامنے [illegible]
اپنی محرومی اور حریم کی زندگی ایک سوالیہ نشان کی طرح
[illegible]
[illegible] ان کی آنکھوں میں [illegible]
کیوں؟
جس محبت کی موت کا وہ ساڑھے چار سال قبل سوگ
[illegible] اسے [illegible] رہا تھا [illegible]
[illegible] محبوب اور محبت کبھی مرتی نہیں ہے [illegible]

[illegible] کبھی روگ۔ کبھی خوشی کبھی
[illegible] کبھی خود سپردگی کبھی
جانثاری [illegible] کبھی نفرت۔ اس کو اس نے اکیلے
سہہ لیا تھا۔
"وہ ساڑھے چار سال پہلے [illegible] تمہارے گھر کو اس
طرح چھوڑ کر گئی تھی [illegible] تمہارے اندر
[illegible] تمہاری [illegible] انتقامی کارروائی کو ذہن میں رکھتے
[illegible] سامنے آنے کی ہمت نہیں
[illegible] پہلے وہ تمہارے آفس میں آئی تھی [illegible]
[illegible] شرمندگی [illegible] ندامت [illegible]
[illegible] تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نفرت سے [illegible]
کہہ رہی تھی۔
"یہ میری چار سال کی بیٹی حریم حسین کی تصویر ہے۔
[illegible] میری اس بیٹی کے [illegible] آپ ہیں۔
[illegible] جس کردار کا حامل سمجھتے ہیں [illegible]
[illegible] میرے یہاں آنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ
[illegible] کو اس کے امیر کبیر باپ سے [illegible]
[illegible] لیے درکار ہے اور وہ اپنے باپ سے [illegible]
[illegible] ہے۔"
وہ صرف اور [illegible] نفرت، حقارت اور طنز میں ڈوبے
لہجے میں تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی
تھی۔
"اگر آپ کو کچھ شبہ ہو تو [illegible] اپنے طور پر خود بھی
تحقیق کروا سکتے ہیں کہ میری بیٹی [illegible] تاریخ میں [illegible]
[illegible] پیدا ہوئی تھی یا نہیں۔ یہ بات [illegible]
[illegible] آپ یقیناً سمجھ رہے ہوں گے [illegible]
کردار [illegible] ساتھ رہتے [illegible] مشکوک تھا [illegible]
اس پر کیا بھروسا کیا جا سکتا ہے۔ آپ اپنے شک میں
بجا ہیں۔" وہ [illegible] تمہیں دیکھ رہی تھی۔
"میری بیٹی کا بلڈ گروپ +B ہے۔ شاید آپ کو یاد
ہو کہ +B میرا بلڈ گروپ [illegible] +B غضنفر عالم کا بلڈ
گروپ بھی نہیں تھا۔ یہ آپ کا بلڈ گروپ ضرور ہے۔"
[illegible] تمہاری طاقت [illegible]
[illegible]
[illegible] ایک تنہا اور لاچار عورت میں یہ [illegible]
پیدا ہوئی [illegible] صرف اور صرف اس وقت جب [illegible]
[illegible] جب اس کے اندر [illegible]
[illegible] وہ ساڑھے چار

[illegible] میں بھی پلٹ کر تمہارے اس [illegible]
[illegible] مشکلات کے باوجود [illegible]
[illegible]
زندگی میں [illegible] اور اب جب [illegible] صرف اس وقت
جب [illegible] کی جان [illegible] تھی۔
ایک بہت [illegible] امیر ترین شوہر کو چھوڑ
[illegible] مشکل زندگی کا انتخاب کرنے والی
[illegible]
[illegible] نفرت اور [illegible]
"تم اس سے نفرت کرتے ہو [illegible]
[illegible] تم اسے غلط سمجھتے ہو اور وہ [illegible]
[illegible] ایک وقت [illegible] لوگ [illegible]
ہو سکتے [illegible] دونوں غلط نہیں ہو سکتے، دونوں ظالم
نہیں ہو سکتے۔ [illegible] دونوں میں سے ایک صحیح ایک
غلط، ایک ظالم ہے، ایک مظلوم۔ لیکن کون؟"
وہ آنکھیں بند کرکے بیٹھا [illegible] اور اس کے کان اپنے
قریب ایک مانوس آواز سن رہے تھے۔
"میں [illegible] کی ہو چکی ہوں۔ [illegible]
"میرا [illegible] بہت اچھا ہے۔ [illegible]
[illegible] تھے۔"
[illegible] بھی نہیں ہوتی لیکن اس وقت
[illegible] مجھے یہ بتانے [illegible]
ملازم نے نہیں [illegible] میں نے یہاں رکھے ہیں۔
"جو باتیں میں آپ سے اس [illegible] ماحول میں کر رہی
ہوں اگر کورٹ کے [illegible] میرا کردار
جتنا بھی مشکوک ہو [illegible] کے جواب میں
عدالت ایک
DNA Paternity test
[illegible] فوراً [illegible] ساری [illegible] مکمل کر [illegible]
آپ [illegible]
آپ کی [illegible]
مناسب سمجھا۔"
سادہ سی باتیں [illegible] اس معصوم لڑکی کو
[illegible]
"[illegible] سخت جان اور [illegible]
[illegible] بات بھی نہیں اس سے [illegible]

بھی پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔"

اپنی دوست سے یہ جملے بولتے اس کے لہجے میں کیا تھا' بے بسی ہے' بھری ہوئی ہے۔

اپنی نظروں میں وہ مجرم نہیں' یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ وہ زندگی بھر کے اپنے کیے کسی ایک بھی فعل پر پشیمان نہیں۔ یہ بات ہر طرح سے واضح ہے۔

"بابا! جھوٹ بولنا گندی بات ہے۔"

"فلیں جھوٹ کبھی نہیں بولتی۔ جھوٹ تو ہے ہی بڑی بات پر بولا جائے' چاہے چھوٹی بات پر۔"

"ماما بولتی ہیں جھوٹ بولنا گندی بات ہے۔ جھوٹ لئے سے اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں۔"

"بابا کہتے تھے جھوٹ بولنا صرف پہلی بار آسان لگتا ہے' اس کے بعد ہمیشہ مشکل ہوتی ہے اور سچ بولنا صرف ایک مشکل لگتا ہے' اس کے بعد آسانی ہی آسانی ہوتی ہے۔"

وہ اس بچی کی کتنی اچھی ماں ہے کیا وہ یہ بات اس ایک ہفتے میں سمجھ چکا؟ اگر وہ ہر رشتے میں بری تھی تو اسے ماں کے رشتے میں بھی برا اور خود غرض ہی ہونا چاہیے تھا۔

اپنے کم سائل میں بھی اس نے بچی کو کتنے نازو نعم میں پالا تھا۔ جو لباس خود پہنتی تھی اور جو زیور کو پہناتی تھی اس کے معیار میں موجود زمین آسمان کا فرق بے صاف ظاہر کرتے تھے کہ اپنی ضروریات کو محدود سے محدود کرکے اس نے بچی کو ہر ممکن حد تک اچھی زندگی دینے کی کوشش کی تھی۔

فجر کا وقت ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی جب اس نے خرد کو کافی دور سے آتے دیکھا۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے سے چلتی اسی سمت آ رہی تھی وہ بغور اسے آتا دیکھ رہا تھا' وہ اس کے پاس آ کر رکی۔ "کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ سر کا درد ٹھیک ہوا؟"

"ٹھیک ہے۔ حریم کیسی ہے؟ میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟" وہ اس کے سر کو سہلانے کے لیے اس کے قریب آ کر ساتھ بیٹھ کر سادے لہجے میں بولی۔

فجر کی نماز کی ادائیگی کے لیے وہ مسجد چلا گیا تھا اور وہاں سے واپسی پر وہ کچھ ناشتہ اپنے اور خرد کے لیے ہاسپٹل ساتھ لے کر آیا تھا۔ وہ بھی ناشتہ کرکے واپس وارڈ میں آ چکی تھی۔ اس نے اپنے لہجے کو اپنے انداز میں نرمی اور اپنائیت لیے ہوئے محسوس کیا۔ اس کے سر کو سہلانے کے انداز میں بھی ایک اپنائیت تھی۔ وہ اس کی خودداری' اس کی غیرت کا سوال ہے کہ وہ اپنی دوست شعیر حسین کا کوئی احسان نہ لے' وہاں حریم کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بعد وہ اسے قبول کرتی ہے' وہ اس پر اس کی احسان مند ہے' اس کی بے انتہا شکر گزار بھی ہے۔

بوٹیک سے چند جوڑے اس کے لیے خرید لے' ان میں سے ایک لے جا کر اسے ہاسپٹل میں تبدیل کرنے کے لیے دے دے۔ مگر اسے پتا تھا وہ اس کے دیے ان کپڑوں کو کبھی بھی قبول نہیں کرے گی۔ گاڑی اپنے اپارٹمنٹ کے قریب واقع ایک اسٹور کے پاس روک کر اس نے کچھ اشیاء وہیں سے خریدی تھیں اور انہیں لے کر وہ اپنے اپارٹمنٹ آیا تھا۔ اسپنجیز' بنادو اور فش فرائی کردو ہاسپٹل اپنا اور خرد کا کھانا لے کر جاؤں گا۔" خرید کر لائی ہوئی اشیاء کو زینت کے سپرد کرتے ہوئے اس نے کہا۔ اس بار نہی قیام گاہ میں آنے کے بعد یہ اس کی پہلی خریداری تھی جو اس نے حریم کے علاوہ کسی اور کے لیے کی تھی ورنہ اپنے اور خرد کے روز مرہ کھانے پینے کی اشیاء اور دیگر کچن کی خریداری کے لیے اس نے زینت کو اکثر پیسے دیے رہتے تھے۔

شیو بنا کر نہا کر خود کو تازہ دم کر لینے کے بعد کچھ دیر لیٹنا چاہتا تھا مگر لیٹنے سے پہلے کچھ خیال آنے پر وہ کمرے میں موجود الماری کی طرف آیا۔ الماری پوری کی پوری حریم کے کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ پھر خرد نے آخر اپنے کپڑے اور ضروری اشیاء رکھی کہاں تھیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کی نگاہ الماری کے سب سے نچلے خانے میں رکھے ان بیگز پر پڑی جو اس اپارٹمنٹ میں آتے ہوئے وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ ان میں سے ایک بیگ خالی تھا اور وہ سر ابھرا ہوا تھا۔ اس نے اس بڑے سے بیگ کی زپ کھولی تو اس کے اندر تہہ ہوئے خرد کے کپڑے اور اس کی ذاتی استعمال کی دوسری اشیاء نظر آئیں۔ اس نے اپنے کپڑوں کو الماری میں نہیں بیگ ہی میں رکھا ہوا تھا۔ بیگ کی کیفیات میں گھرے اس نے ان میں سے ایک جوڑا استری کرنے کے لیے زینت کے حوالے کیا' واپس لے جانے کے لیے یہ کپڑے اور لنچ سب کچھ اچھی طرح سلیقے سے پیک کر دے' اسے یہ ہدایات دے کر وہ کمرے میں بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔

دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چھت کو گھور تا رہا تھا۔

ہوتے ہیں اور کچھ آپ کا دل آپ سے کہہ رہا ہوتا ہے اور اسے تو حالات و واقعات اور اس کا دل سب مل کر نجانے کب سے کہے جا رہے تھے کہ ان کی زندگیوں میں کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ غلط تھا۔ بہت غلط تھا۔ اس غلط کو ڈھونڈنے کے لیے' کھوجنے کے لیے اسے ساڑھے چار سال پیچھے جانا ہوگا۔ جن واقعات کو اپنے لیے ذلت کا باعث سمجھ کر کبھی خود سے بھی دہرانا پسند نہیں کرتا انہیں نئے سرے سے دہرانا ہوگا۔

"آپ جب واپس آئیں گے' میں آپ کو ایک بات بتاؤں گی۔" ساڑھے چار سال پہلے اس رات اس نے روتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔ جب واپس آئیں گے تب۔ فون پر نہیں بتاؤ گی۔" وہ روتے روتے کسی بات پر ہنسی تھی۔

"جب میں آپ کے گھر سے گئی تو تقریباً پانچ' چھ دیکس کی پریگننسی ٹیسٹ تھی۔ میرے اس دعوے کا ثبوت آپ چاہیں تو آپ کو ڈاکٹر طیبہ نادر کے کلینک سے مل سکتا ہے جہاں آپ کے گھر سے جانے کے کافی روز قبل میں نے اپنا پریگننسی ٹیسٹ وہیں سے کروایا تھا۔"

"کیا جو بات وہ اسے اس رات بتانا چاہتی تھی' وہ یہ تھی کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے؟ کیا وہ بات یہ تھی؟ لیکن وہ تو ڈاکٹر کے پاس ممی کے ساتھ گئی تھی۔"

"لے گئی تھی آج میں اسے ڈاکٹر شیراز کے پاس' جو میں تم سے کہہ رہی تھی وہی وہ مجھ سے کہہ رہے تھے۔"

"آپ کی بہو کیا کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے؟ کمزوری ہو گئی ہے اسے' بی پی بھی لو تھا لیکن خدانخواستہ کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ ڈاکٹر شیراز نے کچھ ملٹی وٹامنز وغیرہ دی ہیں اور میں نے آج سے خرد کے کھانے پینے پر سختی کی ہے۔"

اسے ماں کی ساڑھے چار سال قبل کی فون پر کہی بات یاد آئی۔ اس نے الجھے ہوئے انداز میں اپنے سر کو زور سے پکڑا۔ "ڈاکٹر طیبہ نادر؟ ڈاکٹر شیراز؟ ڈاکٹر شیراز قادر ان کے فیملی ڈاکٹر تھے اور طیبہ نادر' یہ پتا نہیں کون ڈاکٹر تھیں۔ ہو سکتا ہے خرد ممی کے ساتھ ڈاکٹر کے کئی ہی نہ گئی ہو' ممی کا بہانا بنا کر جانے سے انکار کر دیا ہو۔ اس رات اور اس وقت جب وہ دبئی جا رہا تھا تب وہ لوگ بھی تو کتنی ناراض رہی تھیں۔ اس کے سہارا دیتے ہاتھ تک کو اس نے قبول نہ کیا تھا شاید۔

کے ایئر میں آ کر بیٹھ گیا۔ ٹرے اس نے اپنی گود ہی میں رکھی ہوئی تھی۔ اس میں بوائل انڈے' رول' مکھن اور چائے موجود تھی۔

"ناشتہ کر لو خرد!" سہلا کر اس نے تسبیح پر دھیان کی پھر اس سے دور ہٹی۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت نہیں' ممنونیت اور اظہار تشکر جھلکتا تھا۔ جیسے کوئی شخص اس کی بیٹی کا علاج کروا رہا ہے' وہ سادہ رول چائے کے ساتھ کھانے لگی۔

"بس کھا چکیں؟ یہ بوائل ایگ تو لے لو۔" اس نے آہستگی اور نرمی سے اصرار کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ اپنے پاس آنے' اپنائیت اور محبت سے بات کرنے کا کوئی حق نہیں دیتی' اس کی احسان مند نگاہوں میں بھی یہ تاثر موجود تھا۔

وہ دونوں ناشتہ کر چکے تب وہ آہستہ آواز میں انتہائی سنجیدگی سے اس سے بولی۔

"آپ پوری رات جاگتے رہے ہیں۔ اب کچھ دیر کو جا کر آرام کر آئیے۔ حریم کے پاس میں ہوں۔"

سادہ سے اس جملے میں محبت اور اپنائیت کا ہلکا سا بھی رنگ شامل نہیں تھا یہ صرف انسانیت اور اخلاقیات کے تحت کہی جانے والی ایک بات تھی پھر بھی اسے یہ جملہ اچھا لگا۔

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔ دو تین گھنٹوں میں لوٹوں گا۔ تمہارے لیے کچھ لاؤں گھر سے؟ تمہیں کچھ منگوانا ہے؟"

اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے خرد نے نفی میں سر ہلا دیا تھا وہ اپنے سے تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو در حقیقت اسے خود سے صدیوں کے فاصلے پر کھڑی نظر آ رہی تھی' وہ سمجھ سکتا تھا۔

وہ اس سے اپنے لیے کچھ بھی نہیں چاہتی۔ وہ پرسوں سے ان ہی کپڑوں میں تھی اور اس سے یہ تک نہیں کہہ رہی تھی کہ آتے ہوئے وہ اس کے لیے اس کے ایک جوڑا ہی لیتا آئے۔ وہ اس سے پورے حق کے ساتھ ہر چیز طلب کرتی تھی۔ وہ اسے شاپنگ کرانے لے جاتا تو وہ جی بھر کر شاپنگ کرتی۔ اسے جب بھی پیسوں کی مزید ضرورت پڑتی وہ بے دھڑک مطلوبہ رقم کا چیک کاٹ کر وہ چیک اس کے حوالے کرتی کہ اسے یہ پیسے کیش کروا دیے جائیں۔ اس

ملک سے باہر کی صحت کی طرف سے پریشان نہ ہوں
سے یہ بھوٹ بولا تھا کہ وہ اسے ڈاکٹر کے لے گئی تھیں
شاید انہیں ملک سے باہر بھیجنے پیسے کا یہ بہانا مناسب
نہیں لگا ہوگا کہ اس کی بیوی نے اس کی بات رد کرتے ان
کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں جانے سے انکار کردیا ہے۔ فون پر یہ
بات سن کر اسے لازمی طور پر غصہ آیا ہوگا انہوں نے ایک
جھوٹ بول کر دہی مدبرانہ کام کیا تھا جو سمجھ دار
بڑے اپنے چھوٹوں کے بیچ کے جھگڑے اور اختلافات
ختم کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔

یقیناً" ایسا ہی ہوا ہوگا۔ خرد بعد میں ممی کو اول علم رکھنے
اکیلے ان کے پاس گئی ہوگی" اس نے اپنے پریشان ہونے
کی بات ممی سے بھی چھپائی تھی لیکن کیوں؟ شاید خوشی
کی یہ خبر وہ سب سے پہلے اسے بتانا چاہتی ہوگی" اس
سوال اور خودی جواب والی پہیلی میں
کہ ایلیا کو ساڑھے چار سال پیچھے اس ماضی میں
لے تو گیا تھا مگر ابھی وہ کوئی سرا اس کے ہاتھ
نہیں آرہا تھا۔

دیکھ کر وہ کھلائی تھی گھبرائی تھی ڈری تھی؟
خرد کے ردعمل اور اس کے منہ سے اسے دیکھ
کے سب سے پہلا کیا لفظ نکلا تھا اسے یاد کرنے کی کوشش
کی۔

وہ نہ کھلائی ہوئی تھی نہ گھبرائی ہوئی وہ تو صرف
حیران نظر آرہی تھی۔ بلکہ اصولاً تو اسے خضر عالم سے بھی
زیادہ ڈر جانا چاہیے تھا وہ جہاں تھی اسے وہیں رک جانا
چاہیے تھا۔

بغیر کسی پریشانی کے صرف حیرانی سے پہلے
اسے کیا پوچھا تھا۔

"شعراب آپ؟ آپ کب آئے؟ ممی کہاں ہیں؟"

اس ادھورا جملہ مکمل نہیں ہوپایا تھا ممی کی آہٹ
کان میں پڑی تھی۔

"خرد تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ ممی کی اس بات کو سننے
کے بعد پریشان اور خوف زدہ ہوئی تھی۔

اس نے انسانی فطرت کے اس خلاف react
کیا؟ اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا' مادہ
تھا کہ وہ بے قصور تھی۔ وہ وہاں کسی وجہ
سے نہیں اس نے اور ممی نے اس کی وہاں

سے طلب اغذ کیا وہ شاید خرد کے وہم و گمان اس کی سوچ
سے بھی آگے کی بات تھی۔

وہ روتے گڑگڑاتے' ممی کی پیشوں کے بیچ ادھورے
ادھورے لفظوں میں کیا کہنے کی کوشش کر رہی تھی' وہ خرد
ممی کی چیخوں' ان کی روتی ہوئی بلند آوازیں دب گئے تھے'
اسے ممی کی آواز' ان کا رونا' ان کا بین یاد تھا مگر خرد کے
ادھورے ادھورے لفظ ذہن میں تازہ ہوسکی نہیں پا رہے
تھے۔

تب وہ اس کے پاس آئی تھی۔ "یہ سب جھوٹ ہے
خضر جھوٹ بول رہا ہے' بکواس کر رہا ہے۔"

اس نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا وہ کمرے میں نہیں
تھی مگر وہ اس کے بازو کو جلا کر بری طرح توڑ رہی تھی۔

"آپ کو میرا یقین ہے نا۔ آپ کو پتا ہے نا میں ایسی
نہیں۔ خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں ایسی نہیں میرا
یقین کریں۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں آپ کی وہی
خرد ہوں جو صرف اور صرف آپ سے محبت کرتی ہے۔"

وہ اس کے گھٹنوں سے اس کے پیروں سے لپٹی وہ زار و
قطار رو رہی تھی۔

"خرد۔"

اسے بلند آواز سے پکارتا وہ یک دم بیڈ سے اٹھ کر پیچھے
گیا۔

"تم ایسی نہیں ہو' میں جانتا ہوں۔ میری خرد ایسی
ہے میں جانتا ہوں۔ خرد تم کچھ ہوا وہ کیوں ہوا' میں یہ نہیں
جانتا۔ جتنا سوچ رہا ہوں میری الجھن اتنی ہی بڑھتی چلی
جارہی ہے۔"

وہ اپنے گھٹنوں میں چہرہ رکھ کر یوں سسک اٹھا جیسے وہ
ابھی بھی اس کے پیروں سے لپٹ کر رو رہی ہو۔

"کیا خضر عالم؟ کیا خضر عالم کی کوئی خباثت کارفرما تھی
اس سب کے پیچھے؟ اس کی اور خرد کی محبت بھری زندگی
میں آگ لگانے والا کیا وہ اکیلا انسان تھا؟ وہ سوچ رہا تھا اور
اسے یاد آرہا تھا جب خرد نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تب
اچانک ہی خضر نے ان کے گھر زیادہ آنا جانا شروع کردیا تھا'
شروع شروع میں وہ صرف گھر پر آیا مہمان سمجھ کر اخلاقاً
اس کے اور ممی کے ساتھ خضر کے سامنے آکر بیٹھ جایا کرتی
تھی۔

وہ یونیورسٹی میں تو بہت سی خرد کے گروپ میں تھے
تھا خرد نے اس سے دوستی نہیں کی تھی وہ لیکچرز اور

کوئی خط کیوں نہیں لکھا؟

اس کے ذہن میں خرد کے گھر چھوڑ جانے کے بعد کی
باتیں ترتیب سے گونجنے لگی تھیں۔ وہ پندرہ دن بہت پریشان
میں داخل رہا تھا۔ اور گھر آنے کے بعد جب بظاہر خود کو
نارمل ظاہر کرکے وہ آفس جانے کی تیاری کر رہا
تھا۔ تب نور افزاء اس کے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے
سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر اس کی آمد کی وجہ دریافت
کی تو اس نے اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا ایک لفافہ
پکڑایا تھا۔

"کیا ہے یہ؟"

"خرد بی بی یہ خط آپ کے لیے دے کر گئی تھیں۔"

تب یہ نام سنتے ہی اس کی رگیں تن گئی تھیں اس کا
فشار خون بلند ہونے لگا تھا۔ نور افزاء اسے خط پکڑاتے ہی
فوراً" ایک پل سے بھی کم دیر میں کمرے سے باہر نکل گئی
تھی۔ جیسے اس کے ہاتھ میں کسی نے ایک زہریلا سانپ
رکھ دیا ہو اس نے اس خط کو فوراً" اچھال کر پوری قوت
پوری طاقت سے دور پھینکا تھا۔ اس خط میں کیا ہوگا؟ اپنے
گھر چھوڑ جانے کی وجوہات' اس کے ساتھ اس شادی شدہ
زندگی میں ناخوشی کی داستان یوں چلے جانے پر افسوس'
معذرت مگر وہ اس کے ساتھ بالکل خوش نہیں تھی۔ یہ
واضح اعلان' طلاق کا مطالبہ۔ اور شاید حق مہر کی ڈیمانڈ۔ اس
بات کو ابھی ہفتہ دس دن ہی ہوئے ہوں گے۔ جب اس
کے آفس میں اس کے ذاتی فون نمبر پر آنے والی کالز
وہ خود ریسیو کیا کرتا تھا کہ یہ نمبر صرف اس کے بہت خاص
اور قریبی جاننے والوں ہی تک محدود تھا' اس پر ایک کال
آئی تھی۔ اس نے کال ریسیو کی تھی۔ تب اگر جانتا ہوتا کہ
یہ کال کس کی ہے تو اسے ہرگز ریسیو نہ کرتا۔

"ہیلو اشعر! میں خرد بات کر رہی ہوں۔" اپنے ہیلو کے جواب
میں اس نے جو آواز سنی اسے وہ زندگی بھر کبھی بھی سننا
نہیں چاہتا تھا۔

"سوری میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔"

اس نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی لائن
کاٹ دی تھی۔

خرد احسان کی یہ ہمت' یہ جرأت کہ اسے فون کرکے
اس سے مخاطب ہو کیا اسے اپنی زندگی پیاری نہیں تھی جو
اس کے اندر بھڑکتی آگ کو باہر نکالنے اور اسے کسی انتہائی
شدید ردعمل پر مجبور کرنے کے لیے اکسا رہی تھی۔

وہ اس فون کال کو ہی نہیں بھولا تھا اس کی آواز سن کر جو اشتعال پہلے سے بھی زیادہ بڑھا تھا اب بھی وہ اس سب پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس فون کال کے شاید ایک یا ڈیڑھ مہینے بعد اس نے اپنے آفس میں اپنے آفس کے پتے پر "اپنی آفیشل ڈاک کے ساتھ وہ مخصوص پنڈ رائٹنگ لفافے بھی دیکھی جس پر اس کا نام' اس کے آفس کا پتا اور لفافے کے اوپر بائیں طرف "پرائیویٹ اینڈ کانفیڈنشل" لکھا تھا۔ بھیجنے والے کے نام پتے کے بغیر بھی وہ اس لفافے کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اسے یہ خطوط' یہ فون کالز کس لیے کی جا رہی تھیں۔ طلاق اور حق مہر مانگنے کے لیے؟ یا اسے چھوڑ کر جانے کے دو تین مہینے بعد ہی عقل ٹھکانے آگئی تھی' ساری دنیا میں اشعر حسین کے گھر کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہیں' یہ یاد آگیا تھا۔ اب اس کے گھر اور اس کی زندگی میں واپسی کے لیے معافی تلافی کی کوششوں کی غرض سے یہ رابطے کیے جا رہے تھے؟

وجدان جو بھی تھی' وہ اس نام سے نفرت کرتا تھا۔ شدید ترین نفرت۔ اس نے اس لفافے کو کھولے بغیر جوں کا توں بند ہونی حالت ہی میں پرزے پرزے کر کے وہیں اپنے آفس میں اپنی میز کے سامنے کھڑے ہو کر ہی لائٹر سے آگ لگا کر جلا ڈالا تھا۔ خرد احسان نام کی کسی عورت سے وہ کبھی واقف تھا وہ یہ بات بھول جانا چاہتا تھا۔ اس لیے یہ رابطے چاہے جس بھی وجہ سے قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی' مگر وہ اب مزید کچھ بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھا' وہ اب کسی بھی قیمت پر آواز سننے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے اپنے سیل فون نمبر پر اس نے کالز ریسیو کرنا ہی چھوڑ دیں۔ اس نے اپنی سیکریٹری کو بلا کر اس سے انتہائی مختصر' دو ٹوک اور حکمیہ لہجے میں یہ کہا کہ اس کے لیے خرد احسان کی کال جب بھی آئے چاہے کچھ بھی ہو' وہ کال اسے منتقل نہ کی جائے۔

اور اس بات کے بعد ہی اسے یہ پتا چلا تھا کہ دنیا ہمیشہ آپ کی زندگی کے پیچھے گوشوں' جن کا آپ اعلان نہ کرتے ہوں' جن پر آپ بات نہ کرتے ہوں۔ جنہیں آپ چھپانے کی سعی کرتے ہوں۔ ان کے پیچھے پڑی رہا کرتی ہے۔

آپ خود اس موضوع پر بہانک ہو کر بغیر کسی شرمندگی کے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بات کریں تو لوگوں کا اسی موضوع میں سارا انٹرسٹ ہی ختم ہو جائے گا۔

تب شدید تھکے ہوئے طیش کے عالم میں سوچا تھا کہ اب سوچ رہا تھا خرد نے اسے فون کالز کہاں سے کی تھیں؟ وہ خط کہاں سے لکھا تھا؟ کیا نواب شاہ سے؟

کیا خرد اس کا گھر چھوڑنے کے بعد نواب شاہ اپنے پرانے محلے میں چلی گئی تھی؟ مگر کیوں؟ اس نے تو اسے کہیں جانے کے لیے نہیں کہا تھا آخر وہ گھر سے گئی کیوں تھی؟ مگر کیوں؟ وہ اس طرح مجرموں کی طرح کیوں چھپ رہی تھی؟ منہ چھپا کر تو مجرم بھاگا کرتے ہیں۔

پر اب یہ سب دور کی بات ہے' اسے وہ ساری سچائی کون بتائے گا۔ خرد؟ ہرگز نہیں اس کا انداز تاتا ہے اس بات کی رتی برابر بھی پروا نہیں کرتی کہ وہ سے کس گمراہ اور کیسا سمجھتا ہے۔ اس کا انداز ایسا ہوتا ہے جیسے سمجھ لے تم مجھے جتنا بد کردار سمجھتے ہو چاہو تو اس سے بھی بدتر سمجھ لو' میں تم پر اور تمہاری سمجھ پر تھوکتی ہوں۔"

وہ دو سطر کا خط اس نے پھاڑ کر جلا دیا تھا مگر وہ پہلا خط اس نے صرف تھپڑ سے بہت دور پھینکا تھا ساڑھے چار سال پرانی بات تھی۔ ساڑھے چار دن نہیں' جو وہ کمرے میں جائے اور جا کر اس خط کو ڈھونڈ نکالے۔

وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بے بسی سے رو پڑا۔ وہ خط ہی وہ واحد ذریعہ تھا جو اسے وہ ساری سچائی بتا سکتا تھا جو خرد شاید کبھی بھی اور کسی بھی قیمت پر نہ بتاتی۔ طلاق کا مطالبہ اور حق مہر کا دعوا' وہ خوددار اور غیرت مند لڑکی اس خط میں یہ نہیں بلکہ وہ سچائی لکھ کر گئی ہوگی جو اس کے گھر سے جانے کی وجہ بنی تھی۔

سوال بے شمار تھے اور جواب اس کے پاس ایک بھی سوال کا نہیں تھا۔ ان ہی سوالوں کے درمیان گھرے کئی ایک کا بھی جواب نہ پاتے وہ خرد کے کپڑے اور اپنا اور اس کا بیگ لے کر ہاسپٹل واپس آگیا تھا۔ چہرے پر حیرت یا ناگواری کچھ بھی لائے بغیر خرد نے اس سے کپڑے لے بھی لیے تھے اور انہیں تبدیل بھی کر لیا تھا۔ جب تک حریم روم میں شفٹ نہ کر دیا گیا وہ تھوڑی سی دیر کے لیے بھی گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ فوراً" سچ نہیں گرپائے تھے حریم کو درد محسوس ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی اپنے وجود کے ساتھ منسلک تاروں اور طبی آلات سے بھی وہ گھبرائی ہوئی تھی اور سب سے بڑھ کر اسے ماما کو اپنے پاس دیکھنا تھا۔ ان کے بغیر اکیلے لیٹنے کے لیے وہ کسی قسمت پر تیار نہیں تھی اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ جو اس کے لیے ہر لحاظ سے نقصان دہ تھا۔ نرس خرد کو آگ اندر بلا کر لے گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

حریم کو آئی سی یو سے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ شفٹ کیے جانے کے بعد حریم کے چیک اپ کرنے کے لیے آئے ڈاکٹر اور نرس نے ان دونوں کو پوسٹ آپریشن کیئر سے متعلق کافی کچھ بتایا تھا۔ سرجری کے دوران حریم کے دل تک پہنچنے کے لیے سینے پر جو شگاف کیا گیا تھا' وہ ابھی بہت درد کر رہا تھا۔ حریم کو بہت بے چین اور پریشان کر رہا تھا۔

حریم ابھی ان میڈیسنز کے زیر اثر تھی جو اسے دوائیوں کی اور سکون پہنچانے کے لیے دی جا رہی تھیں اسی لیے وہ اپنا زیادہ وقت سوتے ہوئے گزار رہی تھی۔ نرس اسے انجکشن دے کر چلی گئی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد حریم سو گئی تھی۔ تب ان لوگوں نے لنچ کیا۔ لنچ کا دھیان بھی اشعر ہی کو آیا تھا۔ وہ صبح کچھ دیر کے لیے گھر گیا تھا۔ زینت نے کھانا تیار کر رکھا تھا۔ جتنی دیر میں وہ نہایا' کپڑے بدلے' زینت نے کھانا اچھی طرح سے پیک بھی کر دیا تھا۔

گھڑی میں ٹائم دیکھ کر اسے کھانے کا دھیان آیا تو وہ فوراً" ہی کرسی سے کھڑا ہوا۔

"آجاؤ' خردا کھانا کھالو۔" اس نے سامنے رکھی ایک چھوٹی میز صوفے کے آگے رکھ لی اور اس پر کھانے کے برتن کھول کر رکھنے لگا۔ خرد اٹھ کر باتھ دھونے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی تھی۔ وہ ہاتھ دھو کر صوفے پر آ کر بیٹھی تو اسی طرح آمنے سامنے سے ذرا دور ہٹ کے' اپنے اور اس کے بیچ کچھ فاصلہ قائم رکھتے۔

اس نے ایک پلیٹ میز پر خرد کے آگے رکھی اور دوسری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اپنی پلیٹ میں کھانا نکال کر کھانا شروع کرتے وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا' جو ہمیشہ کی طرح کھانے کو بے رغبتی سے اور بہت کم کھا رہی تھی۔ پہلے بھی جب وہ بہت خوشی' محبتوں بھری زندگی ساتھ مل کر گزار رہے تھے تب بھی وہ کوئی بہت خوش خوراک نہیں تھی مگر اپنی پسند کی ڈشز وہ بھرپور طرح انجوائے کرتے خوب رغبت سے کھایا کرتی تھی اور اب کھانا کھانا جیسے ایک کام تھا' زندگی کے لیے' زندہ رہنے کے لیے ناگزیر' سانس لینے کی طرح ضروری' جسے انجوائے کرنا ضروری نہیں تھا۔

"ٹھیک سے کھاؤ۔ یہ فش تو تمہیں پسند ہے نا' یہ کیوں نہیں لی؟"

اس نے شیشی کھولی' پانی کا گلاس ہاتھ میں لیا۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں موجود ان دونوں چیزوں کو صرف ایک بیکڈی اس نے بغور دیکھا۔ لمحہ بھر سے زیادہ نہیں لگا تھا اسے ان گولیوں کو اپنے حلق سے اتارنے میں' پتا نہیں ان گولیوں کو اثر ہونے میں کتنی دیر لگنا تھی۔ وہ گلاس اور شیشی میز پر رکھ کر اپنے بیڈ پر بالکل سیدھی لیٹ گئی۔ وہ انتظار کرنے لگی اس کالبس سے ہر زندہ انسان خائف رہا کرتا ہے۔ مگر وہ ذرا بھی خائف نہیں تھی' وہ تو اسے خود اپنے پاس بلا رہی تھی۔ موت بھی بھلا کوئی ڈرنے والی چیز ہے؟

گرلز فش ہوو زینت سے خاص [illegible] کہہ کر بلوا کرایا
[illegible] اس نے اس کی طرف اشارہ کرکے [illegible] روانی میں یہ
[illegible] کے لبوں سے نکلا تھا۔ بولتے وقت [illegible] خود
[illegible] تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس بات کو [illegible] کر
[illegible] خرد نے جن اجنبی اور خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا وہ
[illegible] کی بات پر بری طرح شرمندہ ہو گیا۔ اجنبی نظر اسے اپنی
[illegible] پر خود ہی شرمسار کروا رہی تھی۔

وہ ہر بل اس کی ممنون 'اس کی وفادار مند نظر آتی تھی
[illegible] اس کے باوجود وہ صرف ایک پل کے لیے بھی اسے یہ
[illegible] تھی کہ وہ اس سے اس کے کھانے 'اس
[illegible] ضرورت 'کسی ذاتی چیز کے متعلق کہہ
[illegible]

اب اسے حریم کے ساتھ ساتھ خرد کی بھی فکر تھی۔
اس کی آنکھوں کو قریب سے دیکھو تو بالکل سفید نظر
[illegible] تھیں 'اس کے ہونٹ بالکل سفید ہو رہے تھے۔ ایسا
[illegible] رہا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کا ایک
وہ ایک ہاسپٹل میں ہی موجود تھے 'اس کا دل چاہ رہا تھا
خرد کو [illegible] کسی ڈاکٹر کو دکھا دے۔ مگر دل میں مچلتی چاہتے
کے باوجود بھی اس کی ممنونیت کا اظہار بالکل خاموش
آنکھوں کا وہ چھپا ہوا سحر اثر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک
سنسنی سی لہر دوڑا رہا تھا۔ کچھ ہی وقت اسے بہت قریب سے
دیکھا تھا اور اندر سے بہت بے چین ہو رہا تھا۔

"حریم کی پیدائش نارمل ہوئی تھی؟" وہ اسے ایسا کوئی
[illegible] دینے کو تیار نہیں پھر بھی وہ یہ سوال پوچھنے سے خود کو
[illegible] نہیں روک سکا تھا۔

"[illegible] پلیٹ پر نظریں مرکوز رکھے اس نے یک لفظی
جواب بے تاثر لہجے میں دیا۔ مگر اس کے اس بے تاثر انداز
سے اس نے بار نہیں پائی جن لمحوں کے بارے میں وہ کچھ
بھی نہیں جانتا۔ آج ہر لمحہ جان جانا چاہتا تھا۔

"سیریس؟" اس کے بے تاثر چہرے کو بغور دیکھتے اس
نے پوچھا۔

"کیا کوئی کومپلیکیشن۔"

"مجھے کم پتا ہے۔" خرد نے اسے اس کی بات مکمل نہیں
کرنے دی تھی پلیٹ میز پر رکھتے ظاہر اس نے سنجیدگی سے
یہ بات کی تھی اس کی پلیٹ میں ابھی کھانا بچا ہوا تھا مگر وہ
کھانا چھوڑ کر ایک دم سے اٹھ گئی تھی۔

"تین گھنٹوں میں واپس آجاؤں گا۔" اس کے
چہرے پر [illegible] تھا۔ نفرت بھرا دکھ محسوس کرکے
خرد کے دل میں اس کے لیے جو غصہ ہو نفرت سے
زیادہ شدید ہے کہ وہ اس [illegible] نفرت کا اظہار تک
گوارا نہیں کرتی۔

اس نے بھی اپنی پلیٹ ویسے ہی واپس میز پر رکھ
[illegible] تھی جیسے گرلز فش وہ صرف اس کے لیے لائی تھی
ویسے کی ویسے ہی رکھی ہوئی تھی۔ خرد اپنا ویلٹ بیگ
وغیرہ اٹھا کر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

"اچھا میں جا رہی ہوں 'اللہ حافظ" وہ سوئی ہوئی حریم
[illegible] سے پیار کرکے دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس
سے بولی۔

"رکو 'میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" وہ صوفے سے
[illegible] کھڑا ہوا۔

"میں چلی جاؤں گی 'شکریہ۔" اس کی طرف دیکھے بغیر
وہاں رکا نہیں تھا' وہ بھی اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا
اس کے ساتھ چلنے لگا تھا' سنجیدگی سے چلتے خرد نے اسے
دیکھا' پھر لفٹ کے پاس رکتے ہوئے متانت سے بولی۔

"آپ حریم کے پاس رکیے۔ ہم دونوں اس کے پاس
سے ہٹ جائیں' یہ مناسب نہیں۔" اس کا سنجیدہ 'تاثر
اور مہذب انداز اسے ایسا لگا جیسے وہ اس کے منہ پر کھینچ کر
ایک تھپڑ مار گئی ہو۔

"میں اکیلے زندگی گزارنے' میں اکیلے اپنے مسئلے
[illegible] کرنے کی عادی ہوں۔ میں پچھلے ساڑھے چار سالوں سے
تنہا زندگی گزار رہی ہوں۔ تم اپنی یہ مہربانیاں اپنے پاس
سنبھال کر رکھو۔" اس نے طنز سے اسے دیکھا تھا۔
حقارت سے پھر بھی اسے ایسا ہی لگا تھا جیسے خرد اس کی
فکرمندی' خود چھوڑ کر آنے والی بات پر اندر ہی اندر
استہزائیہ انداز میں قہقہے لگا کر ہنس رہی ہو۔

اس نے ایک ٹیکسی والے کو ہاتھ دے کر [illegible]
کہاں جانا ہے اس نے ٹیکسی والے کو یہ بتایا اور پھر اپنے
والٹ سے پیسے نکالتے اس سے یہ کہا کہ جتنی دیر وہ
اپارٹمنٹ میں رہے گی اسے نیچے ہی اس کا انتظار کرنا ہوگا
دو تین گھنٹوں بعد وہ اسی جگہ واپس آئے گی اور تب تک
ٹیکسی ڈرائیور وہاں رکے تاکہ اسے یہاں واپس پہنچا سکے۔
خرد کو اپارٹمنٹ تک چھوڑنے اور پھر وہاں سے ہاسپٹل
واپس لانے کے پیسوں کے ساتھ اس نے ٹیکسی ڈرائیور

مسکراتے مسکراتے ایک دم ہی اس کی آنکھوں سے آنسو
گرنے لگے۔

"حریم کی پیدائش نارمل ہوئی تھی؟"

"ماں اور بچے دونوں کی جان کو خطرہ ہے' ہمیں یہ
آپریشن فوراً کرنا پڑے گا۔"

ایک ظالم شخص کے ہمدردانہ اور اپنائیت بھرے جملوں
نے سب زخموں کو پھر سے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ اپنے
آنسوؤں پر اسے اس پل کوئی اختیار نہیں تھا۔ ٹیکسی
ڈرائیور اسے روتا نہ دیکھ لے اس کی منتخب نگاہوں سے
بچنے کے لیے اس نے اپنا سر بالکل نیچے جھکا لیا تھا۔ حریم کی
وجہ سے وہ وقتی طور پر ایک ہوئے تھے۔ جو کیفیات اس کی
وجہ سے وہ وقتی طور پر ایک شخص کی بھی تھیں اور جیسا بھی تھا
شخص یقیناً" وہی اس بچی کا باپ تھا' خان صاحب اپارٹمنٹ کے
[illegible] ٹیکسی میں واپس آتا' خان صاحب اپارٹمنٹ کے
[illegible] انتظار کریں گے۔"

[illegible] کوئی تاثر لائے بغیر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا
[illegible] ٹیکسی کے بڑھی اور وہ مڑ کر واپس ہسپتال کے گیٹ
[illegible] میں تھا۔ جب زیر لب بہت آہستگی سے اسے مخاطب کرکے
بولا۔

"ان دنوں میں اپنی انا' وقار' غیرت سب کو فراموش
کرکے ایک بار پھر اداسی کی کھوج میں نکلا ہوا ہوں اور اتنا
[illegible] کھا خرد کہ ساڑھے چار سال پہلے جو کچھ ہوا اگر اس
میں میری کوئی غلطی ہے تو چاہے تم مجھے معاف کر بھی
[illegible] میں خود اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

وہ ہسپتال کے اندر واپس آگیا تھا' وہ اپنی سوئی ہوئی بیٹی
کے پاس واپس آگیا تھا۔ اس کی نظریں حریم پر تھیں مگر اس
کا ذہن اس خط کو سوچ رہا تھا۔ آخر وہ خط کہاں گیا تھا۔ آج
[illegible] نہیں تھی لیکن وہ کل اپنے گھر اس لفافے کو
[illegible] کرنے لازمی جانا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر میں نمایاں تبدیلی کرکے اپنے کچھ دیگر کام نمٹا کر وہ
واپس ہسپتال جانے کے لیے اپنی بلڈنگ سے باہر نکلی تو
اپنے لیے انتظار میں کھڑی ٹیکسی کو دیکھ کر طنز اور استہزاء
اس کے لبوں پر آکر بکھر گیا۔ وہ ٹیکسی میں آکر بیٹھی تو
[illegible] اور اپنائیت لیے چند اور فقرے اس کے کانوں میں

"[illegible] تمہیں چھوڑ آتا ہوں"

"[illegible] کھاؤ' یہ فش تو تمہیں پسند ہے نا۔ یہ کیوں
[illegible] آ اس کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ آگئی۔
"دنیا میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا"

"حریم کی پیدائش نارمل ہوئی تھی؟"

"ماں اور بچے دونوں کی جان کو خطرہ ہے' ہمیں یہ
آپریشن فوراً کرنا پڑے گا۔"

ایک ظالم شخص کے ہمدردانہ اور اپنائیت لیے جملوں
نے سب زخموں کو پھر سے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ اپنے
آنسوؤں پر اسے اس پل کوئی اختیار نہیں تھا۔ ٹیکسی
ڈرائیور اسے روتا نہ دیکھ لے اس کی منتخب نگاہوں سے
بچنے کے لیے اس نے اپنا سر بالکل نیچے جھکا لیا تھا۔ حریم کی
وجہ سے وہ وقتی طور پر ایک ہوئے تھے۔ جو کیفیات اس کی
وجہ سے وہ وقتی طور پر ایک شخص کی بھی تھیں اور جیسا بھی تھا
شخص یقیناً" وہی اس بچی کا باپ تھا' خان صاحب اپارٹمنٹ کے
[illegible] ٹیکسی میں واپس آتا' خان صاحب اپارٹمنٹ کے
[illegible] انتظار کریں گے۔"

[illegible] کوئی تاثر لائے بغیر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا
[illegible] ٹیکسی کے بڑھی اور وہ مڑ کر واپس ہسپتال کے گیٹ
[illegible] میں تھا۔ جب زیر لب بہت آہستگی سے اسے مخاطب کرکے
بولا۔

"ان دنوں میں اپنی انا' وقار' غیرت سب کو فراموش
کرکے ایک بار پھر اداسی کی کھوج میں نکلا ہوا ہوں اور اتنا
[illegible] کھا خرد کہ ساڑھے چار سال پہلے جو کچھ ہوا اگر اس
میں میری کوئی غلطی ہے تو چاہے تم مجھے معاف کر بھی
[illegible] میں خود اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

وہ ہسپتال کے اندر واپس آگیا تھا' وہ اپنی سوئی ہوئی بیٹی
کے پاس واپس آگیا تھا۔ اس کی نظریں حریم پر تھیں مگر اس
کا ذہن اس خط کو سوچ رہا تھا۔ آخر وہ خط کہاں گیا تھا۔ آج
[illegible] نہیں تھی لیکن وہ کل اپنے گھر اس لفافے کو
[illegible] کرنے لازمی جانا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر میں نمایاں تبدیلی کرکے اپنے کچھ دیگر کام نمٹا کر وہ
واپس ہسپتال جانے کے لیے اپنی بلڈنگ سے باہر نکلی تو
اپنے لیے انتظار میں کھڑی ٹیکسی کو دیکھ کر طنز اور استہزاء
اس کے لبوں پر آکر بکھر گیا۔ وہ ٹیکسی میں آکر بیٹھی تو
[illegible] اور اپنائیت لیے چند اور فقرے اس کے کانوں میں

"[illegible] تمہیں چھوڑ آتا ہوں"

"[illegible] کھاؤ' یہ فش تو تمہیں پسند ہے نا۔ یہ کیوں
[illegible] آ اس کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ آگئی۔
"دنیا میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا"

"تمہیں میرا نام لینے کا کوئی حق نہیں"

"تمہیں میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں"

"تم صرف حریم سے مطلب رکھو' مجھے میرے حال پر
چھوڑ دو"

مگر یہ صرف دل کی سوچیں تھیں وہ اس سے ایسا کچھ کہہ
نہیں سکتی تھی۔ وہ اس احسان کی شکر گزار اور بہت زیادہ
ممنون تھی جو اس نے اس کی اولاد کی زندگی بچانے میں

ایک روز نے وہ جوس، دودھ اور سوپ کے ساتھ لیکوئڈ ڈیٹ پر مشتمل لائٹ کھانا بھی دیا جانے لگا تھا۔ پھر ایک روز سے حریم کو بیڈ سے اترنے اور کرسی میں بیٹھنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔

سرجری کے بعد حریم کے علاج میں کافی تبدیلی آگئی تھی۔ وہ خرد کو کسی بھی وقت اپنے پاس سے ہٹنے نہیں دیتی تھی وہ رات سوتے جاگتے ہر وقت اسے اپنے قریب رکھنا چاہتی تھی۔ ساتھ ہی اس کی توجہ خرد کو اپنے قریب رکھنے کے ساتھ اس کی نگاہوں سے دور ہوتا تو وہ

"پاپا کہاں ہیں؟"

"پاپا کو بلائیں" کی گردان شروع کردیتی تھی۔ ہر بار سال کے بجائے اس نے یک دم ہی کسی ایک ڈیڑھ سال کے بچے کی طرح بی ہیو کرنا شروع کردیا تھا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر روٹھتی، چڑچڑے پن اور ضد کا مظاہرہ کرتی۔

اس روز اس کی فزیکل تھراپی پروگرام سے وقت اسے کھانسنے اور سانس لینے کی ایکسر سائز کروانی جارہی تھی۔ کھانسنے کی یہ مشق اس لیے بے حد اہم تھی کہ اس کے نتیجے میں سرجری کے بعد نمونیہ کے ہونے کے خطرات سے بچا جاسکتا تھا اور اب تھراپی سے فارغ ہونے کے بعد بیڈ پر لیٹی وہ خرد اور اشعر دونوں سے ضد کی لہجے میں گھر چلنے کو کہہ رہی تھی۔

"ہم ابھی ایک دو دن میں چلے جائیں گے" خرد نے کہا مگر حریم نے سنے اور ضد میں رونا شروع کردیا تھا۔

"حریم کو آج گھر جانا ہے۔"

اشعر سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا وہ فوراً ہی کرسی پر سے اٹھ کر حریم کے پاس بیڈ پر آبیٹھا۔

"گھر تو ہماری پرنسس نے دو تین دن میں چلے ہی جانا ہے لیکن اگر پرنسس پاپا سے پرامس کرے گی کہ ہسپتال میں انجکشنوں کی طرح بی ہیو کرے گی اور کھانا کھا کر بھی تو ماما، پاپا کہیں گے تب مانے گی تو پھر پاپا پرنسس کو ہمارے ڈنلی لینڈ لے کر جائیں گے۔"

اس بات میں ساتھ گھومنے پھرنے کی بات بھی تھی اور وہ بھی اس کے لیے ایک نئی جگہ کے نام کے ساتھ سوائے آخر کار خوشی کا اظہار تو کرنا ہی تھا۔ "ڈنلی لینڈ؟ وہ کیا ہوتا ہے پاپا؟" گھومنے پھرنے کے ذکر پر وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ اشعر نے آہستہ آہستہ پیار سے اسے ڈنلی لینڈ کے متعلق بتانا شروع کیا۔ وہ کتنی دور ہے کہاں ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ ہسپتال میں ایڈمٹ تھی۔ سلیپنگ پلز خاصی کثیر تعداد میں کھا کر اس نے خودکشی کی تھی۔ بروقت ہسپتال لے آئے جانے کے سبب جان بچ گئی تھی مگر زرینہ اکلوتی بیٹی کے اس عمل سے سخت خوف زدہ ہوگئی تھیں۔ وہ کوئی کم عمر اور ایموچیور لڑکی نہیں تھی۔ مگر حرکت اس نے ایک انتہائی بچکانہ اور خطرناک سی کی تھی۔

"اگر سارہ کو کچھ ہوجاتا۔" زرینہ اس کی جان بچ جانے کے باوجود بھی اس خوف سے باہر نہیں نکل پارہی تھیں۔

"سارہ! خود کو سنبھالو، ڈارلنگ، دنیا میں صرف اشعر ہی نہیں جسے محبت بھیجو اس پر۔ دفع کرو اسے۔ تمہارے لیے اس سے بڑھ کر ایک شاندار لوگ موجود ہیں۔"

اپنے پروفیشن میں درجہ کمال کو پہنچ جانے والی ایک کامیاب بیرسٹر رکھنے والی ان کی حسین اور ذہین بیٹی اپنی جذباتی محبت کے ساتھ انہیں بے تحاشا بدلہ ہوا سا لگتا تھا۔ اشعر کو خود کے ساتھ کسی ریسٹورنٹ میں دیکھ لینے کے بعد سے اس کی حالت تھی اور ایسے ہی ایک لمحے میں رات کی تنہائی میں اپنے کمرے میں اس نے سلیپنگ پلز کی اور زور سے چیخ کر اپنی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ کئی برس قبل اشعر کی بے پناہ بے اعتنائی کے بعد "فانا" خرد کے ساتھ شادی ہوئی تب بھی سارہ نے ایسی ہی ردعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے اپنی تیز دھار بلیڈ سے اپنی دونوں کلائیاں بری طرح زخمی کرلی تھیں۔ بستر پر بیٹھ کر اپنی دونوں کلائیوں سے انتہائی تیز رفتاری سے بہتے خون کو وہ دیکھتی رہی تھی۔ اسے کمرے میں نیم بے ہوشی کی حالت میں ان کی ایک ملازمہ نے دیکھا تھا۔ اس کی زندگی کے لالے پڑ گئے تھے۔ بڑی مشکلوں سے اس کی جان بچائی جاسکی تھی۔

تب خرد اور اشعر کی "فانا" ہوئی شادی اور اس شادی کے چند روز بعد خرد کی ماں کے مرجانے نے اشعر کو بہت آسانی اور یہ موقع فراہم کردیا تھا کہ وہ سارہ کی خودکشی کی کوشش خاندان میں سب سے چھپا پائی تھیں۔ اور سارہ کی انتہائی خطرناک حد تک اپنی ہی جان لینے کی ایسی سفاکانہ کوشش نے انہیں لرزا دیا تھا کہ وہ بیٹی کی خواہش پورا کرنے کے لیے جو ان سے ہوسکتا ہے وہ کریں۔

اشعر کے معاملے میں سارہ انتہائی جذباتی اور جنونی تھی۔

وہ ہمیشہ سے ماضی کی باتیں تھیں۔ خرد اشعر کی زندگی سے نکل جانے کے بعد بھی جب اشعر کسی بھی طرح سارہ کی طرف متوجہ نہ ہوا اور سارہ انتہائی بیچور انداز میں اپنے کیریئر اور اپنے پروفیشن میں آگے سے آگے بڑھنے کی جدوجہد میں لگی رہی تب انہیں لگنے لگا کہ ماضی کی وہ جذباتیت اس کا بچکانہ پن ختم ہوچکا ہے۔ اب سارہ میچور ہوگئی ہے۔ مگر یہ ان کی غلط سوچ تھی۔ کم از کم اشعر حسین کے معاملے میں آج بھی اول روز جیسی ہی جنونی تھی۔

اشعر اسے نہیں دیکھتا، یہ وہ پہلے ہی دن سے جانتی تھی اور اپناتا۔ یہ وہ چاہے گی مگر اشعر اس کے بجائے کسی اور کو دیکھے، اشعر اس کے بجائے کسی اور کو اپنالے، یہ وہ کسی قیمت پر برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔

یہ ابنارمل پن تھا، یہ پاگل پن تھا وہ اپنی بیٹی کے اس

urdunovels.net

بیماری دور کروانے کے لیے پیش کیے جانے لگے۔ اس نے کاغذ کا جہاز بنا کر ان کے سامنے کھیلنا شروع کیا۔ اس نے کھیل میں اسے کچھ ایکسائٹمنٹ محسوس ہوئی۔

"پاپا! حریم کو بھی بلائیں۔ حریم بھی پلین اڑائے گی۔"

اس نے ایک دوسرے کاغذ سے اسے اور بھی بڑا جہاز بنا کر دکھایا۔

حریم نے اسے احتیاط سے بیڈ پر اتارا۔ اس کے پیچھے پیچھے نگاہیں اور اس کے ہاتھ میں کاغذ کا جہاز پکڑا ہوا جہاز اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"اب پاپا کا اور حریم کا مقابلہ ہوگا۔ دیکھتے ہیں زیادہ دیر تک کس کا جہاز جائے گا اور زیادہ دیر تک کس کا جہاز اڑے گا۔ جس کا پہلے نیچے گرا وہ ہار جائے گا۔"

حریم کا ہاتھ دوست زادے سے پکڑ کر اس نے خود اس کے ہاتھ سے جہاز اڑوایا اور اسی وقت اپنے دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا جہاز بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اس کا جہاز جو اس نے جان بوجھ کر غلط طریقے سے پھینکا تھا ایک سیکنڈ کی اڑان کے سامنے میز پر جا کر گرا تھا۔

"پاپا ہار گئے۔" حریم نے خوش ہوتے ہوئے خوب مگن سے تالی بجائی تھی مگر وہ حریم کی طرف نہیں دیکھ پایا تھا۔ وہ حریم کے خوشی سے دمکتے چہرے کی طرف نہیں دیکھ پایا تھا۔ اس کی نظریں میز پر گرے جہاز پر مرکوز تھیں۔ وہ میز کے نچلے خانے کے خالی باکس میں جس کا دھکن کھلا ہوا تھا اس میں جا کر گرا تھا۔

یادداشت چودہ، اقفل، ساڑھے چار سال پرانے ماضی کی دھند میں لپٹا وہ منظر جیسے یک دم ہی اس کی آنکھوں کے سامنے پھر سے روشن ہو گیا تھا۔

رات کا ایک بج رہا تھا کہ وہ اور فرحانہ اس کے کمرے میں تھی۔ وہ اگلے روز آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اپنا بریف کیس جو وہ وہی ساتھ لے کر گیا تھا' وہ اس نے بیڈ پر کھول کر رکھا تھا۔ بیڈ پر بیٹھا وہ اس میں سے نکال کر میز پر اور کاغذات کو اپنے دفتر کے روز مرہ استعمال والے لفافے میں ڈال رہا تھا۔ شدید غصے اور طیش کے عالم میں اس نے وہ لفافہ ہاتھ سے پوری قوت سے دیوار پر پھینکا تھا۔ غصے سے بھری اس کی نگاہوں نے لفافے کو میز کے نچلے خانے میں جا کر گرتے دیکھا تھا۔

urdunovels.net

اس کی نگاہیں اس کے کمرے میں تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا۔ میز پر رات سے کھلا وہ بریف کیس اسے یاد آیا تھا۔ میز پر رات کے دوران اس نے کچھ کاغذات نکال کر رکھے تھے۔ آفس جانے کے لیے تیار ہونے کی اپنی اس تیاری کے دوران اس نے بریف کیس دفتر جانے کی اپنی اس تیاری کے دوران اس نے بریف کیس کو کریدنا کروایا کر اپنی الماری میں رکھ دیا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ کسی دفتری کام سے پھر کہیں جانے کے لیے تیار ہوا تھا۔ اس نے اپنی جانے کی تیاری کرتے وہ بریف کیس نکالا تھا۔ پھر پتا نہیں کیا سوچ کر اس نے وہ بریف کیس ویسا ہی رہنے دیا تھا اور پھر وہ واپس آ کر اس کا سفید لفافہ بریف کیس میں رکھ دیا تھا۔ اس نے وہ واپس الماری میں رکھ دیا تھا اور پھر وہ بریف کیس یونہی اس کی الماری میں اس انتظار میں پڑا رہا تھا کہ کب وہ اس کی مرمت اور درستی کا کام کروا کر لائے گا اور کب اسے دوبارہ استعمال میں لائے گا۔

اب حریم کے ساتھ کھیلتے ہوئے اس کھیل نے جیسے اس منظر کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ ذہن کی بند گرہیں یادداشت پر پڑا قفل یک دم ہی کھل گیا تھا۔ وہ حریم کے پاس سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"پاپا! پلین اڑائیں۔" حریم نے اسے اٹھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"پرنس! آپ ماما کے ساتھ پلین اڑاؤ۔ پاپا ابھی فوراً ہی واپس آتے ہیں۔" جھک کر اس کے گالوں پر پیار کرتے اس نے اسے پیار سے سمجھایا' وہ بہت جلدی میں اور بے قرار تھا۔

خود وقت ضائع کیے بغیر کر کے فوراً حریم کے پاس بیڈ پر آ گئی تھی۔ اسے کہیں جانے کی عجلت میں دیکھ کر اس نے حریم کا دھیان اپنی طرف کر لیا تھا۔ "پاپا کو ہرا دیا ہے' ماما کو ہرا کر دکھاؤ تو ہم تمہیں مانیں۔"

تند و تیز طوفان کی رفتار سے گاڑی دوڑاتا وہ اپنے گھر پہنچا تھا۔

کسی طرف نظر ڈالے بغیر وہ دو تین منٹ میں اسٹیپس ایک وقت میں پھلانگتا سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ آتے ہی وہ جھپٹتے ہوئے ماں کے ساتھ وہ الماری کی طرف بڑھا۔

دیوار میں بریف کیس الماری کے سب سے نچلے خانے میں رکھا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اسے باہر نکالا تھا۔ ہاتھوں سے ماں میں یہ دعا مانگتے کہ اس کی یادداشت ٹھیک طرح اس کا ساتھ دے رہی ہو۔ اس نے اسے کھولا۔ بریف کیس کے اندر اس کے دوسرے کچھ کاغذات اور فائلز کاغذات پڑے تھے۔ ایک طرف رکھا تھا اور ان کاغذات میں وہ سفید لفافہ بھی رکھا تھا۔ وہ لفافہ جس کے اوپر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا' وہ لفافہ بالکل سادہ تھا۔ پہلی بار اسے دیکھے بغیر اس پر نظر ڈالے بغیر' اسے ہاتھ سے پوری قوت سے دور پھینک دیا تھا۔ ساڑھے چار سالوں بعد آج اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

وہ لفافہ کوئی باقاعدہ لفافہ نہیں تھا۔ وہ کاپی کے صفحات کو موڑ کر ہاتھ سے بنایا گیا ایک لفافہ تھا۔ لفافہ بریف کیس میں سے اٹھاتے اس کے ہاتھ باقاعدہ کانپ رہے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے لفافہ کھولنے کی کوشش میں ہاتھ سے بنا وہ لفافہ ایک سفید کی صورت پورے کا پورا تحلیل کیا تھا اور اس میں تہہ ہوئے سفید رنگ کے کاپی سائز کے کاغذ اس کے ہاتھوں میں آ گئے تھے۔ وہ انتہائی عجلت اور بے قراری سے ان کاغذوں کی تہیں کھول رہا تھا۔

اشعر کے عجلت بھرے انداز کو اس نے تعجب سے دیکھا تھا۔ اس کی اس درجہ عجلت اور بے قراری کو دیکھتے وہ اپنا وظیفہ ادھورا چھوڑ کر حریم کے پاس اٹھ کر آ گئی تھی' تاکہ وہ جہاں کہیں بھی جانا چاہ رہا ہے وہاں فوراً جا سکے۔ اشعر فوراً ہی چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اب وہ حریم کے ساتھ کاغذ کے جہاز اڑانے والا کھیل کھیل رہی تھی۔ حریم کے ساتھ اس کھیل کو کھیلتے اس کا ذہن اشعر کے اس عجلت اور بے قراری کے انداز کو سوچ رہا تھا۔

انہیں گھر واپس آئے ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہوا تھا۔ آتے ہی اپنا سامان رکھ کر وہ فریش ہونے باتھ روم میں چلی گئی تھیں۔ شاور لے کر باہر نکلیں تو کچھ ہی دیر بعد ان کی حسب ہدایت نور افزاء ان کے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔ اسے کمرے سے جانے کا اشارہ کر کے وہ ٹرے میں سے چائے کا کپ اٹھا کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ چائے کے آہستہ آہستہ گھونٹ لیتی وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بہت زیادہ ٹینشن اور پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی انتہائی گہری سوچ میں ہیں جیسے کوئی فیصلہ نہیں بہت زیادہ دیر شان کر رہی ہیں۔

باقی آئندہ شمارے میں

۶

چھٹی قسط

حریم کے روم میں شفٹ ہو جانے کے بعد سے، جیسے اس کی حالت بہتر ہوتی چلی جا رہی تھی ویسے ہی اس کے ذہن میں آنے والے کل، اپنے اور حریم کے مستقبل کے متعلق سوچیں آنے لگی تھیں۔

آگے کیا ہو گا۔ کہاں ہو گا۔ کیا وہ حریم کو ساتھ لے کر اس نواب شاہ چلی جائے گی۔ چند ہزار روپوں کی کوئی نئی جاب تلاش کرے گی اور پھر سے ایک انتہائی جدوجہد اور مشقت کی زندگی گزارنے کے باوجود بیٹی کو وہ کھلونے نہیں دلا سکے گی، جو اس کی ایک فرمائش پر اس کا باپ فوراً لا کر اس کے سامنے ڈھیر کر دیتا ہے۔ اپنی طرف سے بہت اچھے اسکول میں اسے تعلیم دلوائے گی مگر اس اسکول کا اس شاندار اسکول سے

ساتھ کوئی مقابلہ نہیں ہوگا جہاں اس کا باپ اسے پڑھوائے گا اور جہاں صرف امراء کے بچے پڑھتے ہیں۔ بیٹی کی کوئی معمولی سی فرمائش جو وہ پورا مہینہ انتظار کرنے کے بعد تنخواہ ملنے پر بمشکل پوری کرپائے گی وہ اس کا باپ اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے پوری کردے گا۔ اس کا باپ اسے گھمانے کے لیے ڈزنی لینڈ امریکہ لے جانے کی بات کرتا ہے اور وہ بہت تیر مارے تو شہر کے اندر ہی موجود کسی تفریح گاہ تک اسے لے جاسکے گی۔ اور خدانخواستہ خدانخواستہ حریم کی زندگی میں پھر کوئی مشکل آئے تو اس کا باپ اپنے پیسے، اپنی طاقت کے بل پر وہ مشکل چٹکی بجاتے حل کردے اور وہ اب بھی پہلے کی طرح پیسے ہی جوڑ کے رہ جائے اور وہ کہیں سے کوئی بھی مدد آجانے کا انتظار ہی کرتی رہ جائے۔ اس شخص کی زندگی بھر شکل نہیں دیکھنا، اپنی بیٹی کو اس کے سائے سے بھی بچا کر رکھنا ہے۔ اسے ہمیشہ اس سے دور رکھنا ہے، یہ ساری وہ جذباتی باتیں تھیں جن کا حقیقت کی زندگی میں صرف یہ مقصد نکلتا تھا کہ حریم کو ان آسائشوں، ان سہولتوں سے دور رکھوایا جائے جن پر اس کا پورا پورا حق ہے۔ حریم کی بیماری اور اپنی انا کی پسپائی کے بعد اب جب وہ جذباتی ہوئے بغیر ٹھنڈے دل سے حریم کے مستقبل کو سوچ رہی تھی تو اسے لگا چل رہا تھا کہ اس کی بہتری اس کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے۔ باپ کے پاس اسے وہ سب عیش و آرام اور آسائشیں ملیں گی جو وہ ہزار چاہنے پر بھی کبھی بیٹی کو نہیں دے سکتی۔

اشعر نے دوسری شادی کرلی ہوتی، دوسری عورت سے بھی اس کی اولاد ہوتی تب تو شاید وہ یہ بات اس طرح نہ سوچ رہی ہوتی لیکن ایک مہینے تک دن رات مسلسل، ہمہ وقت جس طرح وہ اپارٹمنٹ میں حریم کے ساتھ رہا تھا اور اب اتنے سارے دنوں — ہسپتال میں بھی جس طرح تمام وقت حریم کے قریب گزارتا تھا اس سے یہ بالکل واضح تھا کہ اس نے دوسری شادی نہیں کی ہے، بلکہ وہ تمام عرصے اشعر حریم کو صرف اپنی بیٹی کے طور پر ہی قبول نہیں کرپایا تھا بلکہ وہ اس سے بے تحاشا اور والہانہ محبت بھی کرنے لگا تھا۔ اشعر کی حریم سے محبت میں اسے ہرگز کوئی شر نہیں تھا۔ وہ اس کے ایک آنسو، ایک اداسی بھرے اس کے چہرے کے تاثر تک سے بے چین ہوجاتا تھا۔ صرف پیسے کی، عیش و آرام کی، دولت کی بات ہوتی تو شاید وہ اس بات کو اس طرح نہ سوچ رہی ہوتی شاید حریم کو اشعر کو سونپ دینا اتنا آسان فیصلہ بھی نہ ہوتا لیکن اب جب کہ یہ بات بالکل واضح اور روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ اشعر، حریم سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر پیار کرتا ہے تو وہ یہ بات کیوں نہیں سوچتی۔ اس ڈیڑھ مہینے میں اشعر نے اپنی جو چاہت، محبت اور بے حساب آسائشیں حریم کو دی تھیں، اس سب کو دیکھنے کے بعد وہ کسی اور سے تو کیا حریم سے بھی بے انتہا شرمندہ اور نادم تھی۔ جو محبتیں، جو آسائشیں، جو سہولتیں حریم کو اس کی زندگی میں اب جاکر ملی ہیں وہ بہت پہلے مل جانی چاہیے تھیں۔ حریم کا حق تھا اپنے باپ پر، اس کی محبت پر، اس کے روپے پیسے پر۔

گزرے چند دنوں میں اس نے حریم کے آنے والے کل کو سوچنا شروع کیا تھا۔

"اشعر کے پاس وہ ہر سہولت پائے گی، زندگی کے تمام خوش نما رنگ دیکھے گی اور اس کے پاس تنگ دستی کی زندگی دیکھے گی، محنت مشقت کرتی ماں کو دیکھ کر زندگی کے پھیکے رنگ دیکھے گی، بڑی ہوگی تو اشعر اسے اس کی خواہش پر پڑھنے دنیا کی کسی بہترین، اعلیٰ ترین یونیورسٹی میں اس کے پسند کے مضمون میں داخلہ دلوائے گا ورنہ وہ اپنی بچی ان تمام شاندار تعلیمی اداروں کے صرف خواب دیکھا کرے گی، جہاں اس کا باپ اسے کھڑے کھڑے پڑھنے بھیج سکتا ہے۔ زندگی اور آگے بڑھے گی اس کی شادی کا وقت آئے گا۔ باپ کے پاس ہوگی تو اس کے ملنے والوں، دوستوں کے اونچے گھرانوں کے پڑھے لکھے قابل، اس کی بیٹی کے لیے بہت اچھے قابل لڑکوں کے اس کے لیے رشتے آئیں گے اور اس کے پاس حریم کی خوب صورتی، خوبیوں کی بدولت اسے پسند کرلینے والے بہت سے لوگ ہوں گے جیسے فوراً کلاس لوگ اسے رشتے کے لیے ہاں کہہ دیں گے اور اس کی ماں کی کم مائیگی اور غریبی میں کیا ملے گا سوچ کر اسے ریجیکٹ کر دیں گے۔

اس کی خوبیوں اور صلاحیتوں والی اس کی بیٹی پیسے کی کمی کی وجہ سے مار کھائے گی۔ ہر جگہ، ہر جگہ پیسے کی کمی، اپنا مڈل کلاس بیک گراؤنڈ اسے کم حیثیت، اپنا مڈل کلاس بیک گراؤنڈ اسے کمتر کرے گا اور پھر ایک روز وہ بہت پیاری بیٹی اس کے سامنے جواب طلبی کے لیے آکر کھڑی ہوجائے گی۔

کہ کیوں اپنی انا کی جیت۔ اپنی انا کو جتوانے، سرخرو کرنے میں اس کی ماں نے اسے زندگی کی کتنی ہی خوشیوں سے محروم کروا دیا ہے۔ زندگی کو اس کے لیے مشکل بنا دیا ہے۔

یہ ایک ماں کو سوچ کر دکھ نہیں ہوا کرے گا کہ اپنے پاس اتنی تنگ زندگی گزارتی میری بیٹی کا یہ حق تھا کہ وہ اپنے باپ کے پاس سہولتوں سے آسائشوں بھری زندگی گزارتی۔

حریم ماں کے پاس رہے گی تو صرف محبت پائے گی باپ کے پاس محبت اور پیسہ دونوں۔

حریم کی زندگی ہی کے لیے وہ اس شخص کے در پر گئی تھی ورنہ اپنے منہ پر ذلت و رسوائی کی کالک ملنے والے ان ہاتھوں کو کیا وہ بھول گئی تھی؟ کیا اس نے معاف کردیا تھا؟ نہ معاف کیا تھا نہ معاف کرسکتی تھی لیکن حریم کی محبت دوسرے ہر احساس پر حاوی تھی اور یہی محبت اس ماں سے کہہ رہی تھی کہ اس کی بیٹی کی بہتری، تحفظ، خوشیاں اور سکون سب باپ کے ساتھ رہنے میں ہے۔

اسے صرف اور صرف حریم کی بہتری اور اس کی خوشیوں کو سوچنا تھا، اپنے آپ کو اپنی ممتا کو نہیں۔ بہت دور بیٹھا اشعر بیٹی سے جتنی محبت کررہا تھا، دیکھ کر یہ سوچا نہیں جاسکتا تھا کہ اب وہ حریم کو خود سے دور جانے دے گا یا وہ حریم کو اس سے چھین لے گا یا کیا وہ حریم کی محبت میں اس کی محبت کے صدقے میں اسے حریم کی ماں کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دے گا؟ دونوں باتیں ممکن تھیں لیکن اگر اس نے اس کے رحم — کو قبول کرنے سے انکار کردیا حریم کو اپنے ساتھ واپس لے جانے پر اصرار کیا تو وہ حریم کو اس سے اپنی طاقت کے بل پر چھین لے گا وہ قانون اور عدالت کے کسی گورکھ دھندے میں پڑے بغیر اس کے چھیننے سے پہلے از خود اپنی خوشی سے برضا و رغبت اپنی بیٹی اسے سونپ دینا چاہتی تھی۔ حریم کی محبت، اس کے خوبصورت کل کی روشن مستقبل کی آرزو اسے اس کی جدائی کا مشکل ترین فیصلہ کرنے پر مجبور کررہی تھی۔ حالات سے سمجھوتے کرکے، دنیا کی ٹھوکریں کھا کر کیا اب بھی وہ یہ سمجھ سکتی تھی کہ اس دنیا میں عزت صرف اور صرف پیسے کی اور پیسے والوں کی ہوتی ہے۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا کیا وہ ہوسکتا تھا اگر وہ کسی صاحب حیثیت اثر و رسوخ والے باپ کی بیٹی ہوتی؟

حریم کی آنکھ نہ کھل جائے اس خوف سے وہ اپنی سسکیوں کو دبا رہی تھی۔

وہ آنکھیں بند کرکے بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ کبھی ایک خوبصورت کل سمجھ کر جو محبت اس سے چھنائی گئی اور جو ٹھوکر اسے ماری گئی وہ سارے زخم، وہ ساری اذیتیں اس مشکل فیصلے نے پھر سے تازہ کردی تھیں۔ فرحان احسان نام کی وہ ایک نازک اور خوبصورت سی گڑیا جو بن مانگے اور بن چاہے اشعر حسین کی جھولی میں ڈال دی گئی تھی۔ وہ اس بہت شاندار انسان کے لائق نہیں تھی۔ ہاں وہ اس کے قابل نہیں تھی۔ یہ سچائی اسے روز اول سے معلوم تھی۔ کیا بے طلب اور بن مانگے کسی کی زندگی میں شامل ہونے اسے

اذیت نہ دی تھی' دکھ نہ پہنچایا تھا؟ اور ساتھ ہی اس احساس نے کیا اس کے وقار' اس کی انا کو مجروح نہ کیا تھا کہ جس کی زندگی میں وہ زبردستی شامل ہو گئی ہے وہ اس کے قابل نہیں' وہ اس کے لائق نہیں۔ محل نما گھر' نوکر چاکر' قیمتی گاڑیاں' بیش قیمت ملبوسات' جیولری' امپورٹڈ کاسمیٹکس' عیش و آرام اور بہت شاندار شریک سفر نہیں تھی وہ ان میں سے کسی بھی چیز کی اہل' اس کے قابل' لیکن جس کی وہ اہل نہیں تھی۔ اس کی تمنا بھی کب کی تھی اس نے؟ اپنی اوقات سے بڑھ کر خواب دیکھنے والی وہ لڑکی نہیں تھی۔ ماں' باپ سے خودداری اور قناعت کو زندگی کا شعار بنالینا سیکھنے والی خرد احسان خواب بھی اپنی حیثیت کے مطابق دیکھا کرتی تھی۔

آسمان پر چمکتے اس سورج کی اشعر حسین کی آرزو وہ کیونکر کر سکتی تھی؟ اس کا ساتھ مل جانے پر وہ کیسے خوش ہو سکتی تھی؟ اس کی عزت نفس' اس کے نسوانی وقار نے اس شخص کی ان چاہی بیوی بنادیے جانے پر بے حد ذلت محسوس کی تھی' خود کو بہت کم حیثیت ہونا اور نیچے گرتا محسوس کیا تھا۔

ایک بہت امیر گھرانے سے تعلق رکھنے والا' دنیا کی اعلا ترین درس گاہوں سے اعلا ترین تعلیم حاصل کرکے آیا ہوا وہ بہت شاندار شخص زندگی کے ہر معاملے میں اس سے برتر تھا اور وہ کم تر۔ ماں کے ساتھ اپنی محدود دنیا' اس چھوٹے سے گھر میں' وہ وہاں کی راجکماری تھی' خود اعتمادی سے مالا مال تھی اور یہاں اس شخص سے ہر لحاظ سے کم تر۔ زبردستی اس کی زندگی میں شامل ہو کر وہ اپنی خود اعتمادی کھونے لگی تھی ایک عجیب سے احساس کمتری میں مبتلا وہ اس شخص سے کترایا کرتی تھی۔

اپر کلاس سے تعلق رکھنے والوں کا وہ گھرانہ چاہے اس کے سگے ماموں ہی کا تھا مگر وہ تو وہاں خود کو اجنبی محسوس کیا کرتی تھی۔

اشعر اور ممانی ان دونوں میں سے کسی نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا تھا مگر وہ ان کی آنکھوں میں یہ تاثر پڑھ سکتی تھی کہ وہ دونوں اس رشتے سے خوش نہیں۔ وہ تقدیر سے 'وہ ماں سے' اس سے ناراض ہوئی تھی۔ اسے زبردستی اس شخص کی زندگی میں شامل کروا کر انہوں نے اس سے اس کی ذات کا فخر بھی چھین لیا تھا۔ اشعر ہے تو وہ صرف کترائی' شرمسار رہا کرتی تھی' اس کے مقابل خود کو بہت کم تر محسوس کیا کرتی تھی مگر اپنی ممانی سے اسے صرف شرمندگی اور ہچکچاہٹ ہی محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ ان سے ڈر لگتا تھا۔ ایک نامانوس سا خوف محسوس ہوتا تھا اسے ان سے۔ انہوں نے اسے کبھی کچھ نہیں کہا کرتی تھیں مگر اسے ان کی نگاہوں سے خوف آتا تھا' اسے ان کی نگاہوں میں ایک سرد اور خاموش سا تاثر نظر آتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو نہیں بتایا تھا کہ اسے ممانی کی خاموشی سے ڈر لگتا ہے۔ اشعر کی خاموشی سے شرمندگی ہوتی ہے۔ اس کی بے زار نگاہوں سے اپنا آپ بہت بے توقیر لگنے لگتا ہے' اسی بے زاری کی کیفیت میں رات میں جب وہ مجبوری کے عالم میں اس کے قریب آتا ہے تو اس کا رونے کو جی چاہتا ہے۔

لوئر مڈل کلاس سے نکل کر اپر کلاس میں اس شاندار شخص کی زندگی میں شامل ہونے کے بعد وہ ویسی ہی تھی لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد اشعر حسین میں کچھ تبدیل ہونے لگا تھا۔ وہ تو ویسی ہی تھی' وہ تو زمین پر ہی تھی مگر اشعر حسین نے اچانک اسے اپنی طرف' آسمان کی طرف بلانا شروع کر دیا تھا۔ پھر ایک روز اس کی خوبیوں کو سراہتے' اس سے محبت کا اقرار کرکے' اس سے والہانہ چاہت کا اظہار کرتے وہ اسے ایک جست میں اپنے برابر لے آیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے خرد! تم بہت اچھی ہو۔ تم سی اچھی لڑکی میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی ہمیشہ ایسی ہی رہنا خرد۔ تمہاری یہ سادگی' تمہاری یہ سچائی انمول ہے۔" پھر اس نے کہا!

شادی ہماری چاہے جس بھی طرح ہوئی ہو' لیکن نہیں ایک بات بالکل سچ سچ بتاؤں' اگر مجھے انتخاب کا حق ملتا' اگر دنیا کی تمام لڑکیوں میں سے مجھے اپنے لیے کسی ایک لڑکی کے انتخاب کا حق ملتا تو میرا انتخاب صرف تم ہوتیں خرد' صرف تم۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں خرد! تم سے اچھی لڑکی میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"تمہیں پتا ہے خرد! تم میرے لیے کتنی خاص ہو' کتنی اہم ہو۔"

"تمہیں اللہ نے خاص میرے لیے تخلیق کیا ہے۔ اتنی سچی' اتنی سادہ' اتنی خالص اور نایاب لڑکی صرف میری ہے' صرف اور صرف میری۔ مجھے فخر ہوتا ہے تمہاری محبت پر' تمہارے ساتھ پر' تمہاری ہم راہی پر' تمہارا ہم سفر ہونے پر۔" محبتوں کی شدتیں لیے چاہتیں اور والہانہ پن لیے یہ اقرار' یہ اظہار اس نے آنکھیں بند کرکے یقین کر لیا تھا۔ اسے ایسی شدید محبت ہو گئی تھی اس سے کہ سوچتی تھی وہ زندگی کو اب سے پہلے اس کے بغیر کس طرح گزارتی آئی تھی۔ اب اس سے جدا رہ کر ایک دن گزارنا محال لگتا تھا۔ وہ کسی دفتری کام سے کہیں چلا جاتا تو اس سے تو کچھ نہ کہتی مگر بے قراری سے اس کی واپسی کا ایک ایک پل گنا کرتی تھی۔ اس کی محبت میں وہ اپنی سدھ بدھ بھلا بیٹھی تھی۔ دل چاہتا تھا خود کو ویسا بنالے جیسا اس کی شریک سفر کو ہونا چاہیے' جو باتیں اسے پسند ہیں وہ سب سیکھ لے' جو ناپسند ہیں وہ سب ترک کر دے۔

وہ اسے پارٹیز میں' دیگر تقریبات میں' اپنے ملنے جلنے والوں کے درمیان فخر سے' محبت سے کسی اعزاز کی طرح ساتھ لے کر جاتا تھا۔ اشعر نے اس کی تعریفوں میں اور بھی بہت کچھ کہا تھا' اسے ان تمام لڑکیوں سے ہر اعتبار سے بلند اور برتر قرار دیا تھا۔ یہ اس کی محبت تھی جو وہ ایسی باتیں اس سے کہتا تھا' ورنہ وہ جانتی تھی وہ ابھی ویسی نہیں جیسا اشعر حسین کی بیوی کو ہونا چاہیے تھا۔ اسے اس تلخ سچائی سے آگاہی دلوانے میں سارہ انعم کے کسی تحقیر آمیز رویے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کی حقارت آمیز نگاہوں اور طنزیہ باتوں سے بہت پہلے سے وہ جانتی تھی کہ وہ اشعر کی محبت' اس کی چاہت سب کچھ ہے مگر وہ اس کے مقابلے میں ہر حیثیت میں بہت کم ہے۔

سارہ انعم اشعر کو صرف پسند نہیں کرتی تھی' وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ شادی کے بعد اپنے گھر کے ایک پارٹی میں سارہ انعم سے پہلی ملاقات ہی میں وہ اس کی اشعر میں انوالومنٹ سے آگاہ ہو گئی تھی' وہ سارہ کی نگاہوں میں اپنے لیے حسد اور نفرت سے بھرے جذبات کو ابتدا ہی میں محسوس کر گئی تھی۔ سارہ انعم کے ان رویوں میں نیا کیا تھا؟ جہاں تک اشعر کے جذبات تھی اس نے دیکھا تھا۔ اشعر کو سارہ سمیت دنیا کی دوسری لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

وہ سارہ کی برتھ ڈے پارٹی تھی' وہ سب اس پارٹی میں انوائیٹڈ تھے۔ سارہ نے بظاہر بڑی گرم جوشی سے بصیرت حسین' فریدہ اور اشعر کے ساتھ ساتھ اسے بھی خوش آمدید کہا تھا۔ اور پھر اسے اشعر سے اس کی اپنی دوستوں سے ملانے کے لیے لے کر آگئی تھی۔

"ان سے ملیے یہ اشعر حسین کی وائف ہیں۔ فلموں میں نہیں ہوتا شہر کی لڑکیاں دیکھتی رہ جاتی ہیں اور گاؤں کی الزمیار شہری بابو کا دل لے اڑتی ہے' بس کچھ ایسا ہی حادثہ ہوا ہے اشعر کے اور ان کے ساتھ۔"

بظاہر مسکراتے ہوئے سارہ نے جیسے ایک بے تکلف سا مذاق کیا تھا' بے تکلفانہ سا انداز جس پر اس کی تمام دوستیں محظوظ ہوتی ہنس پڑی تھیں۔

اسے بے عزتی کا احساس ہوا تھا۔

"TWish میں بھی گاؤں کی لڑکی کوری ہوتی۔"

اپنے مذاق پر سارہ نے بلند قہقہہ لگایا تھا۔ وہ شرمندہ اور بری طرح کنفیوز ڈ ان ہائی سوسائٹی کی بے انتہا ماڈرن لڑکیوں کے بیچ کھڑی تھی۔ سارہ کے بے ہودہ مذاق ختم ہوئے تو ایر کلاس کی ہر دوسری لڑکی نے کسی نہ کسی

بڑے باپ کی بیٹیاں اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کے متعلق سوالات کرنے لگیں۔ قیمتی لباس، زیورات اور اشعر کی ہمدردی کے باوجود اس کا اندازا نہیں ہے تارہا تھا کہ وہ ان میں سے نہیں 'وہ ان کی کلاس میں کبھی نہیں داخل ہوئی ہے۔ اپنے ماں 'باپ' اپنی پہچان پر اس نے زندگی میں کبھی شرمندگی محسوس نہیں کی تھی اس وقت بھی نہیں کی' پورے فخر سے اپنے ماں 'باپ کے بارے میں بتایا مگر پھر بھی اسے کہیں نہ کہیں ایک کمی کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ وہ ان پر اعتماد اور بولڈ لڑکیوں کی طرح پر اعتماد نہیں 'اس نے ان درس گاہوں کی کبھی شکل بھی نہیں دیکھی جن سے ان لڑکیوں نے تعلیم حاصل کر رکھی تھی۔ ان میں کوئی کونونٹ کی پڑھی ہوئی تھی' کسی نے کسی امریکن اسکول سے تعلیم حاصل کی تھی' کوئی IBA سے ڈگری یافتہ تھی تو کوئی LUMS سے پڑھ کر آئی تھی' کوئی اکنامکس دہلی میں پڑھ رہی تھی تو کوئی NCA میں اور کوئی سارہ اجمل کی طرح یو کے UK امریکہ کے کسی شاندار تعلیمی ادارے کا نام لے رہی تھی۔ ایک عام سے اسکول میں پڑھی' ایک چھوٹے سے کالج سے BSC کی خود احساس ان لڑکیوں کے مقابلے میں بہت کم تر تھی۔

اپنی گفتگو میں اردو کے چند الفاظ بحالت مجبوری استعمال کرتی وہ تمام لڑکیاں اسے ایسے ہی دیکھ رہی تھیں جیسے گاؤں کی کسی سیدھی سادی کم علم سی لڑکی کو دیکھا جاتا ہے۔ سارہ نے اس پارٹی میں جو بے تمیزی اس کے ساتھ کی اس سے قطع نظر وہ یہ جانتی تھی کہ ابھی اس میں بہت کمی ہے۔ اشعر کی کلاس کی لڑکیوں کی طرح بولڈ اور مغرب زدہ نہیں لیکن کونفیڈنٹ اور سب سے بڑھ کر اعلیٰ تعلیم یافتہ تو اسے ہونا ہی چاہیے۔

سارہ کے ہاں پارٹی میں اس نے کیا محسوس کیا' سارہ نے اسے کس طرح تضحیک اور تمسخر کا نشانہ بنایا' اس نے یہ سب اشعر کو نہیں بتایا تھا۔ وہ اشعر حسین کی بیوی ہے اور شوہر کی عزت ہر جگہ رکھوانا اس کا فرض ہے' اس کی ذمہ داری ہے۔ اگر کسی جگہ وہ بے عزت ہوئی تو وہ بے عزتی اس کی نہیں اشعر کی ہوگی۔ وہ خود کو اشعر کے معیار و معیارات کے مطابق بنائے گی۔ اس نے خود سے عہد کیا تھا۔

آگے پڑھنا' MBSC کرنا' یہ سارے شادی سے پہلے کے خواب تھے۔ اب اگر اسے یونیورسٹی میں ایڈمشن لینے کا' اعلا تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہوا تھا تو خود اسے کیے اس عہد کے سبب۔ وہ اشعر کی صرف محبت نہیں بلکہ اس کے لیے فخر کا باعث بھی بننا چاہتی تھی۔ اشعر اسے آگے پڑھنے کی بخوشی اجازت دے رہا تھا اور اس نے خوشی خوشی فوراً ہی یونیورسٹی میں ایڈمشن لیا تھا بغیر اپنے دل میں چھپی کوئی بھی سوچ اس پر ظاہر کیے۔ وہ اعلا تعلیم اب اپنے لیے نہیں صرف اور صرف اس کے لیے حاصل کرنا چاہتی تھی۔

ملکوں ملکوں گھومے' دنیا کی اعلا ترین یونیورسٹیز میں سے ایک یونیورسٹی میں پڑھے' اعلا ترین جگہوں پر جاتے وہاں کئی ملکوں' کئی خطوں کی حسین' قابل اور ذہین عورتوں' لڑکیوں سے ملے' انہیں خود میں دلچسپی لیتا پانے کے بعد کیا اشعر کا نصیب وہ معمولی تعلیمی قابلیت رکھتی عام سی لڑکی تھی؟

اشعر سمجھتا تھا اپنی پسند کے مضمون میں ایک اعلا ڈگری کے حصول کے لیے کوشاں وہ اپنے شوق کی تکمیل کر رہی ہے وہ اس سے کہتی بھی تو یہی تھی' سچ وہ اسے بتاتی تو وہ اس پر خفا ہوتا اور اپنے دل میں دکھی بھی' وہ اسے اپنی محبت' اپنی دیوانگی کیسے اور کیونکر سمجھا پاتی۔ وہ اس کی طرح بولڈ نہیں' اس کی طرح لفظوں کا خوبصورت استعمال نہیں جانتی' اسے لفظ نہیں آتے' اسے تو اس شخص سے محبت کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں آتا۔ لیکن اپنے شوہر کی محبت میں دیوانی وہ لڑکی واقعی دیوانی تھی' پاگل تھی۔

☆ ☆ ☆

بے وقوف تھی' احمق تھی۔ وہ تو واقعی کسی چھوٹے سے گاؤں کی ایک بہت سادہ' بہت معصوم

تھا اور بصیرت حسین' وہ بس اس کے ماں باپ تھے' ان کے ہاں ان کے کمرے یا اسٹڈی میں جا کر بیٹھتی تو ایسا لگتا جیسے اپنے سسرال میں نہیں میکے میں بیٹھی ہے۔ سامنے شفقت اور محبت آنکھوں میں لیے بزرگ اس کے سسر نہیں صرف ماں ہیں۔ ہاں فریدہ حسین کے ساتھ اس کا اول روز جیسا ہی پر تکلف تعلق تھا۔ ان کا لیا دیا سرد سا انداز دیکھ کر اس کا بابا بول چاہتا تھا جیسے وہ اپنے ماموں اور شوہر کی من چاہی ہے ایسے ہی ممانی کی بھی من چاہی بن جائے۔ وہ بھی اسے بہو کے طور پر دل سے قبول کر لیں۔ ان کے لحاظ سے وہ سوچتی تو اسے کا رویہ سو فیصد مدمت نظر آتا۔ اشعر ان کا اکلوتا لاڈلا بیٹا تھا' وہ ان کا بہت لائق اور بہت شان دار سا بیٹا تھا۔ نجانے کیسے کیسے اعلا گھرانوں کی حسین لڑکیاں اور ان کے والدین اشعر کے رشتے کے لیے ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر بیٹھے تھے اور ان کے بیٹے کی تقدیر ایک انتہائی معمولی لڑکی کے ساتھ جوڑ دی گئی تھی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے اگر وہ کسی بھی اچھی بہت اونچے گھرانے کی لڑکی کے خواب دیکھتی تھیں تو ایسے خواب تو ہر ماں اپنی اولاد کے لیے دیکھتی ہے۔ تقدیر کو یہ منظور نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے دل کی شدید آرزو تھی وہ اپنی ساس کی بھی من چاہی بن جائے مگر وہ ان کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر پاتی تھی۔ کبھی کوئی ایک لفظ بھی تو انہوں نے اسے برا نہیں کہا تھا پھر بھی وہ ان سے جاہ و جلال' رعب و دبدبے اور تمکنت رکھنے والی خاتون تھیں۔ ایک تکلف تھا' ایک فاصلہ تھا' ایک دیوار کھنچی تھی اس کے اور فریدہ حسین کے بیچ۔ مگر پھر یہ فاصلہ' یہ دوری اور یہ تکلف بہت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہا تھا۔ جیسے اشعر ابتدا میں اس سے بے زاری کا اظہار کرنے کے بعد پھر اسے پسند کرنے لگا تھا' اس سے محبت کرنے لگا تھا ایسے ہی فریدہ حسین بھی اسے پسند کرنے لگی تھیں۔ وہ خود اس کے قریب ہوئی تھیں' انہوں نے اس کے ساتھ محبت اور دوستی کا تعلق قائم کر لیا تھا' انہوں نے اس سے کہا تھا وہ انہیں

ممانی نہیں بلکہ اشعر کی طرح ممی کہا کرے۔ وہ فریدہ حسین کو اپنے پیسے اور طاقت پر غرور اور گھمنڈ رکھنے والی ایک مغرور عورت سمجھا کرتی تھی جبکہ حقیقت کتنی مختلف تھی۔ ساس یا ممانی کیا وہ تو اس کی فکریوں کرنے لگی تھیں جیسے ایک ماں اپنی بیٹی کی کرتی ہے۔ وہ کہتی تھیں ان کی دونوں بیٹیاں بیاہ کر اپنے اپنے گھروں کو چلی گئی ہیں' ایک ملک سے باہر ہے تو دوسری شہر سے' مگر اب اس کے آجانے کے بعد انہیں گھر میں بیٹی کی کمی کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ وہ بصیرت حسین اور اشعر سے بھی بڑھ کر اس کی خوبیوں کو سراہتیں۔ بصیرت حسین رخصت ہوئے تب وہ بہت بری طرح ٹوٹی تھی۔ تب اشعر سے بھی بڑھ کر فریدہ حسین نے اسے سنبھالا تھا۔ اسے اپنے سینے سے لگا کر روتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"کبھی بھی یہ مت سمجھنا خرد! کہ میرے ماموں چلے گئے میں تنہا رہ گئی۔ دل کی ہر بات جیسے بصیرت سے کہتی تھیں' اب مجھ سے کیا کرنا۔ کیونکہ میں تمہیں بیٹی صرف زبان سے نہیں کہتی' دل سے مانتی بھی ہوں۔"

پھر انہوں نے ایسا کر کے بھی دکھایا تھا۔ بصیرت حسین کے بعد انہوں نے اس کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنا شروع کر دیا تھا' اس کی چھوٹی' بڑی ہر چیز' ہر ضرورت کا انہیں دھیان رہتا تھا' وہ اس کے کھانے پینے' اس کے لباس' ایک ایک چیز کا بالکل اسی طرح خیال رکھتی تھیں۔ جیسے کوئی ماں اپنی بیٹی کا رکھا کرتی ہے۔ اشعر کے آفس سے آنے کے وقت بے ڈھنگے حلیے یا بغیر میک اپ اور جیولری کے ہوتی تو اسے کسی ماں ہی کی طرح ذرا غصہ دکھا کر شوہر کو قابو میں رکھنے کے گن سمجھا کر فوراً" سجنے' سنورنے کا حکم دیتیں۔ اس پر ماموں کی جدائی کا بہت زیادہ اثر ہوا تھا' اس صدمے کے باوجود اس نے یونیورسٹی جانا شروع نہیں کیا تھا۔ تب انہوں نے ہی اسے یونیورسٹی جوائن کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں کے ہاں بھی اکثر لے جایا کرتی تھیں۔ اپنی این جی او اور دیگر سوشل ورک سے متعلق بھی کئی سیمینارز' کانفرنسز میں بھی وہ اسے اپنے ساتھ لے جا کر اس کا مان بڑھایا کرتی تھیں۔ وہ اسے اپنے جاننے والوں سے "یہ میری بہو نہیں میری بیٹی ہے" کہہ کر متعارف کرواتی تھیں۔

وہ اسے اپنی بہن زرینہ اجمل کے گھر بھی اپنے ساتھ لے کر گئی تھیں۔ سارہ اجمل کی وجہ سے وہ وہاں جانا نہیں چاہتی تھی مگر فریدہ کے اصرار پر ان کی خاطر چلی گئی تھی۔ وہاں اس کی خضر عالم سے ملاقات ہوئی تھی۔ خضر سے بھی ایک دو بار زرینہ کے گھر کسی پارٹی میں وہ دیکھ چکی تھی اور جواب یونیورسٹی میں اس کا کلاس فیلو بھی تھا۔ جس ماحول سے نکل کر وہ آئی تھی وہاں مردوں سے دوستی تو کیا بے تکلفانہ بات چیت ہی بہت معیوب سمجھی جاتی تھی۔ اشعر سے شادی کے نتیجے میں اس کی کلاس تبدیل ہو گئی تھی' اس کلاس میں اچھائی اور برائی کے معیار کچھ اور تھے مگر وہ اپنے ماحول' مزاج اور تربیت کے خلاف کسی لڑکے سے کیسے بے تکلف گفتگو اور دوستی کر سکتی تھی۔

اگلی بار خضر ان کے گھر آیا۔ زرینہ نے فریدہ کے لیے کوئی چیز اس کے ہاتھ بھجوائی تھی' تب فریدہ کے بلانے پر وہ اخلاقاً" وہاں آکر بیٹھی تو ضرور مگر سلام دعا سے ہٹ کر خضر سے اس کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ سارا وقت فریدہ ہی خضر سے بات کرتی رہیں۔ خضر کے چلے جانے کے بعد انہوں نے اسے اس کی بد اخلاقی پر ٹوکا۔ "گھر آئے مہمان کے ساتھ اخلاق سے بات کرنا چاہیے۔"

اسے پتا تھا وہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ مردوں سے حد سے بڑھ کر کترانے والی اس کی عادات اشعر کی کلاس میں بد اخلاقی' ایٹی کیٹس کے خلاف سمجھی جاتی تھیں۔ مگر اپنی خامی کا ادراک کر لینے کے باوجود بھی اس کے لیے اپنے مزاج کو تبدیل کرنا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

خضر نے کلاس میں اس کے پاس آکر اس سے نوٹس اور لیکچرز مانگنے شروع کیے تو اپنی ممی کی بہن کا

رشتے دار سمجھ کر دوسرے اپنی چیزیں دے دیتی ہیں کوئی لمبی چوڑی اور فالتو بات اس کی اس سے ہرگز نہ ہوتی۔ جب وہ ایسے لیے دیے رہنے والے اور محتاط مزاج کی تھی تو کسی لڑکے کے اس سے بے تکلف ہو جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کی دوستی صرف سامعہ اور ندرت کے ساتھ تھی۔ حماد جو سامعہ کا فرسٹ کزن بھی تھا اور ان دونوں کا نکاح بھی ہو چکا تھا۔ وہ بھی کبھار سامعہ ہی سے کوئی بات کرنے 'کچھ لینے' کچھ دینے ان لوگوں کے پاس آتا۔ ان لوگوں کی کلاسز شروع ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے جب حماد کے ساتھ خضر نے بھی ان لوگوں کے پاس آنا شروع کر دیا۔ حماد تو ان لوگوں سے سلام دعا کے بعد صرف سامعہ سے مخاطب ہوتا جبکہ خضر ان تینوں لڑکیوں سے دوستانہ سی بات چیت کرنے لگتا۔ وہ سوائے مسکرانے کے کچھ بھی نہیں بولتی۔ خضر کے بے تکلف اور دوستانہ انداز کی بدولت بہت جلدی ندرت اور سامعہ کی اس کے ساتھ بے تکلفی اور دوستی ہو گئی تھی۔ اب خضر' حماد کو گھسیٹ کر اکثر ان لوگوں کے درمیان آ کر بیٹھ جاتا۔ وہ تینوں لائبریری میں ہوتیں' خضر' حماد کو بھی وہاں لے آتا۔ وہ ایک کم گو اور بے حد ریزرو قسم کی لڑکی ہے اس بات کو خضر اور حماد دونوں سمجھتے تھے اور وہ دونوں ہی اس سے محتاط انداز میں آپ جناب کر کے ہی بات کیا کرتے تھے۔ خضر زبردستی ان کے گروپ میں شامل ہونے کی کوشش کرتا تھا' حماد کو بھی کھینچ کھینچ کر ان تینوں کے پاس لے آتا تھا۔ اس کے ان لوگوں کے پاس اس طرح آنے کی کوئی اور وجہ سوچی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ خرد شادی شدہ تھی صرف خضر کیا تقریباً ساری کلاس بلکہ کئی ٹیچرز تک یہ بات جانتے تھے' سامعہ نکاح شدہ تھی اور خضر اس کے شوہر کے ہم راہ ان کے گروپ میں آیا کرتا تھا' رہ گئی ندرت تو اس کی بات چیت بھی اعلانیہ طور پر طے تھی' بس باضابطہ منگنی ہونے کی دیر تھی۔ تین شادی' نکاح اور منسوب شدہ لڑکیوں کے پیچھے آنے کا خضر کا اور کیا مقصد ہو سکتا تھا علاوہ اس کے کہ وہ خرد کے اسائنمنٹس اور لیکچرز کے با آسانی حصول کے لیے ان لوگوں کے گروپ میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ آپس میں ان تینوں نے اس بات پر خضر کا بہت مذاق اڑایا تھا جبکہ سامعہ بھی صاف گو لڑکی نے تو خضر کے منہ تک پر یہ بات کر دی تھی اور اس نے بجائے شرمندہ ہونے کے فوراً سر ہلا کر اس کے اندازوں کی تائید کر دی تھی۔ وہ دونوں جیسے ان کے گروپ کے آن آفیشل ممبرز بن گئے تھے۔ یہ آن آفیشل ممبرز جس وقت ان تینوں کے پاس لائبریری' کلاس روم یا کسی بھی اور جگہ آ کر بیٹھتے تو اپنی دونوں سہیلیوں کے ساتھ بے تکلفی سے ہنستی مسکراتی اور بے تکان باتیں کرتی خرد احسان یک دم ہی محتاط ہو کر بیٹھ جاتی۔ پھر وہ بہت کم بولتی اور بہت تکلف سے بولتی۔ جواب میں ایسا ہی کچھ انداز خضر اور حماد کا بھی ہوتا تھا۔

خضر لیکچرز' اسائنمنٹس' ان سے یونیورسٹی میں لیتا اور اکثر وہ اسی شام اسے لوٹانے ان کے گھر آ جاتا۔ اشعر کبھی موجود ہوتا کبھی نہیں مگر فریدہ تو ہمیشہ ہی شام کے ان اوقات میں گھر پر ہوا کرتیں جب وہ اس کی لی ہوئی چیزیں لوٹانے آتا۔ وہ واپس جانے لگتا تو فریدہ اسے محبت اور اصرار سے بٹھا لیتیں' اسے روک لیتیں' جلدی سے کسی بھی ملازمہ کو آواز لگا کر اس کے لیے چائے اور اسنیکس لانے کو کہتیں۔ اسے لگتا تھا کہ فریدہ' خضر کو بہت زیادہ پسند کرتی تھیں۔ وہ اس کی باتوں' کھلنڈرے انداز کو بہت زیادہ انجوائے کرتی تھیں۔ خضر کو بھی ان کے ساتھ باتیں کرنے میں مزا آتا تھا تب ہی تو اس کے جو اسائنمنٹس اور لیکچرز وغیرہ وہ اسے اگلے روز یونیورسٹی میں لوٹا سکتا تھا محض وہ دینے کے لیے ان کے گھر اکثر و بیشتر آ جایا کرتا تھا۔ شاید وہ اپنے گھر والوں کی کمی محسوس کرتا تھا۔ وجہ جو بھی تھی بہرحال وہ فریدہ کی وجہ سے ہمیشہ وہاں بیٹھتی' فریدہ کی وجہ سے خضر کی میزبانی کرتی' جسے اس کی ممی اتنا زیادہ پسند کرتی تھیں' وہ اس کے ساتھ بداخلاقی کیسے برت سکتی تھی' خضر بھی محتاط ہی ہو کر اس سے بات کیا کرتا تھا۔

وہ اس شاطر عورت کا گمان تھا جس نے یہ ترتیب دی تھیں کہ اپنی ہوشیاری سے ترتیب دی تھیں کہ خضر کی دوستی ہو گئی ہے۔ اس کی خضر کے ساتھ دوستی ہو گئی ہے۔ اس کے بعد اس نے کسی سازشی چال سے اگاہ اپنے خلاف استعمال کر دیتی کہ اس کا خضر عالم سے دوستی ہوئی تو اشعر پر واضح کر دیتی کہ اس کا خضر عالم سے کوئی تعلق نہیں ہے پر وہ اشعر کو وضاحتیں کس کی دیتی جبکہ اس کے دل میں کوئی چور' کوئی شیطان چھپا ہوا تھا۔ تمر اسے علم نہیں تھا کہ چھوٹے چھوٹے بہت بے ضرر اور عام سے واقعات' معمولی معمولی باتیں جن کی نہ اس کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہ اشعر کی۔ لیکن وہی معمولی باتیں اور بے ضرر حقیقت دراصل اشعر کے دل میں اس کے خلاف بدگمانی اور بد اعتمادی کی عمارت کھڑی کرنے کے لیے اینٹوں کا کام کر رہے تھے۔

وہ سوچ بھی کیسے سکتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ کتنا بڑا کھیل کھیل رہی ہیں۔ ایک بہت چاہنے والی کا روپ دھار کر وہ اسے پوری طرح اپنے زیر اثر لے چکی تھیں' ممی کو کسی بات کے لیے "نہ" کہنا ان کے کسی حکم' کسی فیصلے کے خلاف جانے کا وہ تصور ہی نہیں کر سکتی تھی۔

خضر سے اس کا ہر تعلق ممی کی خاطر اور رشتے داری کے لحاظ میں تھا۔ پھر بھی غلطی تو اس کی تھی۔ اس کی معصومیت' اس کی سادگی جسے اشعر ہمیشہ بہت زیادہ سراہتا تھا' اس کی اسی معصومیت' اسی سادگی کو اس بے انتہا چالاک عورت نے بڑی ہوشیاری سے اپنے حق میں استعمال کر ڈالا تھا۔

وہ اسے اس کے شوہر کی نگاہوں سے گرانے کے لیے کتنی چالاکی سے اس کے گرد ایک دائرہ تنگ کر رہی تھیں' اسے اپنے ایک شاطرانہ جال میں پھنسا رہی تھیں۔ وہ اسے خود اعتمادی کا درس دیتی تھیں۔ وہ ان کے سمجھانے اور بہت نصیحتوں کے باوجود اپنے حد سے زیادہ محتاط اور ریزرو انداز کو تبدیل نہیں کر پاتی تھی۔ حالانکہ اگر فریدہ' اشعر کے دل میں شک کا زہر نہ انڈیلتیں تو وہ جانتی تھی کہ اشعر کتنا کھلے ذہن کا بندہ تھا۔

وہ ایک تیکھا اپنے دس کلاس فیلوز سے دوستی تھی' اس کے لیے ان لڑکوں کے ان کے گھر فون آ جاتے تھے کبھی کوئی غلط بات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچ سکتی خود اس کی کتنی لڑکیاں اور عورتوں سے پروفیشنل حوالوں سے بھی اور کسی دوسرے حوالے سے بھی دوستیاں تھیں۔ لیکن بات تو ساری یہی تھی' ان کی چالاکی کی تھی۔ وہ اس بے وقوف لڑکی کو بھی خوب اندر تک جان گئی تھیں اور اپنے بیٹے کو تو وہ اچھی طرح سمجھتی ہی تھیں۔ اپنے کھلے ذہن کے لبرل بیٹے کے دل میں بیوی کے لیے شک پیدا کروانے کے لیے انہوں نے بڑی ہوشیاری بڑی مہارت سے کام لیا تھا۔ وہ ٹھنڈا کر کے کھا رہی تھیں۔

بچائی آنکھوں کے سامنے آئی تو چلا ماموں کے مرنے کے بعد سے ان کا کیا کوئی کام کوئی عمل' کوئی بات یہاں تک کہ ان کے منہ سے نکلا ایک لفظ تک بے مقصد نہیں تھا۔

وہ اس عورت کے تیار کردہ ڈرامے کے دو مرکزی کردار تھے۔ اس کا تیار کردہ یہ ڈرامہ بہت مضبوط کہانی رکھتا تھا۔ اشعر کا بیرون ملک بزنس ٹور اور خضر کا ایکسیڈنٹ۔ ان دونوں واقعات کا ساتھ ساتھ وقوع پذیر ہونا کیا وہ شک کر سکتی تھی اس بات پر کہ خضر کے ایکسیڈنٹ کا وہ ہمارا قصہ اس ڈرامے کا حصہ تھا۔ اس ڈرامے میں طے یہی کیا گیا تھا کہ یہ سارا واقعہ تب ہو جب اشعر اپنے معمول کے کسی بزنس ٹرپ پر گیا ہوا ہو تاکہ اس کے واپس آنے کے بعد اس سارے قصے کو اپنی مرضی کے رنگ بھر کر اس کے گوش گزار کیا جا سکے۔ تب وہ واقعہ کیا کوئی بھی واقعہ نہ اسے جھوٹ لگتا نہ ڈرامہ مگر اس میں سوچنے پر سمجھ سکتی تھی کہ اس سارے ڈرامے میں وہ عورت کبھی بھی تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ زرینہ اجمل بھی تھیں' خضر عالم بھی تھا۔ زرینہ اجمل کے اس ڈرامے میں شامل ہونے کے عوامل کو سمجھنا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اپنی اکلوتی بیٹی سادہ اجمل کو اس کی محبت تک رسائی دلوانا' لیکن خضر عالم؟ وہ کیوں فریدہ حسین یا زرینہ اجمل کے

ہاتھوں میں کچھ پتلی بن بیٹھا تھا۔

ایکسیڈنٹ کا وہ سارا واقعہ ایک ڈرامہ تھا مگر اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے خضر نے خود کو زخمی تو کیا تھا' خود کو چوٹیں تو لگائی تھیں۔ اگرچہ گاڑی واقعی کہیں جان بوجھ کر نہیں بھی ٹکرائی تھی تب بھی کچھ نہ کچھ ضرور کیا تھا کہ کسی بھی ہسپتال میں زخمی بن کر سر پر' ہاتھوں' پیروں پر پٹیاں جکڑ کر تو یقیناً لیٹا جا سکتا ہے مگر بعد میں اتنے سارے دنوں تک لنگڑانے کی اتنی کامیاب اداکاری مسلسل نہیں کی جا سکتی۔ خضر عالم کے ایکسیڈنٹ پر زرینہ اچھل کود کر ہلکان ہو گئی تھیں۔

خضر کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملتے ہی فریدہ ہسپتال بھاگی تھیں' وہ وہاں کئی گھنٹے مسلسل رہی تھیں۔ صبح سے شام ہو گئی تھی اور فریدہ گھر واپس نہیں آئی تھیں۔ تب اس نے انہیں ہسپتال فون کیا۔ پتا چلا کہ ایکسیڈنٹ میں خضر کا بہت زیادہ خون بہہ گیا ہے' اسے بہت زیادہ مقدار میں بلڈ کی ضرورت ہے۔ بلڈ بینک سے فوری طور پر بلڈ ملا تو ہے مگر خون کی ضرورت پوری نہیں ہوئی۔ ان کی آواز میں بہت پریشانی تھی' وہ تو ہولڈ پر پڑے کسی ایسے انجان و لاوارث زخمی کے بارے میں بھی اگر یہ جان لیتی کہ اس کے خون دے دینے سے اس کی جان بچ سکتی ہے تو لازماً اسے اپنا خون دے دیتی۔

اس کی اس ہمدرد اور خدا ترس فطرت سے اس کی دشمن بخوبی آگاہ تھیں تب ہی تو اپنے ڈرامے کی تیاری کے آغاز میں جب انہوں نے اس ڈرامے کے تمام سینز ترتیب دیے ہوں گے تب ایکسیڈنٹ کا یہ سین بھی اس میں لازمی طور پر شامل کر لیا ہو گا۔ جہاں اتنی باریک بینی سے تمام تر جزئیات پر انہوں نے پہلے سے پورا کام کر رکھا تھا۔ وہاں انہیں اس کا بلڈ گروپ پہلے سے معلوم کر لینا کون سا ناممکن کام تھا۔

اس کے متعلق ان کے اندازے واقعی درست تھے۔ خون کی کمی' خون کی فوری ضرورت' خون کا بہت ضائع ہونا اور جان کو خطرہ جیسی ان کی باتیں سنتے ہی اس نے از خود وہ بات کہہ دی تھی جو وہ اس کے منہ سے کہلوانا چاہتی تھیں۔ وہ فریدہ حسین کے ساتھ بس ایک مرتبہ خون دینے ہی ہسپتال گئی تھی۔ وہاں اس نے اپنا خون بھی دیا تھا اور پھر اس کے بعد فریدہ کے ساتھ ہی کھڑے کھڑے خضر کی عیادت بھی کی تھی۔ اس ایک مرتبہ کے سوا وہ کبھی بھی خضر عالم کی عیادت کے لیے ہسپتال نہیں گئی تھی۔

زرینہ ہسپتال میں خضر کے ساتھ رکی ہوئی تھیں اور فریدہ گھر پر تھے۔ بہن اور خضر دونوں کے لیے کھانا پکوا کر یا تو ڈرائیور کے ہاتھ بھجواتیں یا پھر خود لے کر جاتیں۔ دو' تین مرتبہ ہسپتال جانے کی تیاری کرتے کرتے انہوں نے اس سے سرسری سے انداز میں خضر کے لیے سوپ بنا دینے کو کہا جو انہیں اپنے ساتھ لے جانا تھا۔

وہ سوپ تیار کر کے ان کے لے جانے کے لیے پیک کر کے رکھ دیتی۔ کتنی چالاک تھی وہ عورت' کتنی مکار۔ اشعر کے آنے کے بعد قصداً "ایکسیڈنٹ کی' اس کے بلڈ دینے کی بات اشعر کو اس کے سامنے بتائی۔ لیکن انداز ایسا اختیار کیا۔ جیسے اسے اپنے زخمی دوست کی بہت فکر پڑ گئی تھی' اس نے خود آگے بڑھ کر اپنے دوست کو فوراً جا کر خون دیا تھا۔ اسی کے سامنے ساری بات ہوئی تھی' اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے میری بہو کتنی نرم دل' کتنی حساس ہے والا لہجہ اختیار کر کے' مگر لفظ وہ اپنا کر جو صرف یہ تاثر دیں جیسے خضر کا ا نٹ اس کے لیے ایک بہت اہم بات تھی اور وہ خضر عالم' وہ ان کی سالگرہ آگ کو اپنے چھوٹے چھوٹے تب اسے بہت سادہ اور غیر اہم لگتے جملوں سے کس طرح بھڑکا رہا تھا۔

"پہلے یہ صرف میری کلاس فیلو تھیں اب میری محسنہ بھی بن گئی ہیں۔"

"تب ہی تو پہلے میں سوچا کرتا تھا کہ اپنی اس کلاس فیلو سے مجھے اتنی اپنائیت سی کیوں محسوس ہوتی ہے۔"

"چکھوں گا کیوں نہیں میں تو پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ فرح کے ہاتھوں کا جب صرف سوپ اتنے مزے کا ہوتا ہے

تو پھر یقیناً باقی سب بھی اچھی بناتی ہوں گی۔"

ان جملوں کو یہ یقیناً بہت ہی اچھی بناتی ہوں گی۔" فریدہ نے سادہ سے گفتگو کے طور پر کیے گئے غیر اہم تبصرے کو غیر اہم نہ سمجھا تھا۔

فریدہ نے سادہ تھے نہ غیر اہم۔

اشعر کا آوارگی کا اظہار کرنا تو لازماً" وہ تمام باتوں کی جزئیات کرتی۔ اسے اس رات کا اشعر کا ردعمل یاد آیا۔ وہ کھانے کی میز سے بہت جلدی اٹھ گیا تھا۔ اس نے کھانا برائے نام کھایا تھا وہ کسی بات سے بہت الجھا ہوا اور بہت بے چین لگ رہا تھا۔ اسے الجھا ہوا اور اتنا بے چین سا دیکھ کر وہ کیسے وہاں رکی رہ سکتی تھی۔ نور سے کافی بنانے کا کہہ کر وہ فریدہ اور خضر سے اجازت کر کے اپنی کمرے میں آنے لگی تھی۔ اسے زیادہ کی بات یاد تھی۔ وہ اسے کافی پینے کے لیے بضد ہو کر روک رہی تھیں۔ وہ اپنے کالج اور یونیورسٹی کے دنوں کے کچھ بہت ہی یادگار اور دلچسپ قسم کے واقعات ان لوگوں کو سنا رہی تھیں انہوں نے باقاعدہ اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس زبردستی بٹھاتے ہوئے کہا

"دیکھو خرد! اتنی جلدی کیا ہے بھئی ابھی تو اتنا مزا آ رہا ہے میں تم دونوں کو اپنے کالج کا ایک بہت ہی مزے دار واقعہ سناتی ہوں۔"

اس میں بچپنا اور معصومیت تو تھی مگر اسے وہاں رکنے میں اس وقت ہرگز کوئی دلچسپی نہیں تھی اس کی سوچ کا مرکز اس وقت صرف اور صرف اشعر تھا۔ وہ بھی کبھی نادان ہو پر ایسی نہیں تھی کہ اس کا شوہر کسی پریشانی میں مبتلا نظر آ رہا ہو اور وہ بیٹھے قہقہے لگا رہی ہو۔ فریدہ نے اس کے بچپنے' اس کی نادانی کے متعلق کچھ اندازے غلط بھی لگائے تھے' اس رات جب وہ ان کے بہت زیادہ اصرار کے باوجود وہاں نہیں رکی تھی' اپنے کمرے میں چلی گئی تھی تب یقیناً" وہ بہت زیادہ جھنجھلائی ہوں گی۔

پتا نہیں وہ کس وجہ سے پریشان تھا۔ کوئی دفتری پریشانی تھی' اس کی طبیعت خراب تھی یا کوئی اور مسئلہ تھا لیکن وہ اسے شام سے ہی خاموش خاموش لگ رہا تھا۔ اس کے پوچھنے پر اس نے سر درد کا بہانہ بنا کر مزید سوالات کا سلسلہ روک دیا تھا۔ اس نے بھی زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی تو اپنے قرب اور اپنی محبت سے اس کی پریشانی میں کچھ تھوڑا سا آرام تھوڑا سا سکون تو دے سکتی ہے۔ وہ اس کے بالکل قریب آہستہ آہستہ اس کا سر دبا رہی تھی اور وہ اس سے سر دبواتے دباتے سو گیا تھا۔ اس کے سو جانے کے بعد بھی وہ اس کا سر ہولے ہولے دبائی رہی تھی۔ اس کے چہرے کو محبت اور فکر کے ملے جلے رنگوں سے تکتی رہی تھی۔ دل ہی دل میں یہ دعا بھی مانگتی رہی تھی اس کی جو بھی پریشانی ہو بھی ٹینشن ہے وہ خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو جائے۔

رات اپنی خاموشی اور سنجیدگی سے اس نے اسے جتنا پریشان کیا تھا صبح اپنے شدید محبت کے انداز سے اتنا ہی حیران اور بہت زیادہ خوش کر گئی۔

"خرد! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا میری زندگی کی ہر صبح ایسی ہو' میں آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے تمہیں دیکھوں' تمہیں اپنے قریب پاؤں۔"

اور اس کی بانہوں میں چھپے' اس کی محبتوں سے مسحور ہوتے اس کے جسم کے لرزتے روئیں روئیں سے یہی صدا آ رہی تھی کہ وہ ہمیشہ اس سے یونہی محبت کرے گا۔ اس کے لیے اس کی محبت کبھی کم ہو جائے' سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ اشعر حسین صرف اس کا شوہر نہیں تھا' وہ اس کی کل کائنات تھا' وہ اس کی دنیا' اس کی زمین اس کا آسمان سب کچھ تھا۔ وہ سامنے نظر نہ آتا تو اسے کائنات کا ہر رنگ پھیکا لگتا تھا۔

اس ایک دن کی پریشانی' سنجیدگی اور خاموشی کے بعد اشعر پھر سے پہلے جیسا ہو گیا تھا۔ خضر عالم کے حوالے سے جو باتیں' جس زاویے سے اسے دکھانے کی کوشش کی گئی تھیں بظاہر اس نے انہیں نظر انداز کر دیا تھا' ذہن سے جھٹک دیا تھا مگر وہ باتیں اس کے دل سے نکلی نہیں تھیں۔ اشعر کے لیے اس کی خاطر وہ دنیا کے کسی بھی انسان سے چاہے وہ اسے کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو ہر تعلق توڑ سکتی تھی۔ خضر عالم تو کوئی اہمیت

نہیں رکھتا تھا۔

وہ اس پر اپنی بدگمانی ظاہر نہ کرتا۔ کسی بھی انداز میں ایسا ظاہر کرادیتا کہ وہ خضر عالم کو پسند نہیں کرتا پھر سب کچھ کس طرح بدل جاتا۔ جو کچھ ہوا وہ پھر کبھی بھی نہ ہوتا۔

خضر عالم نے بھی کبھی اسے کلاس فیلو سے ہٹ کر کسی اور نظر سے نہیں دیکھا تھا وہ کم عمر اور جذباتی سا لڑکا تھا جسے آگے پڑھنے اور ترقی کرنے کا بہت شوق تھا۔ اسے امریکہ اعلا تعلیم کے لیے جانے کا بہت شوق تھا۔ وہ ان دنوں ایک امریکن یونیورسٹی ہی میں اپنے داخلے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اسے ایک امریکی یونیورسٹی میں داخلہ ملنے بھی لگا تھا مگر اس کے والد نے اس کے وہاں جانے کے لیے اسے پیسہ دینے سے انکار کردیا تو اس کا جانے کا سارا خواب دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس کے والد کی کویت میں اچھی جاب تھی مگر ابھی اس کے چھوٹے تین بھائی، بہن اور بھی زیر تعلیم تھے اس کے والد کا کہنا تھا وہ اکیلا ان کا لاڈلا نہیں ہے جو وہ اسے امریکہ پڑھنے بھیج دیں اور دوسرے بچوں کو اچھی بنیادی تعلیم بھی نہ دلاسکیں۔ اس سے چھوٹے تینوں بھائی، بہن ابھی اسکول میں پڑھتے تھے۔

وہ ان کے گروپ میں شامل ہوا تھا تو اس کی باتیں وہ سنا بھی کرتی تھی اس کے والد نے اسے کراچی پڑھنے بھیجا تھا وہاں سے یہاں تعلیم اور رہائش کے لیے رقم بھی باقاعدگی سے بھجواتے تھے مگر یہاں جس علاقے میں دو کمروں کے فلیٹ میں وہ رہتا تھا، وہ شہر کا خاصا اچھا علاقہ تھا۔ اپنے گھر کے بھیجے ہوئے پیسوں میں سے وہ اس جگہ رہائش افورڈ نہیں کرسکتا تھا نہ ذاتی گاڑی۔ یہ رہائش اور یہ گاڑی اس نے ٹیوشنز کے دوران اپنی محنت اور کوششوں سے حاصل کی تھی۔ وہ کمپیوٹر پروگرامنگ میں ماہر تھا وہ شہر کے پوش علاقے میں قائم ایک کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ میں بطور انسٹرکٹر شام کے اوقات میں جاب کرتا تھا اور وہیں سے اس کے تعلقات بڑھے تھے تو وہ کئی پرائیویٹ اداروں کے لیے کمپیوٹر پروگرامنگ اور کمپیوٹر سے متعلق دوسرے امور میں سافٹ ویئرز بنا کر دیتا تھا۔ پروجیکٹس اپنے ہاتھ میں لے کر ٹھیک ٹھاک پیسے کما لیتا تھا۔

خضر گروپ میں بیٹھ کر بھانک دل اپنا محبت کی داستان بھی سب کو سناتا تھا۔ مہرین ہم کی وہ لڑکی خضر کے والد کے بچپن کے ایک دوست کی بیٹی تھی۔ خضر اپنے بچپن سے اسے جانتا تھا اور بچپن ہی سے پسند بھی کرتا تھا۔ اس کے والد کے دوست کویت ہی میں اپنی فیملی کے ساتھ شروع سے مقیم تھے۔ مگر ان کا لیونگ اسٹینڈرڈ خضر کی فیملی سے بہت اونچا تھا۔ اسٹیٹس کے فرق کی وجہ سے خضر اب تک اپنی محبت کا کسی سے اظہار نہیں کرسکا تھا۔ مہرین بھی اسے پسند کرتی تھی مگر اس پسندیدگی کو آگے بڑھانے کے لیے اس کے گھر رشتہ بھیجنے کے لیے پیش رفت تو خضر ہی کو کرنا تھی۔ لیکن خضر کو لگتا تھا اسٹیٹس کے فرق کی وجہ سے اس کے والدین مہرین کے ہاں رشتہ لے جانے پر تیار نہ ہوں گے۔ سامعہ قدرت، حماد سب اس سے اظہار ہمدردی بھی کرتے تھے اور وہ اپنے والدین کو مہرین کے گھر رشتہ لے جانے پر تیار کرنے کے طریقے بھی سمجھاتے تھے۔ ایک لڑکا جو صبح شام کسی دوسری لڑکی سے عشق کی داستانیں ان لوگوں کو سناتا رہتا تھا، وہ اس کے بارے میں یہ سوچ بھی کیسے سکتی تھی کہ وہ اس میں دلچسپی لے رہا ہے اور وہ اس میں دلچسپی لے بھی رہی تھی۔ وہ اس میں دلچسپی لینے کا محض ڈراما کر رہا تھا۔ اشعر کے سامنے جب اس کا خضر پر نہیں اشعر پر دھیان ہوتا تب وہ ایک دو پل کے لیے اسے گری نگاہوں سے اس طرح ضرور دیکھتا جنہیں اشعر محسوس کرسکے نہیں دل میں ناپسند کرسکے اور باقی تمام وقت یونیورسٹی میں وہ ان کے گھر آنے پر وہ اس سے نظریں بچا کر کے احترام سے اس طرح بات کرتا جیسے کسی رشتے کی بھابھی سے کی جاتی ہے۔

دوغلا پن، اداکاری، مکاری، چالاکی، کمینگی ان سب کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا تھا اور کہاں جا کر ختم ہونے والا تھا۔ جن دنوں اسے کوئی اپائنٹمنٹ ملا

ہوتا اور کوئی Test ہونے والا ہوتا گھر پر اچانک ہی فریدہ کے مہمانوں کی آمد و رفت بڑھ جاتی۔ اس کی کوکنگ کی فرمائشیں کرتی فریدہ اس سے بچ کا، شام کی چائے کا اچھا انتظام کرنے کو کہتیں، گھر پر کبھی کوئی نہ کوئی ملنے والے کے ہاں اسے اپنے ساتھ لے جاتیں۔ وہ دن کے اوقات میں پڑھ لیا کرتی تھی مگر ان مصروفیات میں لگ کر اس کا پڑھائی کا حرج ہوتا۔ اس ٹیسٹ والے دن بھی فریدہ نے دن بھر اسے اتنا زیادہ مصروف رکھا تھا کہ یونیورسٹی سے آکر کتابیں رکھنے کے بعد اسے رات گئے تک انہیں ہاتھ لگانے کا موقع نہیں مل پایا تھا۔

اس نے ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا "ممی میرا Test ہے۔"

"میری بالکل بھی تیاری نہیں۔" کہا تو انہوں نے لاپروائی سے "چھوڑو دو رات میں پڑھ لینا۔" اس نے ان سے کہا کہ وہ رات میں اشعر کی موجودگی میں زیادہ دیر تک پڑھتی نہیں ہے۔

"کیوں بھئی تمہیں جتنا پڑھنا ہوتا ہے اور جب پڑھنا ہوتا ہے تم پڑھا کرو۔ اشعر کیا اپنے سارے کام تمہیں ذہن میں رکھ کر ترتیب دیتا ہے جو تم ایسا کر رہی ہو۔ اپنا زندگی بھر کا تجربہ تمہیں بتا رہی ہوں خرد کو شوہر کو کبھی بھی بلاوجہ سر پر نہیں چڑھانا چاہیے۔ یہ جو مرد ذات ہے ناں بڑی عجیب شے ہے ایک بار بیوی محبت میں جھک جائے تو یہ عمر بھر اسے اپنے سامنے جھکاتے ہی رہتے ہیں۔"

اپنے ہی بیٹے کے خلاف بولتی وہ عورت حیقیقتاً اپنی ساس نہیں ماں لگی تھیں۔ ایک جذباتی اور بے وقوف سی ماں جو بیٹی کی محبت میں اسے داماد کے خلاف بھڑکا رہی تھی۔ وہ ان کی نصیحتوں پر ہنسی تھی۔ وہ ٹیسٹ بہت اہم تھا فریدہ کے ساتھ مصروف رہ کر کوئی تیاری نہیں ہوسکی تھی۔

فریدہ کے ساتھ تو لحاظ اور تکلف کا رشتہ تھا مگر اشعر کی بات تو دوسری تھی۔ وہاں تکلف و کلف والا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اسے پتا تھا اگر وہ پوری رات جاگ کر پڑھے گی تو اس کی ٹیسٹ کی تیاری مکمل ہوسکے گی ورنہ نہیں۔ پہلے بھی اس کے کئی ٹیسٹ خراب گئے تھے۔ صبح شام کی فریدہ کے ساتھ یہ مصروفیات اس کی پڑھائی پر بہت برا اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اشعر اسے سونے کے لیے بھی ٹائم دیتا تھا۔ اس کے منع کرنے پر اس نے اصرار کیا تو اپنی ڈھیر ساری نامکمل تیاری کو دیکھتے وہ اشعر کے اصرار پر جھنجلا سی گئی۔ اشعر نے دوبارہ اصرار نہیں کیا تھا وہ ایک دم ہی اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کے بعد سے ہی اس کے اندر شدید ناراضگی اور مذاحمت پیدا ہوئی تھی۔ اس نے اسے ہرٹ کردیا ہے، اسے ناراض کردیا ہے۔

اس نے اپنے شوہر کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔ اس نے اسے ہر طرح کی آزادی دی تھی، اسے محبوبہ کی طرح رکھتا تھا اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ شوہر کے حقوق اور اپنے فرائض بھول جائے۔

اپنی بدتمیزی پر وہ کتنی دیر تک شرمندگی میں میز پر سر رکھ کر بیٹھی رہی تھی۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی مگر کافی دیر بعد جب ہمت کرکے وہ میز سے اٹھ کر اس کے پاس آئی تو وہ سو چکا تھا۔ وہ اس سے ناراض ہو کر سویا تھا۔ وہ بیڈ کے دوسرے کونے پر لیٹ کر روتی رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا اسے ابھی سوتے سے اٹھا دے، اس سے اپنی بدتمیزی کی ابھی معافی مانگ لے مگر اسے سوتے سے جگانے کی اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ساری رات اس کے چہرے کو دیکھتے تک دیکھتے روتی رہی تھی۔ صبح ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی۔ میز پر اس کی وہ ساری کتابیں، فائلیں جو چند گھنٹے پہلے اس کے لیے بے حد اہم تھے اب اپنی ہر اہمیت کھو چکے تھے۔ کوئی ٹیسٹ، کوئی کتاب، کوئی پڑھائی بلکہ دنیا کا کوئی بھی کام، دنیا کا دوسرا کوئی بھی انسان اس کے لیے اشعر سے بڑھ کر اہم نہیں تھا۔ صبح ہو گئی تھی اور اس کی آنکھ میں وہ اسے خود سے بہت دور ناراض دیکھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کبھی ہماری لڑائی ہوئی تو کیا ہوگا، کیسا ہوگا، کون کسے منا رہا ہوگا۔ اشعر کی ناراضی خاموش ناراضی ہوگی، وہ غصے میں خاموش

ہو جایا کرتا ہے' اجنبی بن جایا کرتا ہے یہ اس نے اس روز دیکھا تھا۔ ناراض ہو کر اس کی طرف نہ دیکھنا اس سے بات نہ کرنا وہ اتنا اجنبی لگ رہا تھا کہ وہ تعجب سے سوچ رہی تھی کہ کیا زندگی میں کبھی بے تکلفی سے بغیر کسی ڈر اور خوف کے اس شخص سے اس نے بات بھی کی ہوگی؟ کیا اس اجنبی کے دل تک اسے واقعی رسائی حاصل ہے' کیا واقعی وہ اس کے دل میں رہتی ہے۔

وہ ناراضگی اس کی معافی سے ختم ہو گئی تھی مگر ناراضی میں اشعر کا جو اجنبی روپ اس نے تھوڑی سی دیر کے لیے دیکھا تھا اس نے اسے اتنا ڈرا دیا تھا کہ اس نے بہت سچے دل سے دعا کی تھی کہ وہ زندگی میں دوبارہ کبھی اس سے ناراض نہ ہو۔

اسے اشعر کی خاموشی اور اس کے اجنبی انداز نے چند منٹوں ہی میں بہت بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اشعر کی ناراضی اور اجنبیت کے بعد جب وہ اسے منا لینے میں کامیاب ہو گئی تو اشعر نے ایک بہت خوب صورت بات اس سے کہی تھی' اس کی اس خوب صورت ترین بات کو سن لینے کے بعد رات بھر بے چین رہا اس کا دل یک دم ہی ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔

"تمہیں خود پر بھروسہ نہ ہو مگر مجھے میری خرد پر پورا بھروسہ ہے۔"

یہ جملہ اس نے اس کی ٹیسٹ کی تیاری کے حوالے سے کہا تھا مگر اسے اس سارے جملے میں جو لفظ سب سے زیادہ اچھے' سب سے زیادہ پیارے لگے تھے' وہ "میری خرد" کے بھروسے تھے۔

دوپہر میں وہ یونیورسٹی سے آئی تو اس کے آنے کے کچھ ہی دیر بعد فریدہ بھی آ گئیں۔ ان دونوں نے ساتھ لنچ کیا تھا۔ لنچ کے دوران انہوں نے اس سے اس کے ٹیسٹ کے بارے میں پوچھا۔ اس کی تیاری جیسی تیاری تھی ٹیسٹ بھی ویسا ہی ہوا تھا۔ بہت برا۔ مگر اس نے کہا۔

"اچھا ہوا ممی۔"

"تم نے رات میں پڑھا تھا؟" انہوں نے کھانا کھاتے ہوئے سرسری لہجے میں پوچھا تھا۔ وہ اپنی اور اشعر کی کوئی بات ان سے نہیں چھپاتی تھی۔ اس نے انہیں اپنی حرکت اور اشعر کی ناراضی بتا دی تھی۔ وہ اشعر کے معافی تلافی کر دینے کے باوجود اپنی رات کی حرکت پر اب تک شرمندہ تھی اور فریدہ کو ساری بات اسی شرمندگی لیے انداز میں بتا چکی تھی۔

فریدہ نے اس کی شرمندگی پر اسے فوراً ٹوکا تھا' "تو کیا تھا' وہ برابری کے درجے پر رہنا چاہے ایک حاکم ایک محکوم یہ کون سا طریقہ ہے۔ وہ ایک گورنمنٹ تھیں' ایک این جی او چلا رہی تھیں' عورتوں کے حقوق کے لیے' انہیں مردوں کے مساوی حقوق دلانے کے لیے عملی کوششیں کرتی تھیں اور جہاں کہیں مرد اور عورت کی حیثیت اور مرتبے کے تعین کا معاملہ آتا پھر چاہے سامنے ان کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو' وہ عورت کی طرف کی بات کرتی تھیں۔

اس روز بھی اور اس روز کے بعد بھی باتوں باتوں میں انہوں نے اس کا اور اشعر کا براہ راست نام لیے بغیر اسی طرح کی باتیں کی تھیں۔ کبھی اپنی اور بصیرت حسین کی زندگی کی مثال دیتیں' کبھی اپنی کسی جاننے والی کے حوالے سے کوئی بات بتاتیں۔

وہ اپنی شادی شدہ زندگی کی مثال اسے پیش کرتیں۔ انہوں نے اور اس کے ماموں نے ایک دوسرے کے اعصاب پر سوار ہوئے بغیر ایک بہت نارمل' بہت خوشگوار شادی شدہ زندگی گزاری تھی وہ اپنی کسی ایسی جاننے والی کا کوئی حوالہ دیتیں جو شوہر کی غلامی کرتی اور اس کی جوتیاں سیدھی کرتی اور شوہر اسے اپنا غلام ہی سمجھا کرتا تھا' برا بھلا کہتیں۔

"سارا قصور ان عورتوں کا ہوتا ہے جو مردوں کو آسمان پر چڑھا کر اپنی عزت نفس کو مار دیتی ہیں' اپنی شناخت ختم کر دیتی ہیں۔ عورت صرف بیوی یا ماں بن کر رہے' اس کے علاوہ اس کا اپنا کوئی تشخص' کوئی وجود ہی نہ ہو۔ وہ بھی اہلیت رکھتی ہے وہ بھی خود کو منوانا چاہتی ہے' کیوں شادی کے بعد عورت کو شوہر کے موڈ کے مطابق اس کی پسند ناپسند کو دیکھتے ہوئے

ہر کام کرنا پڑتا ہے۔"

فریدہ کسی نہ کسی دوسرے فرد پر رکھ کر مختلف موقعوں پر کسی دوسرے فرد پر رکھ کر باتیں دراصل وہ زہر تھا جو اس کے اندر انڈیلنے کی کوششیں کی جاتی تھیں۔ فریدہ جہاں اس کے ناپختہ اور نابالغ ذہن کی بڑی چالاکی سے برین واشنگ کرنے کی کوششیں کر رہی تھیں۔

وہ اشعر سے برابری کرنے لگے' بدتمیزی کرنے لگے اس کے لیے فریدہ نے اپنی طرف سے بڑا کامیاب اور اثر انگیز کام کیا تھا۔ وہ ان خیالات کا شکار ہو بھی جاتی اگر اسے اشعر سے ایسی شدید اور والہانہ محبت نہ ہوتی جو اشعر کی محبت کے آگے اپنا وجود' اپنی پہچان' اپنا تشخص یہ الفاظ بہت خوش نما سہی بہت سجے ہوئے سہی اس کی اپنی ذات اس کے لیے سراسر غیر اہم ہو چکی تھی۔

جس ڈیزائنر سے وہ اپنے ملبوسات تیار کرواتی تھیں' وہیں اسے ساتھ لے جاتیں' اس کے بھی لباس وہیں سے تیار کرواتیں۔ جس مشہور میک اپ آرٹسٹ اور ہیئر اسٹائلسٹ کے پاس وہ جایا کرتی تھیں وہیں اسے بھی ساتھ لے جاتیں۔

اگر ہیئر اسٹائلسٹ اس سے کہتی کہ وہ اپنے بالوں کو کٹوا لے' تب اسٹائلسٹ کی تائید کرتی وہ بھی اس سے محبت سے یہی بات کہتیں۔ وہ ان کی باتوں میں آ کر اپنے بال کٹوا بھی لیتی اگر اسے یہ یاد نہیں رہتا کہ اس کے یہ لمبے بال اشعر کو کس قدر پسند ہیں' وہ اس کے ان لمبے بالوں کا دیوانہ تھا اور اگر وہ کی اسٹائلسٹ اور ماموں کی ملی بھگت خاطر ان بالوں کو کٹوا لیتی تو اشعر کو کس قدر دکھ ہوتا۔

بہت بعد میں سمجھ میں آیا تھا کہ وہ زیادہ وقت گھر سے باہر رہے گی' اپنے کیریئر کی آزاد خیال عورتوں کی طرح اپنی مرضی سے ہر کام کرنا شروع کر دے گی' ہمہ وقت کسی ماڈل کی طرح تیار رہنا شروع کر دے گی اشعر کی پسند کو جاننے کے باوجود اپنے بال کٹوا لے گی اور سب سے بڑھ کر اشعر کے ساتھ زبان چلانا شروع کر دے گی' اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے لگے گی۔

اشعر اس سب کا کیا مطلب نکالے گا۔ اشعر کے دل میں کتنی توہین اکٹھی ہو چکی تھی' کب چاہتی تھی کہ ان کے بیچ کتنے گلے شکوے رہ جائیں' کتنی دوریاں آ جائیں۔

ان کے آزادی نسواں کے نظریات و خیالات کے بارے میں وہ تو پہلے ہی کچھ نہیں جانتی تھی' بے وقوف تھی سب کچھ تھی مگر محبت کرنا اور محبت نبھانا بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ بعد میں جب ان کے نظریات کا پس منظر اس کی سمجھ میں آیا تو اس نے روتے ہوئے اس بات پر کتنی کالا کھ لاکھ بار شکر ادا کیا کہ وہ ان کی باتوں میں نہیں آئی تھی ورنہ آج جو اس کا دل اور ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے کچھ غلط نہیں کیا' میرے ساتھ غلط ہوا ہے' زیادتی ہوتی ہے' وہ اطمینان و دل کا سکون اور اپنی نگاہوں میں اپنی عزت نہ رہ پاتی۔ ایک غلطی کے سوا' اس نے اس عورت کی باتوں میں آ کر کبھی کچھ غلط کرنے کے لیے بھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی' ایسا کچھ نہیں کیا تھا جو اسے خود اپنے آپ سے شرمسار و نادم کرنے کا باعث بنتا۔ اس رات کی اپنی وہ غلطی ایسی اس کے دل کو لگی تھی کہ اس نے یونیورسٹی سے گھر آ کر اور خاص طور پر اشعر کے سامنے پڑھنا بالکل ترک کر دیا تھا۔ وہ دنیا کی ایسی ہر چیز سے ہمیشہ کے لیے ترک تعلق کر لینا چاہتی تھی' چاہے وہ اسے کتنی ہی محبوب کیوں نہ ہوتی جو اشعر کو ذرا بھی تنگ کرتی۔

وہ یونیورسٹی میں خضر کے کہنے پر آنرز یونیورسٹی میں پڑھنے کے لیے گروپ ممبر شپس رک رہا' سب گھر جلدی جا رہے ہیں۔ فریدہ کا اسی وقت اس کے موبائل پر فون آتا ہے۔ ڈرائیور اپنے کسی کام سے بھیجا گیا ہوا ہے' وہ پتا نہیں کب واپس آئے گا لہٰذا آج وہ یونیورسٹی سے گھر واپس خضر کے ساتھ آ جائے۔ تب موبائل بند کرتے ہوئے اس نے کیا سوچا تھا' وہ تو اس سے بات ختم ہونے کے بعد مسکرائی تھی۔ وہ واقعی اس سے بہت محبت کرتی تھی' نہیں ہر پل اس کی فکر رہا کرتی تھی۔ ان کی محبت اپنی جگہ مگر خضر سے اس کا یہ کہنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ آج ڈرائیور کی

عدم موجودگی کے سبب وہ اسے اس کے گھر ڈراپ کر دے۔ اس کا ارادہ رکشا یا ٹیکسی سے گھر چلے جانے کا تھا۔ لیکن اسی وقت خضر خود اس کے پاس آگیا تھا۔

وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ اس کے پاپا ابھی ابھی فریدہ آنٹی کی کال آئی ہے' وہ کہہ رہی ہیں کہ وہ خرد کو گھر ڈراپ کردے۔ تب وہ ممی کی اپنے لیے محبت اور چاہت پر پھولی نہیں سمائی تھی۔ ممی کی محبت پر سرشار وہ خضر کے ساتھ گھر آگئی تھی۔ جب خضر کا اسے چھوڑنے آنا ایک سازش کی کڑی تھا تو وہ اسے چھوڑ کر گیٹ سے واپس کس طرح جا سکتا تھا۔ اسے کوئی کتاب چاہیے تھی اور وہ لینے اس کے ساتھ اندر آگیا تھا۔ اسے لاؤنج میں بٹھا کر وہ اپنے کمرے سے کتاب لینے چلی گئی تھی۔ ایک دو منٹ میں ہی اس نے اسے کتاب لا کر دے دی تو بجائے صوفے پر سے اٹھنے کے وہ کتاب کے اوراق پلٹتا اس سے کی اسائنمنٹ کے متعلق پوچھنے لگا تھا۔ اسی وقت دوسرے کمرے میں فون کی بیل بجی تھی۔ ٹیلی فون کسی ملازمہ نے ریسیو کر لیا تھا۔ اس کال کے آنے کے بعد خضر فوراً "ہی جانے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ تب انہیں سمجھ آئی تھی۔ مگر بعد میں سوچا تو لگا تھا خضر صوفے پر بیٹھا جیسے انتظار ہی اس کال کا کر رہا تھا۔ خضر اسی وقت واپس چلا گیا تھا مگر اشعر کی اس روز اس کے پاس کال نہیں آئی تھی۔ روشانہ کے گھر میں قدم رکھتے ہی وہ اسے فون کرتا' اس کی خیریت پوچھتا' اسے اس کا ایسا کرنا بہت اچھا لگا کرتا تھا۔ کچھ دن اس کی کال کا انتظار کرتے رہنے کے بعد اس نے اسے خود فون کر لیا تھا۔ وہ اپنے انداز سے کسی میٹنگ یا دوسرے کام میں مصروف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ہاں وہ اسے الجھا ہوا لگا تھا' روز فون پر اس کی آواز سنتے ہی جو وہ ہنستے ہوئے کوئی نہ کوئی پُرلطف سی بات کہتا آج اس کا وہ انداز نہیں تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ شاید وہ اس وقت کسی پیچیدہ دفتری مسئلے کی وجہ سے الجھن میں تھا' پریشان تھا۔ اس کے مزاج کو سمجھتی تھی تبھی تو اسے کریدنے کی بھی تب بھی بات اگر اسے نہیں بتانی ہو گی تو کبھی نہیں بتائے گا۔ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے اس نے اچانک ہی اس سے پوچھ لیا تھا کہ کیا وہ اس کے لیے کچھ لے کر آئے۔ اس کی کوشش کامیاب رہی تھی وہ چند ہی لمحوں میں اس کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ہوا کیا تھا۔ وہ ندرت کی منگنی میں اشعر کی اجازت سے گئی تھی' وہ ہر جگہ ہی اس کی اجازت سے جایا کرتی تھی۔ بلکہ اس رات جب اس نے اشعر کو ندرت کی منگنی کے بارے میں بتایا' اس سے وہاں جانے کی اجازت لینا چاہی تو وہ اس کے اجازت لینے پر ناراض ہوا تھا۔

"تمہیں تمہیں پر کبھی جانے آنے کے لیے اس طرح اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری دوست کی انگیجمنٹ ہے تمہارے نہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس نے اسے بخوشی اسے وہاں جانے کی اجازت دی تھی۔ وہ خود اسے اتنی خوشی خوشی وہاں چھوڑنے جا رہا تھا پھر ہوا کیا تھا۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ڈرائیور کی طرح اسے تقریب میں چھوڑنے اور پھر واپس لینے پہنچے' اس نے اسے منع کرنا چاہا تھا اور وہ اس کی تیاریوں کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتا شرارت سے کہہ رہا تھا کہ جتنی خوب صورت وہ آج لگ رہی ہے وہ اسے چھوڑنے اور لینے کے لیے گاڑی کے چار چکر لگاتا آیا' سارا وقت ندرت کے گھر کے باہر کھڑا ہو کر اس کا کئی گھنٹوں تک انتظار بھی کر سکتا ہے۔ وہ اس روز اس کی کتنی تعریفیں کر رہا تھا۔ وہ بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھا اسے تیار ہوتا دیکھ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ آج اپنی شادی اور ولیمہ کے دن سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہی ہے۔

اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے اوپر پرفیوم اسپرے کیا تھا' آہستہ سے اس کے کانوں میں سرگوشی کی تھی کہ ان کی شادی کو ایک سال ہو چکا ہے تو کیا ہوا' آج وہ اتنی حسین لگ رہی ہے کہ وہ آج اس کے ساتھ کسی نئے سے شادی شدہ' رومینٹک کپل کی طرح پوری رات جاگنا چاہے گا۔ وہ راستے بھر اسی طرح کی باتیں کرتا رہا تھا۔

اس نے راستے میں اسے پھولوں کے کنگن خرید کر

دیے تھے جو اشعر نے اس کے ہاتھوں سے پہنائے تھے' اور اس روز وہ آخری بار اشعر کے ساتھ باہر گئی تھی' آخری بار اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا' آخری بار اس کی پیار بھری سرگوشی اس سے کی تھی' آخری بار اس کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا تھا۔

اس روز کے بعد اس کی زندگی ایسی اجڑی تھی کہ پھر زندگی میں وہ کبھی بھی نہیں سجی تھی' خود کو سنوارا نہیں تھا جس کے لیے خود کو سجاتی اور سنوارتی تھی اس نے اس روز کے بعد سے اسے اپنے دل سے نکال کر باہر پھینک دیا تھا' اس روز کے بعد کبھی کوئی زیور خرد احسان کے جسم پر نہیں سجا تھا' کبھی زرق برق لباس اس نے نہیں پہنا تھا' میک اپ کی کسی چیز کو نہیں چھوا تھا' اپنے لمبے بالوں کو جو اشعر کو بہت زیادہ پسند تھے' کبھی دوبارہ انہیں نہیں کھولا تھا۔ وہ دن خرد احسان اور اشعر حسین کی خوشگوار اور محبت بھری شادی شدہ زندگی کا آخری دن تھا۔

وہ اس سے رخصت ہو کر خوش خوش دوستوں کے ہاں پہنچی تھی۔ سامعہ اسے مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی کہ خضر نے اس کے انتظار میں ان لوگوں کو باہر روک کر رکھا ہوا تھا اور خضر یہ بتا رہا تھا کہ اسے سب کے اکٹھے ہونے کا انتظار اس لیے تھا کہ آج اس کے پاس سب کو سنانے کے لیے دو' دو خوش خبریاں ہیں وہ دو سرپرائزز ہیں۔ وہ یہ دونوں خوش خبریاں سب کو ایک ہی وقت میں دینا چاہتا تھا۔ پہلی خوش خبری یہ کہ اس کا لاس یونیورسٹی میں ایڈمشن ہو چکا ہے اور دوسری یہ کہ اس کے والد آخر کار مہرین کے گھر رشتہ لے جانے کے لیے نہ صرف یہ کہ تیار ہو گئے ہیں بلکہ وہاں رشتہ لے بھی گئے ہیں۔ ابھی مہرین کے گھر والوں نے ہاں نہیں کہی مگر اس کے لیے تو یہی خوشی بہت بڑی خوشی ہے کہ اس کے والدین اس کا رشتہ مہرین کے گھر لے تو گئے۔ امریکہ اعلا تعلیم کے حصول کے لیے جانا اور اپنی من پسند لڑکی کے مل جانے کی امید پیدا ہو جانا یہ دونوں خوشیاں خضر عالم کے لیے بہت زیادہ بڑی خوشیاں تھیں۔

وہ سب لوگ ان ہی دو باتوں کو آپس میں ڈسکس

آج وہ کھانے میں بھی اسے کھانے کی رغبت محسوس ہوئی تھی اور باقاعدگی کی جگہ شام کے وقت اس نے چائے کے ساتھ نمکین بسکٹ لے لیے تھے۔ پچھلے کئی دنوں سے اس کی طبیعت گری گری سی تھی۔ وہ رات میں مکمل نیند لے کر صبح اٹھتی تو بجائے فریش اٹھنے کے اس کو تھکاوٹ طاری ہوتی' صبح صبح خالی پیٹ ہی متلی سی محسوس ہوتی' طبیعت پر بوجھل پن کی کسلمندی چھائی رہتی۔ اس کے ایگزیمز شروع ہو رہے تھے اور اس کی بہت ساری تیاری رہتی تھی وہ اپنی تھکاوٹ' کسلمندی' طبیعت کے بوجھل پن' بھوک نہ لگنے اور ہر تبدیلی کو ایگزیمز کی ٹینشن کے ساتھ جوڑ رہی تھی مگر اس وقت بھنے اور گرلڈ گوشت کی خوشبو سے اس کا جی متلایا تو اس کے دماغ میں ایک دوسری سوچ آئی۔ یہ ایگزیمز کی ٹینشن تھی یا کچھ اور؟ اس کے لب آپ ہی آپ مسکرائے' واقعی وہ احمق تھی جو ایسی کوئی بات ابھی تک سوچ نہیں پائی تھی۔

وہ سوفٹ ڈرنک کی بوتل ہاتھ میں لے کر کچن میں آئی تو لان کے اس کونے میں جہاں کھانے کی خوشبو اسے کم آئے وہاں بیٹھی اپنی حماقتوں پر خود کو برا بھلا بھی کہہ رہی تھی اور اس نئے سے احساس کو پا کر خوش بھی ہو رہی تھی۔

وہ کھانا کیوں نہیں کھا رہی' سامعہ نے اس سے آ کر پوچھا تھا۔ تب وہ حماد اور خضر کے سامنے اسے یہ بتاتی لہٰذا مسکرا کر خود کے گلنے کا جواز پیش کر دیا تھا۔ اس کے اور اشعر کے درمیان طے ہوا تھا کہ جیسے ہی کھانا شروع ہو گا وہ اسے کال کر دے گی۔ بجائے کال کے اس نے اسے میسج کیا۔ میسج پڑھتے ہی اس

کے لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔
"جلدی سے آجائیں' میرے پاس آپ کے لیے
ایک سرپرائز ہے۔"
ابھی اسے اشعر کو میسج کیے چند سیکنڈز ہی ہوئے تھے کہ حماد جو باہر اپنی گاڑی سے کچھ لانے گیا تھا اس نے اسے آکر بتایا کہ اس کی گاڑی باہر کھڑی ہے۔ وہ بوتل واپس میز پر رکھ کر فوراً اٹھ گئی تھی۔ شاید اشعر اس کے میسج کرنے سے کافی پہلے ہی اسے لینے گھر سے نکل چکا تھا۔ اسی وقت اشعر کے پاس جانے کی اسے اتنی زیادہ ایکسائٹمنٹ ہو رہی تھی کہ وہ ندرت کے روکنے کے باوجود بالکل نہیں رکی تھی۔ اسے اشعر کے پاس "فوراً" پہنچنے کی بہت جلدی تھی جو احساس ابھی ابھی اس نے پایا تھا وہ اسے اس کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھی۔ وہ آج پہلے ہی سے اتنے خوشگوار اور رومینٹک موڈ میں تھا یہ بات سن کر تو وہ پتا نہیں کس طرح سے خوشی کا اظہار کرتا۔
وہ باہر نکلی تو گاڑی میں اشعر کی بجائے ڈرائیور کو دیکھ کر حیران پریشان رہ گئی۔ پھر وہ اسے لینے کیوں آیا؟ سب خیریت تو تھی؟ کچھ پریشان سا ہوتے اس نے ڈرائیور سے اشعر کا پوچھا تو وہ کہہ رہا تھا اسے اشعر نے کہا تھا وہ اسے لینے چلا جائے۔ وہ اشعر کی طبیعت کی طرف سے فکر مند ہوتی گھر واپس پلٹی تھی۔ گھر میں سناٹا تھا۔ فرید اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھیں اور اشعر بھی شاید کمرے ہی میں تھا۔ وہ کمرے میں آئی تو تمام لائٹس آف کیے وہ سو رہا تھا۔ اس کی تشویش مزید بڑھ گئی تھی' اسے آج ساری رات جگائے رکھنے کی پلاننگ دھمکیاں دیتا وہ خود کس طرح اتنی جلدی سو گیا تھا۔ وہ اس کے پاس آئی' جھک کر اسے دیکھا' اس کی پیشانی کو چھوئی' وہ بظاہر سوتا ہوا لگ رہا تھا مگر جب وہ اس کی طرف جھکی' اسے نزدیک سے دیکھا تو ایک شک سا ہوا جیسے وہ سو نہیں رہا' وہ جاگ رہا ہے۔ وہ بہت چوکس نیند سوتا تھا' اگر وہ واقعی سو رہا ہوتا تو اس کے ہاتھ لگاتے ہی اس کی آنکھ چاہے نہ بھی کھلتی پر وہ تھوڑا سا تو ہلتا' اس کے وجود میں ہلکی سی جنبش تو ہوتی'
وہ گہری نیند کے ہی عالم میں غنودگی ہی کی کیفیت میں ایک پل کے لیے تو آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھتا مگر اب تو وہ بالکل ساکت لیٹا رہا تھا۔
وہ لباس تبدیل کر کے خاموشی سے بیڈ کے دوسرے کونے پر آکر لیٹ گئی تھی۔ اس نے کروٹ اشعر کی طرف لی ہوئی تھی اور وہ بغور اسی کو دیکھ رہی تھی۔ جو ایک خوشی اسے دستک دیتی محسوس ہو رہی تھی وہ اسے بتانا چاہتی تھی' اس کے شک کو کنفرم کرنے کے لیے وہ اسے کل ہی ڈاکٹر کے پاس لے جائے گی۔ وہ آج رات ہی اس کے ساتھ کل ڈاکٹر کے پاس جانے کا پروگرام طے کر لینا چاہتی تھی۔ وہ اسے جگا نہ سکی تھا مگر وہ خود کو بار بار یقین دلا رہی تھی کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ وہ اشعر کے لیے کتنی زیادہ اہم تھی' وہ جانتی تھی۔ اس کی اشعر کے موبائل پر نظر پڑی جو اس وقت ہمیشہ کی طرح اشعر کے پاس والی بیڈ سائڈ ٹیبل پر نہیں بلکہ رائٹنگ ٹیبل پر پڑا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ ایک دم بیڈ پر سے اٹھی۔ رائٹنگ ٹیبل پر جا کر اس نے موبائل کو دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اشعر کا موبائل آف تھا۔ اس نے موبائل اپنے ہاتھ میں لیا' اسے آن کیا۔ وہ اس کے Inbox میں اپنا کچھ دیر پہلے بھیجا ہوا میسج دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے میسج میں اسے سرپرائز دینے کی بات کی تھی اور اس نے اس کے میسج کو اہمیت دیے بغیر موبائل آف کر کے سو جانے کو ترجیح دی تھی؟ موبائل آن کیے محض ایک یا دو سیکنڈز ہی ہوئے ہوں گے جب اس نے موبائل کی اسکرین پر موبائل پر بھیجی پیغام کے وصول کرنے کی اطلاعی گھنٹی سنی۔ جس ابھی کیفیت میں وہ گھری تھی اس میں گھرے اس نے اس آنے والے میسج کو کھولنا چاہا' اس کا کچھ دیر قبل بھیجا message اشعر کے موبائل پر آن ہوتے ہی اسے اب پہنچا تھا۔ اور وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس کا میسج پڑھ لینے کے بعد موبائل آف کر کے سو گیا ہے جبکہ اس نے تو اس کے کال یا message کرنے کا انتظار کیے بغیر ہی نجانے کب سے موبائل آف کر کے میز پر ڈالا ہوا تھا۔ اشعر
اس کی کال کا انتظار کیے بغیر ہی نجانے کب سے موبائل آف کر کے میز پر ڈالا ہوا تھا۔ آخر کیوں؟ وہ بری طرح پریشان' بری طرح مضطرب تھی۔ اشعر کو کیا ہو گیا تھا؟ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔
وہ صبح ہونے کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اسے نیند بالکل بھی نہیں آرہی تھی۔ وہ موبائل آف کر کے بھی نہیں رکھتا تھا تو ایسے وقت میں جب وہ گھر سے باہر کہیں گئی ہوئی تھی اور اسے بلانے کے لیے اس کے موبائل ہی پر اس سے رابطہ کرتا تھا وہ اسے کیسے کر سکتا تھا؟ وہ پوری رات جاگتی رہی۔
صبح ہوتے کہیں جا کر اس کی آنکھ لگی تھی۔ وہ ہیئر سائز کے لیے ٹریک سوٹ پہنے کمرے سے نکل رہا تھا جب سوئی جاگی کیفیت میں اس نے اسے کمرے سے نکلتے دیکھا' آج تو پوری رات جاگتی رہی تھی اس کا ہی طبیعت پر اثر تھا اور پچھلے کئی دنوں کی طرح صبح اسے ہی طاری ہونے والی تھکاوٹ' نیند کی ہی کیفیت سر گھومتا اور چکر آتے محسوس ہوئے تو وہ فوراً اپنے اندر اتنی قوت پیدا نہ کر پائی کہ بیڈ پر سے کھڑی ہو سکے' اس کے پیچھے کمرے سے باہر جا سکے' اپنی اس کیفیت سے بستر پر لیٹ کر چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے وہ اشعر کے لوٹنے کا لیٹے لیٹے ہی انتظار کرنے لگی۔ اس کا انتظار کرتے کرتے اس کی پھر آنکھ لگ گئی تھی۔ اس بار آنکھ کھلی تو باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ نہا رہا تھا۔ چند منٹ بستر پر لیٹے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت اس کی طبیعت کچھ دیر پہلے کے مقابلے میں بہتر تھی۔ وہ نہا کر تولیے سے بال خشک کرتا باتھ روم سے باہر نکلا تھا۔ وہ بیڈ پر جاگی ہوئی بیٹھی تھی' وہ اسے دیکھ کر خوشگوار انداز میں مسکرا رہی تھی مگر وہ اس پر نظر ڈالے بغیر تولیہ کندھوں پر پھیلائے وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا تھا اس طرح جیسے وہ کمرے میں تنہا ہو۔ وہ اندر ہی اندر بے چین ہوئی تھی۔ اشعر اسے روز جیسا نہیں لگ رہا تھا' ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس وقت اس سے کوئی بات کرنا ہی نہیں چاہتا۔ لیکن کیوں؟ آخر ہوا کیا تھا؟ وہ اس کے بنا بھی جب
اس کی آنکھوں کی محبت اور چاہت دیکھ سکتی تھی تو اس وقت اس کی آنکھوں میں موجود غصہ' ناراضی' بے زاری اور اجنبیت اسے کیوں نظر نہیں آئی۔ وہ اس سے برہم تھا مگر کیوں؟ اجنبیت اور لاتعلقی کا مظاہرہ کر رہا تھا مگر کیوں؟ اندر ہی اندر بری طرح الجھتے اور پریشان ہوتے وہ اس کے پاس آگئی تھی۔ وہ اس سے خوشگوار موڈ میں بات کر رہی تھی اور اس کی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا' ایک آدھ بات کا جواب دیا بھی تھا تو اس کی طرف دیکھے بغیر' یوں جیسے خود پر جبر کر کے خود کو بولنے پر مجبور کر رہا ہو۔ وہ اتنا اجنبی' اتنا پرایا دور لگ رہا تھا کہ بلاوجہ ہی اس کا دل خوف سے تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔ وہ کیا کرے' کس طرح اس کے اس اکھڑے اور خراب موڈ کو ٹھیک کرے۔
اسے لگا کہ اگر اپنے مزاج کے برخلاف وہ تھوڑا سا بولڈ ہو کر اسے رومینٹک اور خود سپردگی کا مظاہرہ کرے گی تو اس کا خراب موڈ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ کبھی اس کے بلانے سے پہلے خود اس کے پاس آجاتی خود کو نچھاور کرنے والا ایک محبوبہ کا سا انداز اختیار کرتی تو اس کی ایسی ہر پیش قدمی اسے ہمیشہ بہت خوش کیا کرتی تھی۔ اسے اپنے وجود کے اندر ایک خوشگوار تبدیلی محسوس ہو رہی ہے' ایسی اچھی' ایسی خوشی کی بات وہ انتہائی برے موڈ میں اسے بتانا نہیں چاہتی تھی۔ خوشی کی اس خبر کی اہمیت کم ہوتی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔
ابھی نہیں رات میں جب وہ اچھے موڈ میں ہو گا' ایک رومینٹک سی جگہ وہ کینڈل لائٹ ڈنر کر رہے ہوں گے تب وہ اسے یہ بات بتائے گی تب وہ اپنی خوشی کا اس طرح پر جوش ہو کر اظہار کرے گا جیسے اظہار وہ اسے دیکھنا چاہتی ہے۔
"یہ چوچلے ہر وقت اچھے نہیں لگتے ہیں خرد! ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے' ایک موڈ ہوتا ہے۔"
اس نے بہت زور سے' بڑی نفرت سے اس کا سر اپنے گھٹنے پر رے ہٹایا تھا' اتنی قوت سے کہ زور سے کہ ایک لمحے کے لیے اس کا پورا سر گھوم گیا تھا

وہ حیرت سے بے یقینی سے مضمحل سے اسے دیکھ رہی تھی' جو ابھی اس نے کیا اس پر وہ کل کو بالکل بھی یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

"ہر وقت کلیہ' پچکنا اور تھرڈ کلاس رومینٹک حرکتیں اچھی نہیں لگتی ہیں خرد! شوہر کا کس وقت کیسا موڈ ہے' بیوی میں اتنا سینس ہونا چاہیے کہ اس کے موڈز کو سمجھ سکے۔" اسے لگا جیسے اشعر نے اس کے منہ پر کھینچ کر ایک تھپڑ مارا ہے' اسے کوئی بہت بری گالی دی ہے۔ ذلت اور بے عزتی کا ایسا احساس کہ وہ سن سی جیسی بیٹھی تھی ویسی ہی بیٹھی رہ گئی۔ وہ کمرے سے تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ کیا محسوس کر رہی تھی اسے نہیں پتا تھا' بس ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے آنسو گرے جا رہے تھے۔ اپنا آپ اتنا ہلکا اتنا بے وقوف لگ رہا تھا کہ اس کا دھاڑیں مار مار کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

اس نے اسے کبھی سخت اور غصیلی نگاہوں تک سے نہیں دیکھا تھا اور آج بغیر کسی غلطی بغیر کسی قصور کے وہ اس کی اس بری طرح انسلٹ کر کے گیا تھا کہ وہ ذلت اور دکھ زیادہ محسوس کر رہی تھی یا بے یقین زیادہ تھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

وہ بیڈ پر اوندھی لیٹی زار و قطار رو رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بجا تو جلدی سے وہ اٹھ کر بیٹھی ہتھیلیوں اور دوپٹے سے رگڑ رگڑ کر چہرے کو جلدی جلدی صاف کیا' آواز کو بمشکل نارمل بنا کر آنے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی آنسوؤں کے نشان تھے' گیلا پن تھا اور لہجہ بھرایا ہوا تھا۔ اندر آنے والی ہستی فریدہ تھیں۔ وہ بری طرح گھبرا کر فوراً" اٹھی تھی' ان کے سامنے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش میں بدقت مسکرائی تھی مسکرانے کی اس کوشش میں وہ ناکام تھی مگر وہ پہلے ہی سے کسی دوسری بات پر کچھ پریشان معلوم ہو رہی تھیں' اس لیے لگ رہا تھا کہ انہوں نے اس کے روئے ہوئے چہرے اور بھرائی آواز کو محسوس نہیں کیا۔ انہوں نے آتے ہی تشویش سے اس سے اشعر کے متعلق پوچھا تھا۔

"اشعر کو کیا ہوا خرد! ناشتا کیے بغیر چلا گیا۔ میں ابھی کچھ اکھڑا اکھڑا لگ رہا تھا۔ تم سے تو کوئی بات نہیں ہوئی؟"

تشویش اور پریشانی سے اس کے پاس آ کر کرسی تھیں لیکن جو سوال وہ ممی سے جا کر کرنے آئی تھی وہی سوال کہ کل اس کے جانے کے بعد اشعر کا موڈ جس بھی بات پر خراب ہوا تھا وہ اس بات سے اس کی طرف لاعلم ہیں۔

وہ انہیں کیا بتاتی یہ تو وہ خود نہیں جانتی تھی تو ان سے کیا کہتی سوائے ایک جھوٹی اور زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لانے کی کوشش کر کے یہ کہنے کی کہ۔

"ان کی آنکھ دیر سے کھلی تھی' وہ ایک میٹنگ کے لیے لیٹ ہو گئے ہیں' اسی بات پر ذرا موڈ آف ہے۔ آپ فکر مت کریں' آفس جا کر غصہ اترے گا تو ناشتہ وہیں کر لیں گے۔"

فریدہ اس جواب پر مطمئن ہو کر کمرے سے فوراً" ہی چلی گئی تھیں اگر وہ ایک آدھ سیکنڈ مزید ٹھہرتیں تو وہ ان ہی کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی۔

ان کے کمرے سے جاتے ہی اس کے بڑی مشکلوں سے روکے آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔ وہ روتے روتے پھر بستر پر لیٹ گئی تھی۔ اب وہ ایک ٹک فون کو دیکھ رہی تھی۔ فون کی یہ بیل شاید اب بجے گی' شاید اب' شاید اب۔

"سوری خرد! میں نے تمہارے ساتھ روڈلی بی ہیو کیا۔ یار! دراصل اس وقت میرا موڈ فلاں شخص سے' فلاں بات پر خراب تھا۔" وہ اسے اتنی اچھی طرح سمجھتا ہے' اسے پتا ہے وہ کتنی حساس ہے' کتنے چھوٹے دل کی ہے' وہ اس کے بدصورت رویوں کی عادی نہیں' وہ جانتا ہو گا اور بس ابھی کچھ ہی دیر میں اس کا فون آنے والا ہے۔

وہ صبح سے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ فریدہ آج صبح سے گھر پر نہیں تھیں۔ وہ آج پورا دن کسی ورک شاپ میں بہت بزی رہی تھیں۔ فریدہ کے گھر

نہ آنے کی وجہ بھی' اشعر' وہ اب تک گھر کیوں نہیں آیا تھا؟ وہ کہاں تھا؟ وہ پورا دن اس کے فون کا انتظار کرتی رہی تھی' ایک دم ہی اسے اس کی دوسری کال کا خیال آیا تھا' وہ خجالت سے تو تھا۔ وہ فوراً" موبائل پر کال ملانے لگی تھی۔ اس نے موبائل تک کر رکھا تھا۔ اس کے کل رات اور آج صبح کے تمام انداز کو ذہن میں رکھتے ہوئے بالکل واضح طور پر آ رہا تھا کہ اس نے موبائل جان بوجھ کر آف کر رکھا ہے۔

اپنا قصور ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ تھک چکی تھی۔ وہ اس سے ناراض ہے مگر کس بات پر؟ بہت سوچنے کے بعد بھی اسے صرف یہی سمجھ آ رہی تھی کہ کل رات وہ دیر سے آئی تھی۔ وہ بہت رومینٹک موڈ میں تھا' وہ اس کی واپسی کا شدت سے انتظار کر رہا تھا اور جب وہ واپس آنے میں دیر ہوئی تو اس کا موڈ خراب ہو گیا اس سے ناراض ہو گیا اسے غصہ آ گیا۔ وہ بہت بے چینی سے ٹیرس پر کھڑی تھی۔ اسے بہت نقاہت ہو رہی تھی' پورے دن بھوکے پیاسے رہنے اور مسلسل روتے رہنے سے اس کی طبیعت واقعی خراب ہو گئی تھی۔ اسے مسلسل کھڑے رہنے میں کمزوری محسوس ہو رہی تھی مگر وہ ٹیرس پر کھڑی رہی۔

آخر بارہ بجے کے قریب اس کی گاڑی گیٹ پر آ کر رکی نظر آ ہی گئی تھی وہ گاڑی اندر لے آیا' وہ گاڑی سے باہر اترا تو وہ اسے وہاں کھڑی دیکھتی رہی۔ وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوا تو تھکے تھکے قدم اٹھاتی وہ کمرے میں آ گئی۔ ہمیشہ کی طرح بہت ہینڈسم' بہت پروقار اس کا وہ محبوب شوہر کمرے میں آیا تو اس کے چہرے پر نہ کوئی پچھتاوا تھا نہ افسوس نہ دکھ۔ وہاں صبح کی طرح اس کے لیے صرف اور صرف سرد مہری' بے گانگی اور لاتعلقی تھی۔ چند سیکنڈز وہ بالکل خاموش رہی۔ وہ صبح اس کے ساتھ کیا کر کے گیا تھا اسے یاد تھا اس کی انا اسے بات کرنے میں پہل کرنے سے روک رہی تھی۔

اس کی وضاحت اسے کرنا چاہیے تھی' معذرت نہ بھی سہی لیکن بات کرنے میں پہل اسے کرنی چاہیے تھی مگر اس کی محبت اس کی انا پر حاوی تھی۔ وہ بے وجہ اس سے ناراض ہے تو کیا ہوا' محبت میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے' محبت میں تو بس اپنے محبوب کو فوراً" منانا جاتا ہے چاہے اپنی غلطی ہو یا نہیں۔ اس کے چہرے پر صبح کی طرح غصہ اور برہمی تو نہیں مگر سرد مہری اور اجنبیت ایسی پھیلی تھی کہ بات کرنے میں پہل کرنے کے لیے اسے اپنے اندر ہمت پیدا کرنا پڑی تھی۔ اس کے پوچھے سوالوں کا اس نے لاتعلقی سے اسے جواب دیا' کھانے کو منع کیا اور باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی وہ اس سے کوئی شکوہ کرنے یا اسے اس کی زیادتی کا احساس دلانے کے لیے نہیں' بلکہ صرف اپنا قصور جاننے کے لیے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ خود کو ہمت دلا رہی تھی کہ وہ روئے گی نہیں' وہ بس اس سے وجہ پوچھے گی اس کی خفگی کی۔ وہ وجہ بتائے گا اور چاہے اس وجہ کو سننے کے بعد بھی اسے اپنی کوئی غلطی نظر نہیں آئے پھر بھی وہ اس سے معافی مانگ لے گی۔ مگر باتھ روم سے نکل کر بجائے بیڈ کی طرف آنے کے وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اسے نظر انداز کر کے' ایسے جیسے وہ اسے دکھائی ہی نہیں دے رہی ہے' وہ اس سے بات کرنے کے لیے اس کی منتظر بیٹھی ہے اسے یہ نظر ہی نہیں آ رہا ہے' وہ کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ اسے اپنے اعصاب ٹوٹ پھوٹ کا شکار لگنے لگے تھے۔ وہ اس کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا' اس کے باوجود وہ اسٹڈی میں اس کے پاس گئی اور اپنا قصور پوچھا تھا۔ چاہت سے عاری' احتجاجیہ انداز میں۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر سرد لہجے میں بے تاثر لہجے میں اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس کا سرد' اجنبی انداز اس کے پورے جسم میں خوف بھری ایک سرد لہر دوڑا رہا تھا۔

"مجھے میرا کام کرنے دو۔ مجھے نیند آئے گی تو کمرے میں آ جاؤں گا اور اب پلیز یہاں کھڑے ہو کر یہ مظلومانہ سے انداز کر کے میرا وقت ضائع کرو۔ میں بہت بزی ہو رہا ہوں۔"

اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تھسیٹ کر اسٹڈی سے باہر نہیں نکالا تھا مگر اس کا لہجہ ایسا برفیلا' ایسا سرد تھا کہ تھسیٹ کر اسٹڈی سے باہر نکالا جانا اتنا اذیت ناک نہ ہوتا جتنا یہ لب و لہجہ۔ اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا اور چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ اشعر کا کون سا روپ تھا۔

وہ اس کے وجود سے بے زار تھا۔ وہ واپس کمرے میں آگئی اپنا وجود جو اس وقت صبح سے بھی زیادہ ہلکا اور بے وقعت لگ رہا تھا اسے اس نے بیڈ پر گرا دیا تھا۔ صرف اس کے دل کو نہیں اشعر نے ایک ہی دن میں اس کی روح تک کو زخمی کر ڈالا تھا' کچل ڈالا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اس لیے کہ دنیا میں یہی وہ واحد چیز تھی جس پر اسے اختیار تھا۔

"تمہیں پتا ہے خرد! تم بہت اچھی ہو۔ تم سے اچھی لڑکی میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی۔ ہمیشہ ایسی ہی رہنا خرد۔"

"میں تو ویسی ہی ہوں مگر تم بدل رہے ہو۔"

"تمہیں پتا ہے خرد! تم میرے لیے کتنی خاص ہو' کتنی اہم ہو۔"

"اگر تم نے مجھے اپنے دل سے نکال دیا ہے تو پھر تو اب میں کچھ بھی نہیں رہی ہوں' نہ خاص نہ اہم۔" وہ بے آواز آنسو بہاتی رہی۔

رات کے آخری پہر وہ کمرے میں آیا تھا' اس پر نظر ڈالے بغیر وہ بیڈ کے بالکل دوسرے کونے پر کروٹ کر کے لیٹ گیا تھا۔ کچھ دیر وہ اس کی پشت کو آنسو بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی۔ ہر بات کے باوجود دل میں ایک چھپی آرزو تھی کہ وہ اسے آواز دے لے صرف اس کا نام لے لے' وہ ایک پل میں اس کے پاس چلی جائے گی' سب کچھ بھلا کر' سب کچھ فراموش کر کے۔ لیکن اس نے اسے نہیں پکارا تھا' وہ اس کی پشت کو دیکھتی رہی' وہ بازو جو ہر رات اس کے گرد ہوتے تھے آج اس کے قریب کہیں نہیں تھے۔ وہ جاگ رہا تھا وہ جانتی تھی۔ اپنے آنسوؤں پر اسے اس پل کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس نے فوراً" ہی کروٹ دوسری طرف کر لی تھی۔ اس نے اپنے گلے میں پڑا لاکٹ کھول رکھا تھا' وہ اس میں موجود اس کی ہنستی مسکراتی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ بالکل خاموشی سے آنسو بہاتے' کوئی آواز پیدا نہ کرتے بھی یہ جانتی تھی کہ وہ اس کے رونے کو محسوس کر رہا ہے' وہ جاگا ہوا ہے۔

"میری نیند خراب ہوتی ہے یا اچھی نہ آئندہ رات میں آپ کو رونا ہو یا ہنسنا ہو' سونا ہو یا جاگنا ہو آپ کمرے سے اٹھ کر کہیں نہیں جائیں گی۔"

وہ اپنے چہرے پر اس کی نرم سی انگلیوں کا لمس محسوس کر رہی تھی۔ اس کے آنسو صاف کر کے اس نے اسے بازوؤں کے حصار میں لے لیا تھا' اور اس نے اس کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔ اسے یاد تھا وہ اس سے شادی کے بعد وہ پہلی رات تھی جب اس شخص کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ بظاہر کھردرے سے لہجے میں اسے مخاطب کرتے وہ اس کے آنسو کتنے پیار سے صاف کر رہا تھا' وہ اس کے کھردرے لہجے کو نہیں اس کی نرم انگلیوں کے لمس کو محسوس کر رہی تھی۔

اسے یاد تھا وہ پہلی رات تھی جب اشعر کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی اور شاید اس کی محبت اشعر کے دل میں۔ اسی رات پہلی مرتبہ وہ اپنے دل کی خوشی کے ساتھ اس کے قریب گئی تھی۔ صرف اتنا چھوٹا سا یہ احساس پا لینا کہ وہ اسے روتا دیکھنا نہیں چاہتا' اسے اس کی محبت میں مبتلا کروا گیا تھا۔

آج وہ انگلیاں اس کے آنسو صاف نہیں کر رہی تھیں' وہ ہاتھ پیار سے اس کے گرد رکھے نہیں گئے تھے' اس کے دل میں آج بھی اس کی ویسی ہی محبت تھی مگر شاید اس کے دل میں اب خرد احسان کی ویسی محبت نہیں رہی۔

"میری محبت کو اپنے دل سے کبھی مت نکالنا اشعر! اگر تم نے مجھے اپنے دل سے نکال دیا تو میں زندہ کس طرح رہوں گی۔ تمہارے دل کے سوا میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔"

صبح ہو چکی تھی۔ وہ ساری رات اس سے رخ موڑے بستر پر لیٹا رہا تھا' وہ صبح ہونے پر اس سے رخ

urdunovels.net

بستر سے اٹھ رہا تھا۔

"خرد! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا' ہمیشہ میری ... برداشت کرنا' میری زندگی کی ہر صبح یونہی ہو' میں ... کھولتے سب سے پہلے تمہیں دیکھوں' ... اپنے قریب پاؤں۔"

اس کی زندگی کی اس نئی صبح میں وہ اس کے قریب ... مگر وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا' وہ بالکل خاموش ... اسے تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔ اس کے شوہر نے ... اسے بتایا تھا' وہ اچھی بیوی نہیں' اسے اس کے ... سمجھنا نہیں آتا' کوشش کر رہی تھی اس وقت ... بیوی بن سکے' وجہ جو بھی تھی مگر اس کے شوہر کا ... رہا تھا کہ وہ اس سے حد درجہ بے زار اور تنگ آیا ... ہے۔ وہ اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا' وہ اس کی ... نہیں سننا چاہتا۔ اپنی شکل کہیں گم کرنا اس کے ... ر میں نہیں تو کم از کم وہ اسے اپنی آواز سے تو ... دے سکتی ہے۔

وہ اس پر نظر ڈالے اور اسے خدا حافظ کہے بغیر ... سے نکل گیا تھا۔ وہ پورا دن پوری رات رو رو کر ... چکی تھی اس سے اب رویا بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ ... سے انداز میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی ... اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور پرسوں رات ... اسے یہ یقین تھا وہ اسے اپنی طبیعت کے بارے ... بتائے گی اور وہ اسے لے کر اسی وقت ڈاکٹر کے ... جائے گا۔

ایک دکھ سے بھری ہنسی اس کے لبوں پر آئی تھی۔ ... اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کر کے آئینے کے سامنے آ کر ... کھڑی ہوئی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی ... تھیں' وہ تین دن سے کنگھے کو نہ چھوئے اپنے بالوں کو ... درست کرنا چاہتی تھی' وہ تین دنوں سے پہنا وہی شکن ... اور لباس تبدیل کرنا چاہتی تھی۔

اس سے بہت محبت کرنے والے اس کے شوہر کو اس ... کی کوئی حالت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ تین دنوں ... سے بھوکی پیاسی اپنا قصور ڈھونڈتی پھر رہی ہے وہ تو نہیں ... مگر باقی سب لوگ تو آنکھیں رکھتے ہیں گھر پر فرید ہیں' ملازمین ہیں' وہ اسے اس طرح اس اجڑے حال میں دیکھ کر کیا سوچیں گے اس نے منہ ہاتھ دھو کر الجھے بکھرے بالوں کو اوپر اوپر سے برش کر کے کلپ میں جکڑا' الماری کے بعد الماری سے ایک دو سرا لباس نکالا' مگر لباس تبدیل کرنے کا اس کا بالکل دل نہ چاہا تھا۔

فریدہ اپنے آفس جا چکی تھیں' اس نے نور افزا سے اپنے لیے کمرے میں ناشتہ منگوایا۔ وہ اس کے لیے ٹرے میں سجا کر بہت اچھا سا ناشتہ لے آئی تھی۔ گھر کے تمام ملازمین میں نور افزا اس کے پُرخلوص اور نرم انداز کے سبب اسے سب سے زیادہ پسند کرتی تھی وہ اس گھر کی سب سے پرانی ملازمہ تھی۔

اس نے شکریہ کہہ کر اس ناشتے کی تعریف کی تو وہ مسکرا دی۔ نور افزا کے کمرے سے چلے جانے کے بعد اس نے ناشتے کی طرف دیکھا تھا۔ سوجی میدے کا پراٹھا' اس کا فیورٹ اور ساتھ میں ہری مرچ اور پیاز والا پاکستانی اسٹائل کا اس کا پسندیدہ آملیٹ' اس نے پراٹھے کا ایک ٹکڑا توڑا' اسے آملیٹ کی پلیٹ کی طرف بڑھایا' آملیٹ پراٹھے میں رکھ کر اس نے نوالہ بنایا' نوالہ منہ کی طرف لے کر گئی' اس کی نظر اپنے برابر رکھے بالکل خاموش ٹیلی فون پر پڑی۔ وہ بھوکی ہے تو ہوا کرے' وہ بیمار ہے تو ہوا کرے' وہ مر رہی ہے تو مرا کرے۔ نوالہ اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا تھا۔ وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ ناشتے کی ٹرے اپنے سامنے سے ہٹا کر وہ بیڈ پر گر کر رو رہی تھی۔ یہ بدترین خود ترسی تھی' یہ بدترین خود اذیتی تھی۔ وہ سب کچھ جانتی تھی' سب کچھ سمجھتی تھی مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی۔ جب محبت بہت ہوتی ہے تو پھر امیدیں بھی بہت ہوتی ہیں۔ ٹیلی فون کو ایک ٹک تکتے وہ بستر پر لیٹ گئی تھی۔

لنچ پر فریدہ گھر پر تھیں۔ وہ کھانا ٹھیک سے کیوں نہیں کھا رہی' اس سے پوچھ رہی تھیں' جو پلیٹ میں چمچہ گھماتی کچھ بھی نہیں کھا رہی تھی۔ اس کا جی متلا رہا ہے اسے کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی' اس نے اپنے نہ کھانے کی انہیں یہ وجہ بتا کر مطمئن کر دیا تھا۔

اس کی شکل دیکھ کر شاید انہیں کچھ شک ہوا تھا تب ہی یہ پوچھنے لگی تھیں کہ کیا اس کا اور اشعر کا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔

وہ انہیں کچھ نہیں بتا سکی۔ وہ یہ جانتی تھی کہ وہ دنیا کے کسی بھی فرد چاہے وہ اشعر کی ماں ہی کیوں نہ ہوں اشعر کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتی۔

اس کے پاس اپنی حالت کے لیے سب سے مناسب بہانہ ایگزیمز تھے۔ وہ ایگزیمز جو اسے یاد بھی نہیں تھے کہ کب ہونے والے ہیں۔ اس کے موبائل فون کا اسکرین روشن ہوا کال ہیلو یا شاید کوئی سہیلی پیپرز ہی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہے۔ اس نے اس کی کال ریسیو نہیں کی تھی ایک ضد سی تھی اس کی کہ اشعر اسے کال نہیں کرتا تو وہ دنیا کے کسی بھی دوسرے فرد کی کال ریسیو نہیں کرے گی۔

وہ باقی کا پورا دن بھی اپنے کمرے ہی میں بند رہی تھی۔

وہ آج بھی دیر سے واپس آیا تھا۔ واپس آکر وہ کہیں جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ وہی فاصلہ وہی ان دیکھی دیوار کھڑی کر کے وہ اسے بالکل بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس پر ایسی یاسیت ایسی مُردنی سی چھا رہی تھی وہ اتنے زیادہ ڈپریشن میں تھی کہ اچانک ہی اس کے دل میں مرنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ اگر ابھی اس وقت وہ یہیں بیٹھے بیٹھے مر جائے تب بھی کیا وہ یونہی اسے نظر انداز کر کے بریف کیس میں اپنی فائلیں رکھتا رہے گا؟ "یہ کیا پاگل پن ہے۔" اس نے خود اپنے آپ کو جھڑکا۔ میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا ہو ہی جاتا ہے اتنی عام سی بات پر اتنا زیادہ ڈپریشن اتنی زیادہ منفی اور یاسیت بھری سوچیں؟

"کل صبح تو میں دبئی جا رہا ہوں وہاں سے واپس آجاؤں پھر طے کرتے ہیں۔"

وہ اس کی خوب صورت آواز سن رہی تھی وہ اشعر حسین کی بیوی جو اس کے لیے بہت اہم تھی بہت خاص تھی جس سے وہ بہت محبت کرتا تھا اپنے کسی جانے والے کو اپنے دبئی جانے کا بتا رہا تھا تب آگاہ ہوئی تھی اس بات سے کہ کل صبح وہ ملک سے باہر جا رہا ہے مگر شاید یہ صرف ایک تاثر تھا جو دیا جا رہا تھا کہ وہ اسے نظر نہیں آرہی، وہ اسے نظر آرہی تھی تب ہی تو وہ اسے سہارا دینے فوراً" اٹھ کر اس کے پاس آیا تھا۔ باتھ روم سے باہر نکلنے کے لیے قدم اٹھا رہی تھی جب اسے بہت زور سے چکر آیا تھا۔ اسے اپنے سامنے ہر چیز گھومتی نظر آرہی تھی وہ سہارے کے لیے کسی چیز کو پکڑنا چاہتی تھی مگر اسے دیوار اور دروازہ ہر چیز دو دو تین تین نظر آرہی تھیں وہ اس کے پاس آیا تھا اس نے اسے فوراً" تھام لیا تھا اس کے گرد ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیا تھا۔ مگر اپنے گرد رکھا وہ ہاتھ اسے اپنے شوہر کا ہاتھ نہیں لگا تھا، وہ ہاتھ انسانیت کے رشتے کے تحت رکھا جانے والا ہاتھ تھا۔ اسے بہت شدت سے رونا آرہا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے اوپر سے ہٹا کر خود بیڈ تک گئی تھی۔ اسے چکر آرہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ دوبارہ اسے آگے بڑھ کر تھام لے گا۔ باتھ روم کے دروازے سے بیڈ تک کا فاصلہ اس نے یوں طے کیا تھا کہ جیسے کئی میل چلی ہو۔ وہ بے دم سی ہو کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

کئی سیکنڈ وہیں کھڑے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ لائٹس آف کر کے بیڈ پر آکر لیٹ گیا تھا مگر اس نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ اسے کیا ہوا ہے یہ تک نہیں پوچھا تھا۔ وہ پوری رات جاگتی رہی تھی۔ صبح ہو گئی تھی۔ وہ تیار ہو رہا تھا۔ اسے اس کا قصور بتائے بغیر اس سے ناراض وہ ملک سے جا رہا تھا۔

"میں جا رہا ہوں آج ڈاکٹر کو ضرور دکھا آنا۔" اسے یقین نہیں آرہا تھا وہ اسے اس طرح چھوڑ کر جا رہا تھا۔ وہ بہت دیر سے جانے کی تیاری کرتا نظر آرہا تھا مگر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ یوں چلا جائے گا۔ اسے اس کا قصور بتائے بغیر صرف سزا سنا کر وہ نہیں جا سکتا تھا۔ اسے یقین تھا وہ واپس آئے گا، جس بھی بات پر روٹھا ہے مگر اس کی محبت اسے کھینچ کر واپس کمرے میں لے آئے گی، وہ الٹے قدموں بھاگتا ہوا واپس کمرے میں آئے گا اسے اپنے سینے سے لگا لے گا۔

"میں تم سے ناراض نہیں رہ سکتا خرد! تم میرے لیے سب سے خاص ہو، تم میرے لیے سب سے اہم ہو۔ میں تم سے ناراض ہو کر تم سے دور ہرگز نہیں جا سکتا۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی، وہ یک دم ہی بیڈ پر سے اٹھی، اور بغیر دوپٹے بغیر چپل کے کمرے سے باہر بھاگی، وہ ٹیرس پر بھاگتی ہوئی آئی اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ ان کے گھر کا گیٹ چوپٹ کھلا تھا۔ ڈرائیور گاڑی باہر نکال رہا تھا۔ پچھلی نشست پر بیٹھا اشعر اپنے گھٹنوں پر بریف کیس رکھے اس میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اس نے مضبوطی سے ریلنگ کو تھام لیا تھا۔

گاڑی ایک سیکنڈ کے اندر اندر ہی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس کا یقین ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوا تھا۔ اس کی محبت، اس کے یقین اور اس کی امیدوں کو اپنے ہی پیروں تلے روندتا وہ اس سے دور، اپنے گھر سے دور، ملک سے دور پتا نہیں کتنے سارے دنوں کے لیے چلا گیا تھا۔ وہ ٹیرس پر کھڑی نجانے کتنی دیر تک روتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ممی! میں آپ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ آئی مین کسی گائناکولوجسٹ کے پاس۔"

تھوڑا سا ہچکچاتے ہوئے اس نے فریدہ سے اپنی بات کی وضاحت کی تھی۔ اشعر کے جانے کے ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ اور فریدہ ساتھ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں، جب اس نے ان سے یہ بات کہی۔

"آج ڈاکٹر کو ضرور دکھا آنا۔" صبح یہ بات بے تاثر سے انداز میں کہہ گیا تھا۔ مگر اشعر حسین کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہو یا نہ ہو خرد احسان کے نزدیک اس کی کہی ہر بات بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اس لیے اس کی کہی ہر بات اپنی ذات سے بھی زیادہ اہم تھی۔ اشعر کا لہجہ چاہے جتنا بھی بے تاثر اور جذبات سے عاری رہا ہو مگر اپنے دل میں اسے اس کی فکر تھی۔ وہ اس کی طرف سے فکر لے کر ہی گھر سے گیا ہے۔

فریدہ جو اورنج جوس کے سپ لیتی اخبار کی کسی خبر میں پوری طرح گم تھیں اس کی بات پر بری طرح چونک گئیں، انہوں نے اخبار سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، پھر ایک دم ہی وہ مسکرانے لگی تھیں۔

"میرے منہ کی بات کہہ دی تم نے۔ میں بھی آج تم سے یہی کہنے والی تھی۔ بہت دنوں سے کہہ تو نہیں رہی ہو کہ ایگزیمز کی ٹینشن ہے، کمزوری ہے، بھوک نہیں لگ رہی مگر مجھے آثار کچھ اور ہی نظر آ رہے ہیں۔ لگتا ہے میں دادی بننے والی ہوں۔"

وہ جملے کے اختتام پر کچھ شوخی سے بولیں۔ وہ جواب میں پھیکی سی ہنسی زبردستی ہنسی۔ اس کی زندگی کی بہت بڑی خوشی تھی مگر وہ خوشی کی طرح مل نہیں رہی تھی۔

"میں ڈاکٹر طیبہ ناظور سے آج ہی کا اپائنٹمنٹ لینے کی کوشش کرتی ہوں۔ بہت اچھی گائناکولوجسٹ ہیں سمجھو شہر کی چند بہترین گائناکولوجسٹس میں سے ایک ہیں۔"

فریدہ نے جوس کا بھرا ہوا گلاس واپس میز پر رکھتے ہوئے کہا، جوس اور اخبار دونوں ان کی توجہ سے محروم ہو چکے تھے۔ اب ان کی توجہ صرف اور صرف اس پر تھی۔ اس نے یاسیت میں ڈوبے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

پھر فریدہ اسے اسی شام ڈاکٹر طیبہ ناظور کے کلینک لے بھی گئی تھیں۔ فریدہ بہت خوش بہت پُرجوش تھیں جب کہ وہ سب کچھ جیسے ایک مشینی سے انداز میں کر رہی تھی۔ اس کے پریگننسی ٹیسٹ کی رپورٹ Positive آئی تھی وہ تب بھی خوش نہیں ہو سکی تھی۔ وہ ماں بننے والی ہے، اتنی بڑی خوشی کی خبر بھی اسے خوشی دینے میں ناکام تھی۔ وہ کہاں تھا جس کے لیے یہ بات اتنی ہی اہم ہونا چاہیے تھی جتنی اس کے لیے، وہ کہاں تھا جس کے ساتھ اس خوشی کو وہ شیئر کرتی۔ وہ رپورٹ لے کر فریدہ کے ساتھ گھر واپس جا رہی تھی۔ فریدہ گاڑی ڈرائیو کر رہی تھیں اور وہ ان کے برابر

بیٹھی تھی۔ فریدہ خوش خبری کی تصدیق ہو جانے پر بے حد خوش تھیں، وہ دادی بننے والی ہونے کی انہیں بے حد خوشی تھی۔

"اشعر کے ٹیمپر کو بتایا؟" ایک موڑ کاٹتے ہوئے انہوں نے اس سے پوچھا تھا۔

"میں سوچ رہی تھی پہلے کنفرم ہو جائے پھر بتاؤں گی۔"

اب وہ انہیں سچ کیا بتاتی کہ ان کے بیٹے نے پچھلے ہفتے سے اس سے سرے سے بات کرنا ہی بند کر دی ہے اور وہاں جا کر بھی اس نے اسے کوئی فون نہیں کیا تھا۔ فریدہ کو البتہ دبئی پہنچنے کے اسی روز اس نے فون کر کے انہیں اپنی خیریت بتائی تھی اور اس نے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے انہیں یہ تاثر دیا تھا کہ اسے بھی فون کر چکا ہے، وہ اس سے فون پر رابطہ کر رہا تھا مگر فریدہ سے تو اس کا مسلسل رابطہ تھا آج وہی یہ خوش خبری دے سکتی تھیں۔ پتا نہیں لیکن اس کی جانب سے اتنے بدترین رویوں کے سامنے کے بعد بھی اس کا دل یہ کیوں چاہ رہا تھا کہ یہ اطلاع وہ خود دے۔ اس خبر کو سن کر خوشی سے باوجود الہانہ تاثر اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

"ممی! آپ کی اشعر سے بات ہو تو پلیز ابھی انہیں یہ بات مت بتائیے گا۔ جب وہ واپس آئیں گے تو میں خود"

وہ نظریں جھکا کر ذرا جھجکتے ہوئے ان سے کہہ رہی تھی۔

وہ اس کی ادھوری بات کا مطلب سمجھ کر خوب کھل کر ہنسی تھیں۔

"بے فکر رہو۔ میں اسے کچھ نہیں بتا رہی۔ مجھے پتا ہے، یہ بات اپنے شوہر کو خود بتانا کسی بھی بیوی کے لیے کتنا اہم اور خوب صورت عمل ہوتا ہے۔"

وہ ان کی شوخ ہنسی سے مزید کچھ اور اپنے آپ میں سمٹ سی گئی تھی اور اگر خرد احسان اس پل نظریں اٹھا کر فریدہ حسین کے چہرے کی طرف دیکھ لیتی تو ان آنکھوں میں اپنے لیے موجود یہ استثنا اچھی تحریر ضرور پڑھ لیتی۔

"بے فکر رہو خرد احسان! یہ بات میں اپنے بیٹے کو ابھی کیا مرتے دم تک پتا نہیں چلنے دوں گی۔ اشعر کے واپس آنے پر اسے خود اپنے پریگننٹ ہونے کی اطلاع دینے کی بات کہہ کر تو میرا اتنا بڑا مسئلہ تم خود ہی حل کر رہی ہو۔ تم جیسی رومینٹک ایڈیٹ ہونے میرا آدھا مسئلہ تو خود بخود ہی حل کر دیا ہے، باقی کا میں خود حل کر لوں گی۔ یہ خبر اشعر سے چھپا کر رکھنا تو میرے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یہ بات اسے اگر پتا چلنے دوں تو مجھ سے بڑا بے وقوف تو کوئی دنیا میں ہو گا ہی نہیں۔"

☆ ☆ ☆

اب بات صرف اس کی زندگی کی نہیں تھی، اب ایک دوسری زندگی اس کی زندگی کے ساتھ جڑ گئی تھی۔ اپنے لیے نہ بھی سہی مگر اپنے بچے کے لیے خوراک سمیت اپنی ہر چیز کا اسے بہت زیادہ خیال رکھنا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے سمجھایا تھا، فریدہ نے بتایا تھا اور وہ خود بھی یہ بات سمجھتی تھی کہ پریگننسی کے شروع کے تین مہینے بہت اہم ہوتے ہیں۔ ان میں ذرا سی بھی بد احتیاطی بچے کی جان کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اسے اچھی خوراک لینا چاہیے خوش رہنا چاہیے اپنے آپ کو ہر طرح کی ٹینشن اور دباؤ سے دور کر کے بالکل مطمئن اور ریلیکس رہنا چاہیے۔ سب کچھ سمجھتی تھی مگر کھانے کے لیے لقمہ منہ میں لے کر جاتی تو وہ واپس آنے لگتا تھا۔

فریدہ اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں، وہ اس کے لیے اس کی پسند کی چیزیں خود بناتیں، اسے اچھی طرح کھانے کو کہتیں اور وہ اپنے بچے کی خاطر خود پر جبر کر کے وہ زبردستی کھانے کی کوشش کرتی تو اسے رونا آنے لگتا۔ اسے وہ کھانا اتنا بدمزہ اتنا برا لگتا کہ پورا کھانا اپنے سامنے سے اٹھا کر پھینک دینے کو جی چاہتا۔ ڈاکٹر نے آئرن، کیلشیم اور دیگر ضروری وٹامنز پر مشتمل جو ادویہ

اسے تجویز کی تھیں' وہ ان سب کو پابندی سے لے رہی تھی مگر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ خود کو دیکھتی تو آنکھوں کے نیچے پڑے گہرے حلقے' کمزور زرد چہرہ اسے صدیوں کا بیمار بتاتا۔

زبردستی لگے حلقے اتارنے کی کوشش کرتے ایک بار وہ فریدہ کے سامنے رو پڑی تھی۔ وہ اس کے رونے پر حیران نہیں ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا پہلی پہلی بار جب کوئی عورت ماں بننے کے عمل سے گزر رہی ہوتی ہے تو یاسیت' اداسی اس طرح کی کیفیات اکثر اس پر حملہ آور ہو جاتی ہیں اور وہ اسی طرح کی اداسی کا شکار ہے اور وہ اشعر کو بھی مس کر رہی ہے۔

وہ اسے مس کر رہی تھی؟ اسے فریدہ کے جملوں اور اندازوں پر ہنسی بھی آئی اور خود پر ترس بھی۔ وہ انہیں کیسے بتائے کہ اسے دبئی گئے چھ دن ہو گئے ہیں اور ان تمام دنوں میں اس نے ایک بار بھی اسے فون نہیں کیا ہے۔ اس کے جانے سے پہلے کے تین دنوں کو شامل کر لے تو آج اشعر کو اس سے بات کیے پورے نو دن ہو چکے ہیں۔ ان تمام دنوں میں سوائے فریدہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانے کے وہ اور کہیں بھی نہیں گئی تھی۔ فریدہ گھر پر ہوتیں تو وہ نیچے اترتی' ورنہ سارا وقت اپنے کمرے میں خود کو ساری دنیا سے کاٹ کر بالکل بند رکھتی۔ وہ امتحان جن میں پوزیشن لینے کی اسے بہت خواہش تھی شروع بھی ہو چکے تھے اور پیپر زدینے کے لیے جانا تو بہت دور کی بات اسے تو یہ تک یاد نہیں تھا کہ وہ کچھ پڑھ بھی رہی تھی وہ کسی ڈگری کے حصول کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ وہ پیپرز کیوں نہیں دے رہی' فریدہ نے اس سے پوچھا تو اسے وہ پیپرز اور پڑھائی یاد آئی تھی۔

اس نے نظریں جھکا کر سادہ سے لہجے میں انہیں یہ جواب دیا کہ اپنے پریگننٹ ہونے کی خوش خبری پانے کے بعد اب فی الحال اس کی ترجیحات بالکل بدل گئی ہیں۔ اس رات فریدہ نے کھانے میں اس کے لیے خاص طور پر اس کی پسند کی مکس سبزیاں بنوائی تھیں۔ ٹیبل پر اور بھی تمام چیزیں اس کی پسند کے مطابق تھیں۔

"اور لو بس اتنا سا کھایا ہے۔" خود پر جبر کر کے جتنا اس سے کھایا جا سکا تھا اس نے کھا لیا تھا اب مزید خود پر جبر کرنا یوں لگ رہا تھا کہ جو کھا چکی ہے وہ سب بھی واپس باہر آ جائے گا۔

"بس ممی! اور دل نہیں چاہ رہا۔"

"بہت ستا رہی ہو تم مجھے۔" انہوں نے اسے ذرا خفگی سے گھورا۔ "اشعر واپس آ جائے' وہی تمہیں دیکھے گا۔"

اسے ایسا لگا جیسے اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔ وہ اس سے بات کرنے کا روادار نہیں' اس کی آواز سننے کو تیار نہیں' وہ کیا اس کے کوئی نخرے اٹھائے گا۔ اس نے ایک بار فون کر کے اس کی طبیعت بھی نہیں پوچھی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ یہ تو جانتا تھا نا؟ فریدہ کے سامنے اس نے خود پر ضبط کیے رکھا تھا مگر کمرے میں آتے ہی وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

اس کی زندگی میں خوشیاں اور دکھ ہنسی اور آنسو ہر چیز صرف اور صرف اس شخص سے وابستہ تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا تکیہ اپنی طرف کھینچا اس تکیہ کو اپنے ساتھ لگائے وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ "تمہیں میں یاد نہیں آتی؟ کیا تمہیں میں ایک پل کے لیے بھی یاد نہیں آتی۔"

اس کے پاس رکھا اس کا موبائل یک بارگی بہت زور سے بجا۔ اس نے بے تابی سے موبائل ہاتھ میں لیا' اشعر کا فون تھا اس نے ایک مائیکرو سیکنڈ کی بھی دیر لگائے بغیر کال ریسیو کی۔

"اشعر۔" اس کے منہ سے ہیلو نہیں اس کا نام نکلا' اور اس نام کو لیتے ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسے لگا جیسے اس کے دل کی سچی پکار اس تک پہنچ گئی تھی۔ وہ اس وقت اسے شدتوں سے یاد کر رہی تھی اور اس کی آواز سن لی گئی تھی۔

"خدیجہ" صرف اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اس کا وہی اشعر ہے' وہی جو

"میں بہت جلدی واپس آؤں گا' مجھے بھی تم بہت یاد آرہی ہو' مجھے بھی تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔" وہ اس کے لہجے میں اپنے لیے بہت والہانہ پن بہت بے قراری' بڑی شدتیں محسوس کر رہی تھی۔ یوں جیسے اگر اس پل وہ اس کے سامنے ہوتی تو وہ کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیتا۔

"آپ جب واپس آئیں گے' میں آپ کو ایک بات بتاؤں گی۔" روتے روتے بولتے اس کا ہاتھ خود بخود اپنے پیٹ پر پڑا تھا وہ جیسے کسی کے ہونے کو محسوس کرنے لگی تھی کسی کی دھڑکنوں کو سننے لگی تھی تھی۔ اشعر کے بغیر یہ خوشی کتنی ادھوری تھی' کتنی نامکمل تھی۔ وہ آنکھوں کے سامنے ہوگا' وہ پاس ہوگا وہ اس خوشی کو سن کر خوش ہو رہا ہوگا' تب ہی یہ خوشی' اسے خوشی لگ سکے گی۔ وہ اسے کیا بتانا چاہتی ہے' وہ پوچھ رہا تھا اور وہ روتے روتے مسکرا کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تھی۔

"نہیں ابھی نہیں۔ جب واپس آئیں گے تب۔ فون پر نہیں بتاؤں گی۔"

بڑا دل فریب منظر تھا اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ زندگی میں چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بہت اہم جاننے والی وہ لڑکی اپنی ایک چھوٹی سی سادہ سی خوشی کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ مگر یہی ایک چھوٹی سی خواہش آنے والے دنوں میں اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی بن گئی تھی۔

سچ سے بہت پیار کرنے والی وہ لڑکی جانتی نہیں تھی کہ شادی کے بعد جب کوئی عورت ماں بننے والی ہوتی ہے تو اگر اس کا واسطہ گھٹیا ذہنیت کے شیطان صفت لوگوں سے پڑا ہو تو اسے اپنی کوکھ میں پلتے وجود کو اپنے شوہر ہی کا بتانے کے لیے گواہیاں بھی لانا پڑتی ہیں' ثبوت بھی پیش کرنے پڑتے ہیں۔

وہ اسے اسی رات یہ بات بتا دیتی۔ زندگی میں جو کچھ ہوا وہ سب تب بھی ہوتا مگر کم از کم اس کی اولاد کے وجود کو ایک گالی تو نہ بنا دیا جاتا۔ مگر فریدہ حسین کے اس کے متعلق اندازے صحیح تھے۔

اشعر کا فون بند ہو جانے کے بعد بھی وہ موبائل کان سے لگائے ویسی ہی مدہوش سی لیٹی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اب بھی اس کے کانوں میں نرم نرم سے لہجے میں محبت بھری سرگوشی کر رہا ہو۔

"خرد! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ تم میرے لیے بہت خاص ہو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا خرد!"

اور یہ بات خرد احسان نے ہمیشہ یاد رکھی تھی مگر انہیں کہنے والا کہہ کر بھول گیا تھا۔ وہ اس پوری رات خوشی سے جاگتی رہی تھی۔ کتنی مختصر سی بات ہوئی تھی اس کی اشعر کے ساتھ۔ مگر وہ چند فقرے کتنے اہم تھے اس کے لیے۔ وہ اس پوری رات ان ہی جملوں کو گھڑی گھڑی دہراتی رہی تھی۔

اس کی واپسی کا اس رات ہی سے اس نے لمحہ گن گن کر انتظار کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ واپس آئے گا' سب سے پہلے وہ اسے ان دونوں کی زندگی کی وہ سب سے بڑی خوشی کی خبر سنائے گی اور اس کے بعد گزرے دنوں کی کسی تلخی کا کوئی ذکر کیے بغیر وہ اس کے سینے پر رکھ کر بہت سا روئے گی۔ وہ اس سے کوئی شکوہ' کوئی گلہ نہیں کرے گی۔ وہ اس سے فقط اتنا کہے گی وہ اسے یہ بتا دے' اس کے اندر کون سی چیز ہے جو اسے ناپسند ہے وہ اس کے مزاج میں' اس کے رویے میں' اس کی باتوں میں' اس کے انداز میں' اس کے ظاہر میں' اس کے باطن میں جس چیز کو ناپسند کرتا ہے ایسی اپنی ہر عادت' ہر بات کو وہ اسی وقت' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دے گی۔

وہ خود کو سر سے پاؤں تک اس کی پسند کے رنگ میں ڈھال لے گی۔ وہ زندگی میں دوبارہ کبھی ایسا موقع نہیں آنے دے گی۔ جب وہ اس سے یوں خفا ہو جائے' یوں اجنبی ہو جائے۔

"خرد! میں نے اس روز تمہیں بہت غلط باتیں کہی تھیں' تم مجھ سے ناراض ہو نا؟" اس نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ اسے فون پر نہیں کہہ پائی مگر جب وہ سامنے ہوگا تو اس کے سینے پر سر رکھ کر وہ اس سے یہ

ناراض! میں کبھی بھی نہیں۔ تم نے جو [illegible] جس بھی بات پر خفا ہوئے تھے تو [illegible] نہیں' اپنے آپ سے ناراض ہو گئی تھی۔ [illegible] میں تمہاری امیدوں کے خلاف ثابت [illegible] تم مجھ سے خفا ہوئے تھے۔" وہ اس [illegible] کرنے والا شخص یک دم ایسا کس طرح [illegible] "کہیں نہ کہیں غلطی اس کی رہی ہوگی' [illegible] غلطی اسی سے ہوئی ہوگی' جسے وہ خود [illegible] کر سکی ہوگی۔

[illegible] تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ یہ بات [illegible] خرد!" وہ پوری رات ان جادوئی اثر رکھنے [illegible] کو اپنے گرد گونجتا سنتی رہی تھی۔ وہ [illegible] من چاہی تھی' وہ صرف اس کے گھر میں [illegible] کے دل میں بھی رہتی تھی۔

[illegible] دس روز بعد اس صبح وہ ناشتے کی میز پر بڑی [illegible] کر بیٹھی تھی۔ ناشتے میں اس کی پسند کی [illegible] چیزیں تھیں اور اسے وہ سب چیزیں بہت [illegible] رہی تھیں' اس کا دل چاہ رہا تھا وہ خوب سیر ہو [illegible] کرے۔ فریدہ نے اسے جوس کا گلاس دیا' اس [illegible] چند گھونٹوں میں اس گلاس کو خالی کر دیا' وہ [illegible] کھا رہی تھی' وہ ٹوسٹ کے اوپر خود اپنے لیے [illegible] گا رہی تھی۔

"بہت خوش لگ رہی ہو۔" فریدہ نے اسے بغور [illegible] ہوئے پوچھا۔ اپنے اور اشعر کے بیچ ہوئی کسی تلخ [illegible] کا ذکر اس نے ان سے نہیں کیا تھا مگر خوشی کی بات [illegible] نہیں بتا رہی تھی۔

"جی ممی' رات اشعر کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے [illegible] بہت جلدی واپس آجائیں گے۔" اس نے [illegible] مسکراتے ہوئے انہیں بتایا۔

"تم نے خوش خبری سنا دی ہوگی اسے' اس لیے بھاگا [illegible] جلدی واپس آرہا ہے۔" انہوں نے مسکراتی [illegible] سے اسے دیکھا۔

"نہیں' ابھی میں نے کوئی بات نہیں بتائی۔ بس وہ خود سے جلدی واپس آرہے ہیں۔" اسے اپنی خوشی چھپانا مشکل ہو رہی تھی۔ وہ ماں بننے جا رہی ہے' اب تو کچھ میچور ہو جائے۔ اس نے دل ہی دل میں خود کو گھرکا۔ مگر وہ تو ایسی ہی تھی اس کی خوشی اور اس کے دکھ سب آنکھوں سے چھلک جایا کرتا تھا۔

"اچھی بات ہے یہ تو۔ میں یہی سوچ رہی تھی کہ پتا نہیں اسے وہاں مزید کتنے دن لگ جائیں گے۔ تم لوگوں کی ویڈنگ اینی ورسری تو یونہی گزر گئی' اب میں سوچ رہی ہوں کچھ لیٹ ہی سہی مگر ایک پارٹی رکھ لی جائے۔ ذرا ہلا گلا کر کے اس موقع کو سیلیبریٹ کیا جائے۔ اشعر آجائے تو ہم تینوں مل کر پارٹی کہاں رکھنی ہے اور کس کس کو انوائٹ کرنا ہے فائنل کر لیں گے۔" — اپنے ناشتے کو بھرپور انداز میں انجوائے کرتے ہوئے اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

(باقی آئندہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار خان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار خان	150/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	300/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	150/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 2216361

فرحت اشتیاق

ہم سفر

آج تم نے آملیٹ بہت مزے کا بنایا ہے۔"
نور افزا ٹیبل پر چائے کی کیتلی رکھنے آئی تو وہ اس سے بولی تھی۔ نور افزا اس تعریف پر سادگی سے مسکرا دی' دل میں اس بات پر حیران ہوتے کہ آملیٹ تو اس نے روز ہی کی طرح بنایا ہے۔ پھر وہ روز سے زیادہ مزے کا کس طرح بن گیا۔ وہ کیتلی میں سے اپنے کپ میں چائے ڈالنے لگی تھی' اپنے کپ میں ڈال چکی تو اس نے فریدہ کے کپ میں بھی چائے ڈال دی۔ ان کے کپ میں شکر ملائی اور اپنے میں نہیں ڈالی۔ آج دل چاہ رہا تھا ناشتے کی اس میز پر اس کی موجودگی کا احساس پانے کے لیے وہ اسی کی طرح پھیکی چائے پیے۔ اس پھیکی چائے کے مزے سے گھونٹ لیتے ہوئے وہ دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ وہ اس وقت یہاں نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ اس کے ساتھ تھا' اس کی پیاری' نشانی اس کی ایک بہت خاص امانت وہ میں چھپائے اپنے خون سے سینچ رہی تھی۔

"رات زرینہ کا فون آیا تھا بتا رہی تھی پیرنٹس اپنی فیملی کی کوئی شادی اٹینڈ کرنے ہوئے ہیں۔ شاید آج کل میں وہ خضر پر آئیں گے۔"

اس وقت اس کی سوچوں کا محور ا ہونے والا بچہ تھا' خضر کے رشتے اور ان سسر کی کراچی آمد کے ذکر میں ا نہیں رہی تھی مگر فریدہ کی خاطر کی بات سننے لگی۔

ساتویں اور آخری قسط

"زرینہ بتا رہی تھی خضر بڑی طرح کونشس ہو رہا ہے اگر انہیں میرا گھر پسند نہیں آیا' اگر انہیں میرے گھر میں کسی چیز کی کمی لگی۔ میں نے زرینہ سے کہا' اس پاگل کو سمجھاؤ وہ تمہارے گھر کو نہیں تمہیں دیکھنے' تم سے ملنے آرہے ہیں۔"

اتنا اندازہ تو وہ بھی لگا سکتے ہیں کہ پڑھائی کے دوران جو لڑکا اپنا لائف اسٹائل اور اسٹینڈرڈ اتنا اچھا Maintain کرکے رکھ سکتا ہے' پڑھائی ختم کرنے کے بعد آسودہ دو' تین سالوں میں وہ خود کو کتنی اچھی طرح اسٹیبلش کرچکا ہوگا۔"

وہ موتا" سر ہلاتے دلچسپی لیتے جیسا تاثر فریدہ کو مسلسل دے رہی تھی۔ ناشتے کے بعد فریدہ اپنے آفس چلی گئی تھیں۔ ان کی واپسی شام میں ہوئی تھی۔ وہ دونوں لان میں بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھیں۔ فریدہ نے تو چائے کے ساتھ صرف ایک بسکٹ ہی لیا تھا جبکہ وہ دونوں چکن سینڈوچز کے ساتھ ایک چکن سینڈوچ بھی کھا چکی تھی۔ آج پورا دن اس نے بستر پر لیٹ کر ٹی وی دیکھنے اور کھانے کے سوا کوئی کام نہیں کیا تھا۔

فریدہ کے موبائل پر کسی کی کال آئی تھی' وہ اس کال کو سننے لگی تھیں۔ "اچھا تم ہو" وہ کسی طرف کی آواز سن کر وہ خوشگوار سے انداز میں ہنسی تھیں۔ وہ خضر کی کال تھی' وہ قدرے لاتعلق سے انداز میں چائے کے گھونٹ لیتی فریدہ کے اس کے ساتھ گفتگو سن رہی تھی۔

"دولہا میاں کو دیکھنے ہونے والے ساس سسر آرہے ہیں' ذرا اچھی طرح تیار وار ہو جانا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

"میں بھی آجاؤں؟ کیوں بھئی زرینہ اور اجمل کالی نہیں ہیں کیا مورل سپورٹ کے لیے؟" انہوں نے خضر کی کسی بات کے جواب میں بلند قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا' اچھا ظرمت کرو۔ نہیں رکھوں گی اپنی کال کی کوئی اور مصروفیت' ہاں خرد سے بھی کہہ دوں گی۔" چند سیکنڈز اس کی بات خاموشی سے مسکرا کر سنتے انہوں نے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے اس سے کہا اور پھر خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا تھا۔

"خضر کا فون تھا۔ کل شام چائے پر آرہے ہیں مہرین کے ممی' ڈیڈی اس کے گھر۔ زرینہ اور اجمل کل لازمی ہوں گے وہاں پر پھر بھی مجھ سے کہہ رہا ہے آپ آئیں۔ میں اکیلے میں مہرین کے ممی' ڈیڈی کے ساتھ بہت نروس ہو جاؤں گا۔ اپنا چائے کا کپ دوبارہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اسے بتایا تھا۔

"لگتا ہے اور ڈیزرو تو ان لوگوں کی اپنی کچھ اور مصروفیت اس لیے شام کی چائے پر آرہے ہیں۔ شاید ساڑھے سات بجے تک آئیں گے۔ تمہیں بھی الوائنٹ خضر نے۔" چائے کے سپ لیتے وہ مزید کہہ رہا تھا۔

"میں کیا کروں گی جاکر۔ آپ چلی جائیے گا ممی ہونے والے ساس سسر کی اس گھر آمد" اتنی بات میں اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

اس پوری رات وہ سوئی جاگی کیفیت میں رہی تھی ہونے سے پہلے اس نے خواب میں اشعر کو دیکھا تھا۔ اسے نے اپنی گود میں ایک بہت پیارے سے کو دیکھا تھا۔ اسے آنکھ کھلنے پر باقی خواب کی نہیں رہی تھی ہاں ایسا لگا تھا کہ شاید اس گلابی کمبل میں لپٹا دیکھا تھا۔ لیکن اگر وہ تھا تو کیا اس بات کا یہ مطلب تھا کہ اس ہونے والی تھی؟ ہر ماں کی طرح شاید بیٹے کی تھی مگر بیٹی کو سوچنا بھی اسے

فریدہ آج گھر پر ہی تھیں۔ کل رات کے ساتھ آج شاپنگ پر جانے کا اس کے موسم سرما کے کپڑوں کی تھیں۔ ساتھ ہی گھر کے لیے خریدنا تھا۔ شاپنگ کرتے اپنے لیے سردیوں کے خریدے تھے۔ اب مزید ڈپارٹمنٹل اسٹور کی طرف اپنی ڈریس ڈیزائنر کے پاس موسم سرما کے ملبوسات لوگ راستے ہی میں کال آگئی۔ گاڑی تھی۔ زرینہ اپنی ایک مددگار ملازمہ کو لے تھیں۔ یہ ساری بات میں آئی تھی۔ "ہاں

گھر کی بنی ہوئی چیزیں ہی لگتی ہیں۔ باہر سے کتنا ہی کچھ کیوں نہ لے آؤ' وہ اسٹینڈرڈ آ ہی نہیں سکتا جو گھر کی بنی چیزوں کا ہوتا ہے۔" وہ گاڑی سڑک پر مناسب رفتار سے چلاتے زرینہ کے کسی بات کے جواب میں بولی تھیں۔

"بھئی تمہاری اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔ میری بیٹی کوکنگ واقعی لاجواب کرتی ہے۔" انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"خرد سے بنوانا ہے؟ ہاں اس وقت وہ ہے تو میرے ساتھ ہی۔ ہم دونوں ساس' بہو اس وقت شاپنگ کے لیے نکلے ہوئے ہیں۔ اچھا تم گھومو میں خرد سے پوچھ کر بتاتی ہوں۔" زرینہ کو ہولڈ کروا کر انہوں نے اس کی بات سمجھا تھا۔

زرینہ کہہ رہی ہے اگر خرد تھوڑی دیر کے لیے اس خضر کے ہاں آسکے تو۔ اسے تمہارے ہاتھ کا بنا ہوا چکن اور چکن بریانی بہت پسند ہے۔ کہہ رہی ہے اگر وہ چیزیں بنادے تو بہت اچھا ہو جائے گا۔"

کسی پر بھی جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ اس کا دل چاہے کہ خضر کے ہونے والے ساس سسر تو بلائے تک آئیں گے۔ وہ یہ دونوں چیزیں گھر پر اور شام میں جب ممی' خضر کے گھر جارہی اپنے ساتھ یہ دونوں چیزیں لیتی جائیں گی۔ مگر بہت لمبی تھی جبکہ ممی نے اس وقت زرینہ کردار رکھا تھا۔ اس وقت اگر وہ ایسی کوئی بات

ہوئے بھی اسے صرف اور صرف ممی کی داری میں گردن ہلانا پڑی تھی۔

خرد۔ لیکن خبردار میری بیٹی کو زیادہ تھکانا مت۔ مذاق ہے میری بیٹی' میں اسے زیادہ کام

منٹ ہی میں فریدہ' خضر کی بلڈنگ کے گاڑی پارک کررہی تھیں۔ وہ فریدہ کے

نہیں۔ زرینہ اپنی ملازمہ کو ساتھ لائی اس کو سمجھا کر اس سے کرواتے رہنا۔ دیئے جانا۔ میں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ۔ اتنی دیر میں جتنا کام ہو جاتا ہے۔

ٹھیک ہے' باقی رخسانہ کو سمجھا دینا۔"

خضر کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر بیل کرتے ہوئے انہوں نے اس سے کہا تھا۔ اس وقت سوا دو بجے رہے تھے۔

زرینہ کی ملازمہ رخسانہ نے آکر ان کے لیے دروازہ کھول دیا تھا' اس کے پیچھے پیچھے زرینہ بھی دروازے پر آگئی تھیں' خضر بھی اندر سے دروازے پر آگیا تھا۔ فریدہ' زرینہ اور خضر سے سلام دعا کرکے دروازے ہی سے واپس جارہی تھیں۔

"دیکھو بھئی زرینہ میری بیٹی کو زیادہ تھکانا مت۔ میں قریب ہی شاپنگ کررہی ہوں اور ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اسے لینے آجاؤں گی۔"

زرینہ سے ایک بار پھر یہی بات کہہ کر فریدہ واپس چلی گئی تھیں۔ اور وہ زرینہ کے ساتھ اندر آگئی تھی۔ "بہت شکریہ خرد آپ آگئیں۔ مامی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں' واقعی کوکنگ آپ بہت اچھی کرتی ہیں۔ آپ کے ہاتھوں کے بنے سارے ہی کھانے بہت مزے کے ہوتے ہیں۔"

خضر نے اپنے گھر آجانے پر اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

وہ خضر کے گھر پہلی مرتبہ آئی تھی۔

ایک بیڈ روم' ایک مشترکہ ڈرائنگ' ڈائننگ اور کچن پر مشتمل گھر میں' اس کے والد کے بھیجے جانے والے پیسوں کا کم اور اس کی خود کی محنت کا زیادہ عمل دخل تھا۔

وہ' زرین اور ان کی ملازمہ کے ساتھ کچن میں تھی۔ مطلوبہ تمام سامان زرینہ نے وہاں منگوا کر رکھا ہوا تھا' سو اس نے جلدی جلدی کام کرنا شروع کردیا تھا۔ زرینہ نے بھی بیک وقت کئی چیزیں بنانی شروع کی ہوئی تھیں۔ کچن میں نظر آتے ڈھیر سارے لوازمات کو دیکھ کر نظر آرہا تھا کہ زرینہ' خضر کے ساس سسر کے لیے خوب ٹھیک ٹھاک قسم کی شاندار سی ڈنر پارٹی کا اہتمام کررہی ہیں۔

"خضر جب سے کراچی آکر رہنے لگا ہے لگتا ہے اللہ نے میری بیٹے کی خواہش پوری کردی ہے۔ ڈھائی تین سالوں میں اس کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ سوچتی ہوں یہ پڑھنے امریکہ چلا جائے گا تو میرا اس کے بغیر دل کیسے لگے گا۔"

وہ کام کرتے ہوئے اس سے خضر کے لیے اپنی چاہت کا اظہار کررہی تھیں۔ ان کی یہ چاہت صرف لفظوں ہی سے

نہیں ان کے عمل سے بھی ثابت ہوتی تھی۔

"میں نے تو کئی بار خضر سے کہا ہے کہ ہمارے گھر کے ہوتے الگ کیوں رہتے ہو مگر اسے اچھا نہیں لگتا ماموں' ممانی کے گھر جا کر رہنا۔ انابہت ہے اس لڑکے میں۔"

زرینہ نے دہی بڑے بنانے کے لیے پسی ہوئی ماش کی دال میں نمک ملاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ وہ ان سے باتیں کرتی ہوئی تیز تیز کام بھی کرتی جارہی تھی۔ فریدہ کو ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد آجانا تھا اس لیے وہ چاہتی تھی۔ اتنی دیر میں کیک اور چکن پائی بنانے کا کام جتنا کر سکتی ہے وہ کرلے۔

چکن پائی کے لیے زرینہ نے اپنی ملازمہ سے چکن ابلوا کر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اسے مرغی کے ریشے کرنے کو کہا اور ساتھ ہی اس کے بعد مرغی کو کیا چیز ڈال کر پکانا ہے یہ بھی سمجھا دیا تھا۔ وہ خود چکن پائی کے دوسرے مرحلے کے لیے مکھن اور انڈوں کو بیٹ کر رہی تھی پھر بیٹ ہوئے مکھن اور انڈوں میں میدہ ملانے لگی تھی۔

"خضر آج بہت نروس ہے۔ پسند بھی تو بہت کرتا ہے مہرین کو۔ حالانکہ ایک طرح سے ان لوگوں نے ہاں کہہ دی ہے۔ آج کی ساری کارروائی تو محض رسمی ہے مگر یہ لڑکا بلاوجہ اس قدر گھبرایا ہوا ہے۔"

زرینہ ڈرائنگ روم میں خضر کی کوئی بات سننے گئی تھیں۔ وہاں سے چند منٹ میں واپس آئیں تو ہنستے ہوئے بولی تھیں۔ اسے وہاں آئے ایک گھنٹے سے اوپر ہو چکا تھا۔ زرینہ کو کسی ڈش کی تیاری کے لیے فریش کریم اور کسی دوسری ڈش کے لیے مشروم چاہیے تھے۔ وہ کچن سے باہر نکل کر خضر کے پاس ڈرائنگ روم میں گئیں تاکہ اسے یہ دونوں چیزیں لانے کے لیے کہہ سکیں۔ اس نے کیک کی تیاری کا کام بھی شروع کر دیا تھا جبکہ۔

زرینہ کی ملازمہ اس کے قریب ہی کھڑی چکن پائی کے لیے مرغی فرائی کر رہی تھی۔ زرینہ نے ڈرائنگ روم سے آواز دے کر اپنی ملازمہ کو بلایا تھا۔ وہ ان کی بات سننے ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھی۔ اسے ڈرائنگ روم میں فون بجنے کی آواز آئی تھی شاید زرینہ یا خضر کا موبائل بجا تھا۔ دو منٹ بعد اس نے زرینہ کی ہنستی ہوئی آواز ڈرائنگ روم سے آتی سنی تھی۔ وہ بلند آواز میں اسی سے مخاطب تھیں۔

"خرد! تمہاری ساس صاحبہ کا فون تھا۔ کہہ رہی ہیں میری بہو کو تم زیادہ تھکا تو نہیں رہیں۔ میں بس [illegible] میں اسے لینے آرہی ہوں۔ میرا خیال ہے وہ [illegible] نکل گئی ہے اور اب راستے میں ہے۔ دس منٹ کا [illegible] خیال ہے وہ پانچ چھ منٹ میں یہاں پہنچ جائے گی۔"

انہیں تو اس کی فکر ویسے بھی ہمت رہا کرتی تھی جب سے وہ پریگننٹ ہوئی تھی تو انہیں پہلے زیادہ اس کی فکر لگی رہا کرتی تھی۔ وہ ممی کی محبت پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے اپنے ہاتھ چلانے لگی تھی۔ زرینہ کی ملازمہ جو ان کے بلانے پر ڈرائنگ روم میں گئی تھی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی اسی لیے اپنے ساتھ وہ وقفے وقفے سے اس کی فرائی کرنے کے لیے کئی ریشے ہوئی مرغی میں بھی پھینچ چلانے لگی تھی۔

اس نے لیاقت کا دروازہ کھلنے اور [illegible] سنی تھی۔ یقیناً "یہ زرینہ آنٹی کی ملازمہ [illegible] نے فریش کریم اور مشروم مزکا کین لانے [illegible] کی باتیں کرنے کی آواز تو اسے ڈرائنگ [illegible] تھی۔

وہ سانچے کو اوون میں رکھنے کی تیاری [illegible]

وقت ہی لیاقت منٹ کی بیل [illegible] ملازمہ بھی ہو سکتی تھی اور ممی بھی۔ [illegible] بارہ تیرہ منٹ میں اسے لینے آنی [illegible] یہ سوچتے کہ وہ ممی سے کہے گی وہ [illegible] زرینہ آنٹی کے ساتھ گپ شپ [illegible] سنک کا نل کھول کر میدہ دھونے [illegible] پھر دوپٹے سے گیلے ہاتھوں کو [illegible] باہر نکل آئی۔ اسے دروازے [illegible] زنانہ آواز آئی جو شاید ممی کی [illegible]

"کون ہے خضر؟ کیا [illegible] تھی۔ "کیا آگئیں ممی؟" [illegible] منظر پر کچھ اتنا حیرت انگیز [illegible] کی آنکھوں کے سامنے [illegible] دیکھ کر خوشی تو ہونا [illegible] غیر متوقع انداز میں [illegible] پاس ہی ڈرائنگ [illegible] اشعر کہاں سے آگیا اور [illegible] کل واپسی کی تو وہ [illegible]

وقت دیکھنے کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اسے اتنے اچانک' اتنے غیر متوقع انداز میں سامنے پا کر وہ خوشی اور حیرت کی زیادتی کے سبب فوری طور پر کچھ بول نہیں پا رہی تھی' اگر فریدہ اور خضر یہاں نہ ہوتے تو وہ دوڑتی ہوئی جا کر اس کے سینے سے لگ جاتی' گلے شکوے سننے کی ہر مشکل ہی سے نجات مل جاتی۔ لیکن یہ ممی اور اشعر اس طرح سے خاموش کیوں [illegible] اور زرینہ آنٹی بیل کی آواز سن کر اور پھر ممی کی آواز سن [illegible] وہ ڈرائنگ روم سے باہر کیوں نہیں نکلیں؟ اور ایسا [illegible] محسوس ہو رہا ہے جیسے ڈرائنگ روم میں کوئی بھی [illegible]

اشعر کو غیر متوقع طور پر سامنے دیکھنے کی اس خوشی کے [illegible] تمام باتوں نے مل جل کر اسے کچھ الجھن میں بھی [illegible] اشعر اور ممی دونوں ان کی طرح خاموش کیوں [illegible] دونوں کے تاثرات اتنے ناقابل فہم سے کیوں [illegible] یہ خضر اس طرح سے سر جھکا کر کیوں کھڑا ہے' اسے [illegible]؟"

"اشعر! آپ کب آئے' ممی آپ۔" اشعر سے [illegible] ہو کر اس نے فریدہ سے کہنا چاہا۔ وہ ان سے پوچھنا [illegible] کہ انہیں اشعر شاپنگ کرتے کہاں مل گیا' کیا [illegible] کی واپسی کا پتا تھا کیا انہوں نے اچانک اشعر کو [illegible] لا کر اسے سرپرائز دینا چاہا تھا مگر فریدہ نے اس کی [illegible] ہونے نہیں دیا تھا۔ اس کی بات کاٹ کر وہ [illegible] لہجے میں بولی تھیں۔ "خرد تم؟ تم یہاں؟ تم [illegible] کر رہی ہو؟" جیسے وہ شدید شاک کے عالم میں [illegible] نے اس طرح صدمے سے چور لہجے میں یہ [illegible] تھے۔ وہ حیرت سے گنگ ان کی شکل دیکھ رہی [illegible] گھنٹہ پہلے وہ خود ہی تو اسے یہاں چھوڑ کر [illegible] پندرہ سولہ منٹ پہلے تو ان کا فون آیا تھا کہ [illegible] رہی ہیں اور اب وہ اسے دیکھ کر یوں حیران [illegible] جیسے انہیں پتا نہیں تھا کہ وہ یہاں ہے۔ [illegible] یہاں خضر کے ساتھ؟ تم یہاں اس طرح؟ [illegible] یہ منظر دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں [illegible]

[illegible] کے اوپر ایک دم ہی جیسے وہ وزنی چھت [illegible] کے وجود کو جیسے کسی نے بم سے اڑا ڈالا [illegible] کوئی زندہ زمین کے اندر دفن کر رہا تھا یہ ممی کیا کہہ رہی تھیں۔

"ممی! ممی! آپ کیا؟" بے تحاشا الجھے ہوئے انداز میں اس نے فریدہ سے پوچھنا چاہا۔ مگر اس کا وہ الجھا الجھا' اٹکتا ہوا جملہ ممی نے مکمل ہونے نہیں دیا تھا۔

"اتنی بے حیائی؟ اتنی بے غیرتی؟ اشعر کے منہ پر کالک ملتے تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی خرد؟ ایسی گھناؤنی حرکت کرتے یہ بھی یاد نہ رہا کہ تم کسی کی بیوی ہو' ایک عزت دار گھرانے کی بہو ہو۔ پڑھائیوں کے بہانے بنا کر ہماری عزت سے نجانے کب سے کھیل رہی ہو۔"

اس بار اسے لگا نہیں تھا' واقعی اس کے جسم کو بم سے اڑا دیا گیا تھا وہ اپنے جسم کے چیتھڑے بکھرے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے قریب اپنے ہی جلے ہوئے گوشت کی بو آرہی تھی۔ وہ فریدہ حسین کا تھپڑ کھا کر زمین پر گر پڑی تھی۔ پوری قوت سے مارا گیا یہ تھپڑ ایسا تھا کہ یک دم ہی اڑا کر وہ دیوار سے ٹکرائی اور دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑی تھی زمین پر گرتے ہوئے اس نے اس عورت کو دیکھا تھا۔

"دیکھو بھی زرینہ میری بیٹی کو زیادہ تھکا نا مت" ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اسے یہاں چھوڑ کر جانے والی یہ عورت تھی وہ ممی کہتی تھی جو اسے "میری بیٹی" کہتی تھی جب یہاں سے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 5 خوبصورت ناول

زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار رحمان	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	180/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
چمن سے عورت	غزالہ عزیز	150/-
دل اسیر محبت لایا	آسیہ ذاتی	300/-

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

جاری تھی تو اس کے وجود کے ساتھ ایک ٹائم بم بندھ کر گئی تھی 90 منٹ بعد کا ٹائم سیٹ کر کے' جب وہ واپس آئے گی تو یہ بم ایکٹو ہو جائے گا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے زیادہ اذیت' زیادہ تکلیف کس بات سے پہنچ رہی ہے اس کے کردار پر ایک انتہائی رکیک الزام لگایا جارہا ہے' اس پر یا اس حقیقت کو جان کر کہ جسے وہ گھٹیا کہتی ہے جسے وہاں کا درجہ دیتی ہے وہ اندر سے اتنی سچ' اتنی کھٹیا عورت ہے۔ اس سے اتنی شدید نفرت کرتی ہے۔

"بہت شکاری ہو تم مجھے۔ اشعر واپس آجائے وہی تمہیں دیکھے گا۔"

"خود پر بنا شتہ تو اعتماد سے کرلو"

"کبھی بھی دل میں اس بات کا ملال مت لانا خروا کہ میرے ماموں چلے گئے میں تنہا رہ گئی۔ اب میرے پیچھے میرا کوئی والی وارث نہیں۔ کبھی اشعر کی جانب سے کوئی زیادتی ہو تو اب شکایت لے کر کس کے پاس جاؤں گی۔ دل کی ہر بات جیسے بصیرت سے کہتی تھیں ایسے ہی مجھے سے کہنا مجھے بھی صرف کہنا نہیں بلکہ دل سے ماں سمجھنا۔ کبھی کبھی میں تمہیں بیٹی صرف زبان سے نہیں کہتی دل سے مانتی بھی ہوں۔" اور آج ایک ماں اپنی بیٹی پر کتنا گندا' گھناؤنا رکیک الزام لگا رہی تھی۔

"کیا نہیں دیا تھا اشعر نے تمہیں؟ محبت' عزت' چاہت' آزادی' اس کی دی آزادی کا ایسا ناجائز استعمال؟ تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر اتنی گندگی' اتنی غلاظت اتنی پستی۔؟"

اس عورت کے منہ پر وہ تھوکتی مگر ہوا الٹ رہا تھا۔ اس عورت نے روتے ہوئے نفرت و حقارت سے اس کے قریب زمین پر تھوکا تھا۔ وہ اسے کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی وہ بولنے کے لیے منہ کھولتی اور وہ عورت چلاتی ہوئی آواز میں اس کی آواز کا گلا گھونٹ دیتی۔

"ممی! آپ پاگل۔ اشعر ایسا کچھ نہیں۔" وہ اب بھی اس عورت کو ممی کہہ کر مخاطب کرتے یہ کہنے کی کوشش کر رہی تھی کہ تم بالکل غلط بات کر رہی ہو۔ تمہارے کہنے پر تمہارے ساتھ میں یہاں آئی تھی کیوں کر رہی ہو تم یہ گھناؤنا ڈرامہ؟ لیکن اگر وہ عورت اسے یہ بات پوری کہنے دیتی تب نا۔ اس عورت نے زور زور سے روتے پھر چلانا اور بولنا شروع کر دیا تھا۔

"اچھا ہوا آج بصیرت زندہ نہیں ورنہ جس بھانجی کو اتنی چاہت سے بہو بنا کر لائے تھے اس کی یہ شرم ناک حرکت دیکھ کر دکھ اور شرم سے مر ہی جاتے۔" اس نے روتے ہوئے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"اشعر خدا کے لیے اس عورت کو چپ کراؤ۔ خدا کے لیے اس کی یہ گندی زبان بند کراؤ۔ ورنہ میں شرم سے مر جاؤں گی۔"

وہ کئی فٹ گہری زمین میں زندہ دفن کی جارہی تھی' اس نے اپنے بچاؤ کے لیے اشعر کی طرف دیکھا تھا۔ اس میں طاقت نہیں اس سفاک عورت کا مقابلہ کرنے کی' اشعر بچا سکتا ہے۔ وہ اس پر کتنے رکیک الزام لگا رہی تھی۔ ایک سوتیلی بھی انتہائی گھناؤنی سازش اور مکروہ جھوٹ کا سہارا لے کر اسے بدنام کرنا چاہتی تھی۔

"تمہاری اور خرد کی دوستی پر میں نے' اشعر نے ہم نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی شک نہیں کیا۔ ہم نے ہمیشہ تمہیں اپنے گھر میں عزت دی اور تم نے ہمارے ہی گھر کی عزت کو؟"

اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"مضطر کیوں چپ ہے وہ کیوں اس عورت کے آگے کچھ نہیں بول رہا' کیوں اس کے اتنے گندے' اتنے غلیظ الزام کی تردید نہیں کر رہا کیوں نہیں کہہ رہا کہ یہ عورت جھوٹ بول رہی ہے۔"

"یہ کیسا گند! کیسا گھناؤنا کھیل کھیلتے رہے ہو تم اس کے ساتھ مل کر؟ تمہارا نفس' تمہاری جوانی اتنی سرکش تھی۔"

اشعر چپ کروا اس عورت کو' اشعر اس کی گندی زبان بند کراؤ۔

"جس نے گناہ و ثواب کا احساس ہی مٹا دیا۔"

اس عورت کی زہر اگلتی گندی زبان اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جارہی تھی۔

"تم دونوں نے مل کر ہمارے منہ پر کالک مل دی۔" اذیت فطار روتے اس نے امید بھری نگاہوں سے پھر اشعر کو دیکھا' وہ گم صم سا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ وہ ہارے ہوئے شکست خوردہ انسان کی طرح بالکل خاموش کھڑا تھا۔

"ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل۔" وہ چیخا۔ "ہمارا عورت کے سامنے آئی۔ اسے مزید کوئی شرم ناک

سے روکنے کے لیے۔

"ممی! خدا کے لیے۔"

"ایسی غلیظ اور گھناؤنی حرکت کر کے' اتنا بڑا گناہ کر کے ابھی بھی تم میں اتنی ہمت ہے کہ میری اور اشعر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکو۔" اس عورت نے اسے بہت زور سے اپنی پوری قوت سے دھکا دے کر اپنے سامنے سے ہٹایا۔ اس کے یوں دھکا دینے سے وہ سنبھل نہیں سکی تھی۔ دیوار کے نوکیلے کونے سے ٹکراتی وہ منہ کے بل زمین پر بہت زور سے گری تھی۔ اس بری طرح فرش پر گرنے سے اس کے ہاتھ پاؤں' سر اور پیٹ پر چوٹ لگی تھی۔ اس کے پیٹ پر بڑی شدید چوٹ لگی تھی۔ اس کے سر سے دیوار کے نوکیلے کونے سے ٹکرانے کی وجہ سے خون نکلنے لگا تھا مگر اس کے ہاتھ خون بہتی پیشانی پر نہیں بلکہ اپنے پیٹ پر لگے تھے۔

"میرا بچہ۔" اس کے لبوں سے سسکی نکلی تھی۔

"میرا بچہ۔" وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ وہ اس عورت کا تھپڑ کھانے پر نہیں وہ اس عورت کے خود کو اتنی بری طرح ٹھوکر مارے جانے پر نہیں۔ وہ خود پر لگے رکیک الزامات پر نہیں' وہ اپنے بچے کے لیے رو پڑی تھی۔ اس کے پیٹ میں اتنی شدید تکلیف ہو رہی تھی کہ وہ درد سے چلا اٹھی تھی۔ وہاں اس ماں کے سوا کسی کو بھی اس کے بچے سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہاں تو ایک سوچا سمجھا ڈرامہ اس وقت عمل میں لایا جارہا تھا۔

"اچھا ہوا آج احسان زندہ نہیں۔ اچھا ہوا آج میمونہ زندہ نہیں' اچھا ہوا آج بصیرت زندہ نہیں۔ ورنہ تمہارے ماں' باپ اور بہت چاہنے والا ماموں وہ سب بھی اسی ذلت سے گزرتے جس سے اس وقت میں اور اشعر گزر رہے ہیں۔ وہ بھی یونہی زندہ درگور ہو رہے ہوتے جیسے میں اور اشعر ہو رہے ہیں۔"

وہ عورت چپ نہیں ہو رہی تھی' وہ اسے گندی گندی گالیاں دیے چلی جارہی تھی اور اشعر وہ خاموش کھڑا تھا۔

"تم تو نہ بیٹی کہلانے کے لائق ہو نہ بہو نہ بیوی۔ پیر رشتے کی حرمت پامال کر ڈالی ہے خرد تم نے۔" وہ اس مکار عورت کے منہ پر تھوک کر کہنا چاہتی تھی۔

"کہ بیوی' ماں' ساس' دادی کچھ بھی کہلانے کے لائق تو تم نہیں' رشتوں کی حرمتوں کا نام لینے والی تم خود ہر رشتے میں ایک گالی ہو۔" مگر جھوٹی ہو کر وہ عورت اس پر حاوی تھی اور وہ سچی ہو کر اس کی آواز دبانے میں ناکام تھی۔ اشعر بالکل چپ تھا۔ اس کی چپ کہہ رہی تھی کہ وہ اس عورت کی سازش کے جال میں پھنس رہا ہے۔ وہ محبت کر کے بڑی مشکلوں سے اپنی پیشانی سے بہتا خون اس نے بغیر دیکھے ہاتھ سے صاف کیا۔

وہ چیخ چیخ کر اس عورت کی ساری سازش کا پردہ فاش کر دے گی۔ وہ اشعر کو اس کی ماں کا اصلی گھناؤنا چہرہ دکھا دے گی۔ اس عورت کے جھوٹ اس کی سازش کا پردہ فاش کرنے کے لیے تو اتنے لوگ ہیں' اتنی گواہیاں ہیں۔ زرینہ ہیں' ان کی نوکرانی ہے اور سب سے بڑھ کر تو خضر ہے۔

وہ خضر کے پاس گئی تھی۔ "تم چپ کیوں ہو؟ تم سچ کیوں نہیں بولتے؟ سچ بولو۔ بولو خدا کے لیے بولو کہ یہ جھوٹ ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ وہ اس کے کہنے کے باوجود بھی نظریں جھکائے چپ کھڑا تھا۔

اس کے رونے' جھنجھوڑنے اور التجائیہ انداز کے جواب میں خضر بولا تھا۔ مگر کیا؟ اس کی آنکھیں صدمے کی زیادتی سے پھٹ گئی تھیں۔ وہ خضر عالم جو کویت میں رہنے والی' اپنے والد کے دوست کی بیٹی مہرین علی سے اپنے بچپن کی محبت کی داستانیں یونیورسٹی میں بیٹھ کر سب کو پابندی سے سنایا کرتا تھا۔ جس کے ہونے والے ساس' سسر آج اس کے گھر آنے والے تھے۔ جن کی آمد کے لیے وہ بہت پرجوش تھا۔ اس عورت کے جھوٹ پر مہر تصدیق ثبت کر رہا تھا۔

"مزید جھوٹ اور دھوکے کی زندگی میں نہیں جی سکتا۔ محبت کرنا کوئی جرم نہیں' کسی کو چاہنا کوئی جرم نہیں ہو ہم سب سے منہ چھپاتے پھریں' اپنی محبت کو چھپانے کے لیے ہزار جھوٹ بولیں۔ ہم کیوں جھوٹ بولیں خرد ہم نے محبت کی ہے کوئی گناہ نہیں۔"

یہ جھوٹ' اتنی ڈھٹائی' اتنی دیدہ دلیری اور اتنی مضبوطی سے بولا گیا تھا کہ اس کے پاؤں زمین پر سے اکھڑنے لگے تھے۔

"مضطر تم؟ میرے اللہ۔ تم بھی؟" آخر کون کون شامل رہا تھا اس عورت کی اس سازش میں؟۔ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین پوری کی پوری کھینچ لی گئی تھی۔ وہ دو جھوٹے اپنے مکروہ جھوٹ کے ساتھ اس کے سامنے تن کر کھڑے تھے اور وہ ایک سچی اپنی تمام تر سچائی اور بے گناہی کے باوجود مجرم اور گناہ گار سی کھڑی تھی۔

urdunovels.net

خطر اور اس دلکار عورت کے بولے جھوٹ کے بعد اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا' اس کے گرد گھیرا انہوں نے بہت تنگ کردیا تھا۔ اسے کسی بھی طرح خاموش کرنے' اشعر کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانا تھا۔ وہ ساری تکلیف اور مار اور بھلائی بھاتی ہوئی اشعر کے پاس آئی تھی۔

"تم سب جھوٹ ہے۔ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔" بکواس کررہا ہے۔" اس نے اس کے بازو کو جکڑ کر روتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جانتا ہے وہ جھوٹ نہیں بولتی' اشعر جانتا ہے خود جھوٹ نہیں بولتی' مگر وہ کسی دوسرے کو جھوٹا کہہ رہی ہے تو اس کی بات میں کوئی نہ کوئی صداقت ضرور ہوگی۔ مگر اس نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔ وہ بے حس' کسی پتھر کے مجسمے کی طرح کھڑا رہا تھا۔ اسے اس کے بازو سمیت اور جذبات سے عاری محسوس ہوئے تھے۔

"آپ کو میرا یقین ہے نا۔ آپ کو پتا ہے نا میں ایسی نہیں۔ میں ایسی نہیں ہوں۔ اشعر۔ خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں ایسی نہیں۔ میرا یقین کریں۔"

وہ روتے روتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی وہ اس کے پیروں سے لپٹی زار و قطار رو رہی تھی۔

"ہاں میں جانتا ہوں میری خود ایسی نہیں۔ ہاں مجھے میری خود پر یقین ہے۔"

وہ روتی رہی' وہ خاموش کھڑا رہا۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا' میرا یقین کریں۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں آپ کی وہی خود ہوں' وہی خود ہو صرف اور صرف آپ سے محبت کرتی ہے۔ ہو صرف اور صرف آپ کی ہے۔" وہ کسی بھکارن کی طرح اس کے پاؤں پکڑ کر روتے ہوئے اس سے اپنے کردار کی گواہی مانگ رہی تھی' اسے اپنے کردار کی گواہی دے رہی تھی۔

وہ بت کے مانند ساکت کھڑا تھا۔ مگر پھر یکایک ہی اس کے ساکت جسم میں حرکت پیدا ہوئی تھی وہ ایک جھٹکے سے اس سے دور ہٹا تھا ایک ذرا سی جنبش سے اس نے اپنے پیروں سے لپٹی اس لڑکی کو خود سے دور ہٹایا تھا۔ وہ زمین پر گری بے یقینی سے اسے خود سے دور جاتا دیکھ رہی تھی وہ اسے چھوڑ کر جارہا تھا۔ وہ دیوانہ وار اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ وہ اسے روک لینا چاہتی تھی' وہ اسے اپنا یقین دلائے بغیر کہیں پر بھی جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"اشعر میری بات سنیں۔ پلیز میری بات سنیں۔ مجھے

چھوڑ کر مت جائیں۔ خدا کے لیے رک جائیں۔ اشعر میں ایسی نہیں ہوں۔ آپ کی خود ایسی نہیں ہے۔ اشعر میں ایسی نہیں۔"

اسے بہت زور سے چکر آیا تھا' وہ خود کو سنبھال نہیں سکی تھی' وہ لیاز نمنٹ کے دروازے میں ہی گر گئی تھی دروازے سے نکل کر کب کا آگے جاچکا تھا۔

وہ زمین پر گری روتے ہوئے اسے پکار رہی تھی۔ عورت اسے روتا چھوڑ کر اپنے بیٹے کے پیچھے تیزی سے زمین پر پڑے روتے ہوئے اشعر کو پکارتے اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو اشعر بھی لیاز نمنٹ سے جارہا تھا' وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نہ شرمندگی تھی نہ ندامت۔

"کیوں بولا تم نے یہ جھوٹ؟ کیوں؟ ہو تو اب یہ میرے کردار پر اتنی بڑی یہ تہمت تم نے کیوں لگائی ہے؟"

"اگر سوری خود اتمہارے ساتھ ہوا اس کے لیے واقعی افسوس ہے۔ مگر فریدہ آنٹی کی ڈیتھ میں انوالو نہیں کرسکتا۔ تم تو جانتی ہو نا امریکہ پڑھنے کے لیے جانا میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ہے۔ فریدہ آنٹی کی بدولت اگر میرا یہ خواب پورا ہونے لگا تھا تو میں بلاوجہ کسی اخلاقیات کو گلے کا ہار بنا کر اس موقع کو ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ زندگی میں کامیابی اور خوشی بار بار دستک نہیں دیتی۔ بہرحال تمہارے ساتھ جو بھی ہوا اس پر مجھے تم سے حقیقت میں بہت ہمدردی ہے۔"

وہ ایک ترحم بھری ہمدردانہ سی نگاہ اس پر ڈال کر لیاز نمنٹ سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ اپنی چیخ کو دبانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھے فرش پر بیٹھی تھی۔

وہ جو اس کے بیٹے کی اولاد کو جنم دینے والی تھی اس کی عزت کا سودا ایک سانس نے 'ایک ماں نے' ایک عورت نے چند لمحوں کے عوض کردیا تھا۔ میری بچی' میری بچی کہہ کہہ کر وہ جسے اسے سینے سے لگائے رکھتی تھی اس کے ساتھ کون کون شریک رہا تھا اس ڈرامے میں۔ اس کی رسوائی کا تماشا لگوانے میں' اس کے دامن کو داغ دار کرنے میں۔ خطر عالم' زرینہ اسمٰعیل۔ اس لیاز نمنٹ میں اس وقت وہ بالکل تنہا تھی' زرینہ اور ان کی نوکرانی' وہ دونوں فریدہ اور اشعر کے آنے سے پہلے اس لیاز نمنٹ سے نکل چکی تھیں۔

وہ کرسی پر پڑی اس بلڈنگ سے باہر نکل آئی تھی۔ اسے

ہوگا۔ وہ اشعر کو شروع سے آخر تک سب بتا دے گی' ایک ایک بات' اس کی ماں کی ایک ایک چال اسے سمجھا دے گی۔ اشعر کو پتا ہے وہ کتنا بڑا ہے ایک عظیم عورت کا بیٹا اس نے اپنے دل میں بسا رکھا ہے وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ مگر اس کی ماں کی سچائی اس کے سامنے لائے بغیر اب اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔

وہ شکستہ قدموں سے' بے دم سے انداز میں گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی مگر جیسے ہی اس کے دل نے اشعر کے حق میں بولنا شروع کیا۔ اسے بے قصور ثابت کرنا شروع کیا وہ فوراً ہی دیوانہ وار بھاگتی اندر آئی۔ پورچ اور اس کے بعد کا درمیانی تمام راستہ طویل دوڑ بھاگ کرکے وہ اپنے گھر کے دیوانگی جیسے کے مرکزی دروازے کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"اشعر! مجھے اپنے دل میں پہچانو' مجھے اپنی باہوں میں لے لو۔ دنیا بہت گندی' بہت خطرناک جگہ ہے۔ میں تمہارے بغیر تھا اس دنیا کا مقابلہ کرہی نہیں سکتی۔ مجھے اس دنیا کے ظلم سے بچالو اشعر۔"

اس نے اندھی دروازے پر صرف ہاتھ رکھا تھا اور اندر سے ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازہ کھول لیا تھا۔ دروازے کے سامنے تن کردہ خود کھڑی تھی۔ اس عورت کے چہرے پر سے محبتوں کا ماسک اتر چکا تھا۔ وہ قاتلانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک مکروہ ہنسی تھی۔

"آپ نے میرے ساتھ اتنی بڑی حرکت۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی انسان اتنا گھٹیا بھی ہو سکتا ہے۔"

"پیر کی خاک کو سر پر لگایا تھا میرے بیٹے نے۔ مجھے اسے اس غلطی سے روکنے کے لیے بہت کچھ تو کرنا تھا۔" وہ عورت حقارت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وہ گھروں کے کوارٹر سے اٹھ کر آئی۔ سرکاری اسکول ماسٹر کی بیٹی جسے میں اپنے گھر کی نوکرانی رکھنا پسند نہ کرتی۔ کجا کہ اسے میرے اتنے شاندار بیٹے کی بیوی بنالیا جائے اور وہ بھی اسے سر کا تاج سمجھ کر سر پر سجالے' میرے جیتے جی تو یہ نہیں ہو سکتا تھا خود احسان۔"

وہ اپنے اندر کا زہر بے خوف و خطر باہر نکال رہی تھی۔ اس کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے زمین پر رینگنے والے کسی حقیر کیڑے کو دیکھا جاتا ہے۔

"میں آپ کے بیٹے کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ یہ گندا کھیل کھیلنے سے پہلے آپ کو اتنا تو سوچ لینا چاہیے تھا۔ میرا نہیں تو اس بچے ہی کا خیال کر لیتیں جو آپ کے خاندان کا وارث بنے گا' آپ کے بیٹے کے نام کو آگے چلائے گا۔"

"بچے کی ماں۔" وہ عورت بلند آواز میں قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔ "کون سا بچہ۔ کس کا بچہ۔ میں ایسی کوئی بات نہیں جانتی"۔ وہ استہزائیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے حقارت سے بولی تھی۔

"تمہیں میرا کھلا چیلنج ہے یہ خود احسان اگر اس زندگی میں تم یہ ثابت کر کے دکھا سکو کہ تمہاری کوکھ میں پلتا بچہ اشعر کا ہے۔ اگر اشعر تمہاری اس بات کا یقین کر لیتا ہے تو تم جیتیں میں ہاری۔"

وہ اسے اس وقت جن چیلنج دیتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی' وہ نگاہیں اس کے باوجود کو یکا یک سن کر گئی تھیں۔ خوف کی ایک انتہائی سرد لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی تھیں۔ وہ عورت اب کیا کرنے والی تھی۔ وہ اپنے بچے کو اس عورت کی کسی گھناؤنی سازش کا شکار نہیں ہونے دے گی۔ وہ اشعر کو ابھی اور اسی وقت ایک ایک بات بالکل صاف صاف بتا دے گی۔ اس عورت کی ساری سازش وہ اشعر کے سامنے ابھی اسی وقت بے نقاب کر دے گی۔ وہ اشعر کی بیوی ہے۔ اس نے ہزار لوگوں کے سامنے اسے اپنے نکاح میں لیا تھا' وہ کہیں سے بھاگ کر نہیں آئی۔ وہ کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں اس کے ہونے والے بچے کی ماں ہے' اسے ماں کی لگائی ہر آگ کے باوجود خود کی بات سننا ہوگی۔

"آپ سامنے سے ہٹیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ اب میں ہر بات صرف اپنے شوہر سے کروں گی۔" وہ دروازے کے سامنے پوری طرح پھیل کر کھڑی تھی۔ اس کے اندر داخل ہونے کا راستہ روک کر۔ اس نے غصے اور نفرت سے اسے سامنے سے ہٹنے کو کہا۔ "شوہر؟" وہ عورت ایک مرتبہ پھر زور سے ہنسی تھی۔ "میرا بیٹا اب زندگی بھر تمہاری شکل پر تھوکے گا بھی نہیں۔ ہو کس گمان میں تم خود احسان؟ کسی بدکردار عورت کو کوئی حیثیت دینا کر نہیں رکھتا۔" وہ اس پر حقارت بھری نظریں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ گھر میرا ہے۔ یہاں میرا حکم چلتا ہے اور اس گھر میں صرف وہی رہ سکتا ہے جسے میں یہاں رہنے دوں۔ میرے بیٹے کی حماقتوں اور نادانیوں سے [illegible] اس گھر میں خوب عیش کر لیتی [illegible] بہت کچھ حاصل کر لیا' اب یہاں سمیٹ کر چلتی پھرتی نظر آؤ۔ عزت ہو جاؤ تو اچھا ہے ورنہ مجبوراً مجھے تمہیں سے باہر نکالنا پڑے گا۔"

اسے دھمکاتے اس عورت نے ایک دروازے کے آگے سے ہٹ کر دروازہ واپس بند کر دیا تھا۔

"اشعر کہاں ہے' کیا وہ اس وقت گھر اس کی موجودگی میں اس کے ساتھ نے فوراً" اشعر کے حق میں گواہی دی سازشوں کا شکار ہو کر چاہے اس وقت ناراض ہو مگر وہ اس پر اپنے گھر کے دروازے نہیں کر سکتا۔ اس نے اس بند دروازے کو زور پیٹنا شروع کیا تھا۔ وہ دروازہ بجاتی رہی' اندر کسی نے بھی نہیں کھولا۔ اسے اندر سے کوئی آواز آ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر اس کی دستک کوئی ہے ہی نہیں۔ وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ لاؤنج کی کھڑکی کی طرف آئی تھی۔ اسے کھڑکی میں افروا نظر آئی تھی۔ وہ لاؤنج سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی۔

"نور افزا دروازہ کھولو۔" نور افزا نے سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا تھا جیسے اسے پیچھے سے اس کی آواز سنائی نہیں دی ہے۔

"اوہ میرے خدا....." اسے جیسے اب حقیقت سمجھ میں آنا شروع ہوا کہ اب تک جو ہو رہا تھا' وہ کوئی معمولی سازش نہیں بلکہ اسے اس گھر اور اشعر کی زندگی سے نکالنے کے لیے تیار کیا گیا ایک انتہائی مضبوط منصوبہ تھا۔ وہ یک دم ہی کھڑکی کے سامنے سے ہٹی' وہ جانتی تھی گھر میں داخل ہونے کے دوسرے راستوں کی طرف تھی۔ ہر دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس گھر میں چوکیدار اور ڈرائیور کو ملا کر کل دس ملازمین وہ تھے جو دن رات یہیں رہتے تھے۔ اس وقت اسے کہیں کوئی ملازم نظر نہیں آیا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی پھر گھر کے مرکزی حصے کی طرف آئی تھی وہ پورچ میں آئی' اس نے اب توجہ سے وہاں کھڑی گاڑیوں

اشعر کی گاڑی وہاں نہیں تھی۔ وہ خضر کے [illegible] گھر واپس ہی نہیں گیا ہے۔ وہ چوکیدار کی [illegible]

[illegible] کیا اشعر گھر واپس آئے ہیں۔ کیا وہ گھر پر ہیں؟" [illegible] سامنے سڑک پر چند کئی نظریں جمائے خاموش [illegible] یوں بیٹھا رہا جیسے اسے اس کی آواز سنائی نہیں [illegible] اس کا وجود دکھائی نہیں دیا۔ خوف و دہشت [illegible] وہ یقین نگاہوں سے چوکیدار کو دیکھتی' وہاں [illegible] تھی۔ یہ گھر واقعی فریدہ حسین کا گھر تھا۔ یہ [illegible] واقعی فریدہ حسین کے نوکر تھے۔ مایوسی میں گھری [illegible] آئی۔ اس نے کاپیاں کتابیں پھیلائے [illegible] جمال کو دیکھا۔ اس سال پرائیویٹ میٹرک کے [illegible] کی تیاری کرتا نور افزا کا یہ پندرہ سالہ۔ نواسا جو اس [illegible] اور خلوص لیے انداز سے ہمت پکڑتا' کبھی کبھار [illegible] سے پڑھائی میں مدد لینے کے لیے اس کے پاس آجایا [illegible] تھا۔ وہ بھی اپنی نانی ہی کی طرح ہمیشہ سے ملازم تھا اور [illegible] سے فارغ ہونے کے بعد گھر کے اس پچھلے حصے میں [illegible] پڑھائی کیا کرتا تھا۔

"جمال نور افزا میری بات کا جواب نہیں دے رہی۔ تم [illegible] کی طرح مت کرنا' پلیز مجھے بس صرف اتنا بتا دو کہ کیا [illegible] گھر پر ہیں؟" جمال نے کچھ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا پھر [illegible] کتاب ہی پر نظریں مرکوز رکھتا بہت ہلکی اور گھبرائی ہوئی [illegible] میں بولا۔

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔ ساڑھے تین بجے کے قریب وہ [illegible] سے گھر آئے تھے' آتے ہی بیگم صاحبہ کے ساتھ کہیں [illegible] گئے تھے' اس کے بعد سے وہ گھر پر واپس نہیں [illegible]"

جمال نے ہچکچاتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دے [illegible] تھا۔ بولنے کے بعد اس نے خوف زدہ نظروں سے دائیں [illegible] دوبارہ دیکھا تھا۔ وہ جمال سے اور بھی کچھ پوچھنا چاہتی [illegible] مگر وہ اسے اپنے پاس کھڑا دیکھ کر جتنا زیادہ ڈرا ہوا [illegible] محسوس ہو رہا تھا' اسے دیکھتے وہ اس کے پاس سے ہٹ گئی [illegible] تھی۔ اس کا دل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اشعر گھر پر نہیں تھا مگر پھر آخر وہ کہاں تھا؟ اس عورت نے اشعر تک پہنچنے کا ہر راستہ اس کے لیے بند کر دیا تھا۔ اس کا موبائل اس کے پرس میں [illegible] تھا اور وہ پرس خضر کے گھر پر۔ وہ عورت اسے گھر کے اندر داخل نہیں ہونے دے رہی۔ آخر وہ اشعر سے رابطہ کس طرح کرے۔ اس کے ہاتھ میں پندرہ بیس منٹ [illegible] کہ وہ اشعر سے رابطے کی کسی بھی صورت کو تلاش کر لے [illegible] صرف چند گھنٹوں کے اندر وہ آسمان سے اٹھا کر زمین پر [illegible] دی گئی تھی۔

وہ اشعر حسین کی بیوی اپنے ہی گھر کے اندر بے سہارا اکیلا [illegible] تھی۔ اس کے ہاتھ بالکل خالی تھے۔ وہ اس وقت اپنا [illegible] چھوڑ کر ایک منٹ کیا' ایک سیکنڈ کے لیے بھی کہیں [illegible] نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس عورت کی نیت' اس کے [illegible] ارادے' اس کے عزائم سب بہت خطرناک تھے۔ [illegible] صدمہ' اپنا دکھ' اپنے آنسو سب پس پشت ڈال کر خود [illegible] زندگی میں آئی اس ناگہانی مصیبت سے باہر نکالنے کے [illegible] اسے خود کو مضبوط بنانے کی ضرورت تھی۔ اسے کسی [illegible] قیمت پر اور کسی بھی طرح اشعر سے رابطہ کرنا تھا' اس [illegible] بات بتانا تھی کہ اس کی ماں نے ان دونوں کو اپنی بہت [illegible] سازش کا نشانہ بنایا ہے۔ اسے اشعر کے سامنے اس [illegible] کی ساری اصلیت لانی تھی۔ وہ جس انداز میں خضر [illegible] اپارٹمنٹ سے نکل کر گیا تھا' اسے اس کا وہ لنگڑا ہوا [illegible] بھی تو انداز یاد تھا۔

وہ اشعر کی کیفیت' اس کے صدمے کو سمجھ رہی تھی [illegible] کیوں اسے نہیں سمجھ رہا' اسے کیوں یہ خیال نہیں [illegible] جو کچھ دیکھا ہے' اس پر یقین کرنے یا صدمے [illegible] ہونے سے پہلے ایک بار خود سے تو جا کر پوچھ لے کہ [illegible] آخر تھا کیا۔

وہ مرکزی دروازے کی سیڑھی پر بیٹھی ہوئی تھی [illegible] نگاہیں بہت دور گیٹ پر جمی تھیں۔ گیٹ کے سامنے [illegible] گزرتی ہر گاڑی پر اسے اشعر کی آمد کا گمان ہو رہا تھا۔ [illegible] گاڑی کی رفتار گیٹ کے پاس آ کر ہلکی پڑتی اس کے دل [illegible] کا بجھتا دیا پھر سے روشن ہونے لگتا۔ اس کی آنکھیں [illegible] بڑی خاموشی سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپک کر اس کے [illegible] میں جذب ہو رہے تھے۔

شام کے جھٹ رہے تھے' اس وقت جب [illegible] کے گھر سے چھٹیاں لینے کے بعد اپنے گھر واپس آتا [illegible] اب رات کے آنچل بچھ رہے تھے۔ اس پر اس کے [illegible] دروازے پورے دو گھنٹوں سے بند تھے اور اشعر [illegible] کہیں بھی نام و نشان نہیں تھا۔

گھر کا وہ مرکزی دروازہ کھولا گیا تھا مگر اسے [illegible] کے لیے نہیں بلکہ دھمکانے کے لیے۔ "تم [illegible]

ہو؟ کیا میری بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کہ دھکے کھا کر نکالے جانے کا بہت شوق ہے؟"

اس کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت اور سفاکی بھری ہوئی تھی۔

"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہ میرے شوہر کا گھر ہے۔ انہوں نے مجھے یہاں سے جانے کو نہیں کہا۔ جب تک اشعر گھر واپس نہیں آجاتے میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں۔" اندر ہی اندر اس عورت کی نفرت بھری نگاہوں سے اس کا دل ڈوبا تھا مگر بظاہر اس نے خود کو مضبوط ظاہر کرکے جرأت سے یہ بات کہی۔

"میں اشعر حسین کی بیوی ہوں کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں جسے آپ گھر سے نکل جانے کا حکم سنا سکیں۔"

فریدہ حسین نے نفرت اور غیض و غضب سے بھری ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔

"لگتا ہے میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔ میں نے دو گھنٹے پہلے تمہیں یہاں سے نکل جانے کو کہا تھا۔ اب آخری وارننگ دے رہی ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر اپنی یہ منحوس شکل لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میرا بیٹا جہاں کہیں ہے وہ اس وقت تک گھر واپس نہیں آئے گا جب تک تمہارے ناپاک وجود سے اس کا گھر پاک نہیں ہو جاتا۔"

فریدہ حسین فیصلہ کن لہجے میں بولی تھیں۔ "اور یہ بھی سن لو شوہر کا مسلسل راگ الاپ رہی ہو تو چلو ایک گھنٹے کی میں نے تمہیں اور مہلت دی۔ اگر ایک گھنٹے کے اندر اشعر گھر واپس آگیا تو وہ بے غیرت مرد میرا بیٹا نہیں تمہارا شوہر ہوگا اور اگر نہیں آیا تو میرا غیرت مند بیٹا جو کسی آوارہ و بدچلن عورت کو اپنی بیوی کا درجہ دینے کو ہرگز تیار نہیں۔"

وہ دروازے کے اندر واپس جانے لگی تھی پھر کچھ یاد آنے پر مڑی تھیں۔

"یاد رکھنا خود احسان! صرف ایک گھنٹے کی مہلت میں تمہیں اس گھر میں اور دے رہی ہوں۔ اگر ایک گھنٹے بعد بھی تم مجھے یہیں پر نظر آئیں تو میں تمہیں چوکیدار سے دھکے لگوا کر گھر سے باہر نکال دوں گی۔"

دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اسے جو کہا گیا وہ صرف ایک دھمکی نہیں تھی' وہ عورت اپنے کہے ہر لفظ پر عمل کر گزرنے والی تھی۔

"ایک گھنٹہ۔۔۔۔ صرف ایک گھنٹہ" سے کانپنے لگی تھی۔ اس نام اتنی ہوشیاری سے یہ سارا صرف اشعر کی نظروں سے کی زندگی سے باہر نکالنے کے لیے میں آرہا تھا۔

صرف چند گھنٹوں میں وہ نادان اور بھولی بھالی لڑکی سے پتہ' سمجھ دار اور لوگوں کے لینے والی عورت بن گئی تھی۔

دنیا کے نجانے کس کونے میں دیکھے ایک جھوٹ پر یقین کرنے کیسں سے کوئی کو اتنی نہیں آنے والی تھی سوچتا ہوگا' خود کچھ کرتا ہوگا۔

یہ بات سوچتے ہی اس کا دل بھر سے آخر جانے کی کہاں سوا آٹھ بجے تھی۔ 8 بجکر 32 منٹ ہوئے تھے۔ صرف 43 منٹ باقی بچے تھے۔ اسے اشعر لکھنا چاہیے۔ اس کے ذہن میں یہ خیال تھا۔ خط۔۔۔ لیکن اس کے پاس تو کاغذ ایک دم ہی سیڑھی پر سے اٹھی تھی۔ اٹھ کر اس نگاہوں سے دائیں بائیں' آگے پیچھے اور اوپر دیکھا۔

اس وقت سردی' رات' اندھیرا' بھوک' پیاس' کوئی چیز محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ آنے والے لمحوں کے باقی ہر احساس کو مٹا دیا تھا۔ وہ بے بسی سے ہاتھوں سے ادھر ادھر دیکھتی گھر کے پچھلے حصے میں سرونٹ کوارٹر کی طرف آئی تھی۔

وہ دبے پاؤں اپنے ہی پیروں کی آہٹ سے افزا کے کوارٹر کے پاس آئی تھی۔ دروازے کے اس نے جمال کو آہستہ سے آواز دی تھی۔ نور افزا ابھی بھی گھر کے اندر ہی تھی۔ کمرے میں صرف جمال غالباً" سردی کی شدت میں اضافے کی وجہ سے وہ اب کوارٹر میں چارپائی پر بیٹھ کر پڑھائی کر رہا تھا۔ جمال نے دروازے کو یم واکر کے خوف زدہ سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے ایک کاغذ اور پین' پنسل کچھ بھی دے دو جلدی سے۔ پلیز۔"

جمال کچھ کہے بغیر پلٹا" اس نے چارپائی پر سے اپنی ایک کاپی اٹھائی۔ اس کے درمیان سے کئی صفحے پھاڑے اور وہیں پڑا اپنا پین اٹھایا ایک سیکنڈ میں اس نے دونوں چیزیں خوف زدہ انداز میں اس کے حوالے کردی تھیں۔

"یہ بات کسی کو بھی بتانا مت جمال" سرگوشی نما آواز میں التجائیہ لہجے میں یہ بات کہتے وہ فوراً" وہاں سے پلٹی تھی۔ کسی اور جگہ بیٹھنے کے بجائے وہ دوبارہ اسی سیڑھی پر پہلے کی طرح آکر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے لیے ہر راستہ' ہر امکان بند کردینے کے بعد اندر بہت مطمئن بیٹھی وہ عورت اس وقت اسے دیکھ تو نہیں رہی تھی مگر کسی وقت اٹھ کر دیکھ تو سکتی تھی۔ وہ جگ بدل کر اسے شک کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ کاغذ گود میں رکھ کر اسے اپنی چادر میں چھپا کر اور اپنا چہرہ گھٹنے پر رکھ کر ایسے جیسے وہ گھٹنے پر سر رکھے رو رہی ہے۔ وہ بہت جھک کر اور ڈر کر اپنے شوہر کو یوں خط لکھ رہی تھی جیسے کوئی چوری کر رہی ہو اور پکڑے جانے پر سزا ملنے کا خوف دامن گیر ہو۔

اس کے پاس لفظ سنوارنے اور مضمون ترتیب دینے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے اپنا سر چونکہ گھٹنوں پر کاغذوں کو چھپانے کے لیے رکھ رکھا تھا" اس لیے اس کو آنکھوں سے گرنے والے آنسو باوجود بیٹھ بیٹھ کر احتیاط کے کاغذ پر گر رہے تھے۔ پین کی سیاہ روشنائی جگہ جگہ سے پھیل رہی تھی۔ اپنے پریگننٹ ہونے کی وہ ایک بات جو نجانے وہ کتنے خوب صورت انداز میں اپنے شوہر کو بتانا چاہتی تھی' آج ایک کاغذ پر لکھنا پڑ رہی تھی — وہ کاغذ جو پتا نہیں اس تک پہنچ بھی پائے گا کہ نہیں۔

اس کی لکھائی بہت خراب اور ٹیڑھی میڑھی ہو رہی تھی۔ اس ٹیڑھی میڑھی اور بہت خراب لکھائی کو اس کے آنسو سیاہی پھیلا کر مزید بدنما بنا رہے تھے۔

اس کی کلائی پر بندھی گھڑی تو بیچ کر دو منٹ بجا رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر خوف زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا تھا پھر اپنے خط لکھنے کی کاپی کے ان کاغذوں کو بڑی سرعت سے ایک سیکنڈ کے اندر تہہ کیا تھا۔ کاپی کے درمیانی صفحات میں سے پھاڑے آپس میں جڑے ہوئے جو دو صفحے اس کے پاس ابھی بچے ہوئے تھے۔ اس نے ان کاغذوں کو فولڈ کرکے انہیں ایک لفافے جیسی شکل دی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے خط لکھے کاغذ اپنے بنائے اس لفافے میں رکھے تھے۔ وہ اس خط کو کہاں رکھے' کیسے دے جو یہ خط بحفاظت اشعر تک پہنچ جائے۔

وہ اب بھی اشعر کی واپسی کی منتظر تھی۔ وہ واپس آجائے گا' وہ اسے اس عورت کے حکم سے بچالے گا لیکن اگر وہ آج رات گھر واپس نہیں آیا۔ اگر واقعی اس عورت نے اسے گھر سے باہر نکال دیا تو وہ کہاں جائے گی' کیسے جائے گی اور اپنے شوہر کے نام اپنا یہ خط جو اس عورت کے گھڑے ہر جھوٹ کے جواب میں اس کی بے گناہی کا واحد ثبوت ہوگا۔ اسے کس کو سونپ کر جائے گی' کس پر بھروسہ کرے گی۔

اب کیا شک کیا ابہام باقی رہ گیا تھا' اسے خود گھر سے نکال کر وہ اشعر سے یہ تک کہہ سکتی تھی کہ خود' منصر کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہے۔ اسے اس عورت کے مزید کسی ناپاک اور غلیظ منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دینا تھا۔ گھڑی نو بج کر گیارہ منٹ بجا رہی تھی اور اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے اس خط کو کہاں رکھے' کسے دے۔ وہ سیڑھی پر سے بے چینی کے عالم میں اٹھی تھی' اسے کھڑکی کے پاس کسی کی جھلک سی نظر آئی تھی۔ شاید کوئی اسے جھانک کر گیا تھا' اسے ایسا لگ تھا جیسے وہ نور افزا تھی۔

وہ دیوانہ وار کھڑکی کی طرف لپکی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر نور افزا جلدی سے کھڑکی کا پردہ کھینچنے لگی تھی۔ کھڑکی بند تھی۔ اس نے فوراً" سلائیڈنگ کھڑکی کھینچ کر تھوڑی سی کھولی۔

"نور افزا! پلیز میری بات سن لو۔ میرا یہ خط' میرا یہ خط' اگر تمہاری مالکن مجھے یہاں سے نکال دے تو اشعر کو دے دینا۔ پلیز دیکھو میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

وہ بہت زیادہ ڈری ہوئی لگ رہی تھی۔ "نور افزا! یاد ہے تمہیں۔ میں جمال کی رہائی کے لیے اشعر کے علاوہ الگ سے بھی پیسے دیا کرتی تھی۔ یاد ہے بھی تمہاری طبیعت خراب ہوتی تو تمہیں پیسوں سے بنا کر میں خود کام کرلیا کرتی تھی۔ یاد ہے بھی تمہیں پیسوں کی ضرورت ہوتی تو میں فوراً" دے دیا کرتی تھی۔ یاد ہے تم کہتی تھیں' میں بہت نرم دل کی ہوں' میری جیسی مالکن تم نے پہلے بھی نہیں دیکھی۔"

اس نے روتے ہوئے اپنی ملازمہ سے التجا کی تھی۔ زندگی میں پہلی بار کسی پر اپنی کسی نیکی کا احسان جتانے کی طرف قابل حرکت کی تھی۔

نور افزا نے گھبرا کر ایک نظر لاؤنج کے بند دروازے پر اور پھر اس پر ڈالی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے اس کے ہاتھ سے وہ لفافہ بہت تیزی سے لے لیا تھا۔ بہت بڑی سی چادر جو وہ ہمیشہ اوڑھے رہتی تھی' اس کے اندر ہاتھ ڈال کر اس نے لفافہ اپنے گریبان میں ڈال لیا تھا اور ساتھ ہی بوکھلائے ہوئے انداز میں فوراً" کھڑکی پر پردہ کھینچ دیا تھا۔

بند پردے کے اس پار اندر کا اب کوئی منظر اسے نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے اندر سے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو شاید حقیقت تھی' یا اس کا واہمہ تھی مگر یہ آواز اسے بری طرح ڈرا رہی تھی۔ کسی طرح آج کی یہ رات خیریت سے گزر جائے' کل صبح انشاء اللہ اشعر گھر واپس آجائے گا۔ کل صبح تک انشاء اللہ وہ اس صدمے کی حالت سے باہر نکل آئے گا۔ وہ منظر جس طرح اس کی ماں نے اس کے سامنے پیش کیا' اس سے بے شک وہ بہت زیادہ غم و غصے کا شکار ہوا ہوگا مگر اس کے متعلق وہ کوئی غلط بات کبھی نہیں سوچے گا۔

اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبا تھا۔

"میرا یا ایک گھنٹہ پورا ہو گیا ہے خردا حسان!" اس بار وہ عورت اپنے پیچھے گھر کا وہ مرکزی دروازہ بند کرکے دروازے سے باہر نکل تھی۔ دونوں زینے اتر کر وہ اس کے بالکل مقابل کھڑی تھی۔ "یہ لو اپنے راستے کا کرایہ' جہاں جانا چاہتی ہو چلی جاؤ اور یہ چیک۔ اسے اپنا حق مہر سمجھو یا اتنا عرصہ جو میرے بیٹے کے ساتھ رہی ہو اس خدمت کا معاوضہ۔ لیکن اس میں اتنی رقم لکھی ہے جو تم نے اپنے ماں باپ کے گھر کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔" اس عورت نے ہزار ہزار کے چند نوٹ اور ایک چیک اس کے منہ پر مارا تھا۔

"اب خود یہاں سے جاتا پسند کرو گی یا میں نور خان کو آواز دوں؟" کوئی لمحہ' کوئی پل' کوئی گنجائش اس کے لیے میں نہیں تھی پھر بھی وہ اس سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔

"ممی! ایسا مت کریں۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے مت نکالیں۔ میں یہاں سے کہاں جاؤں گی۔"

"صرف ایک بار اشعر کو واپس آجانے دیں۔"

"خبردار جو اپنی ناپاک زبان سے میرے بیٹے کا نام لیا' وہ تھوکتا ہے تمہاری شکل پر۔ وہ یہاں ہوتا تو جو میں کر رہی ہوں' وہ بھی کر رہا ہوتا۔ ایک آوارہ' بدچلن بیوی کو کوئی مرد اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔ نور خان۔۔۔"

اسے تحقیر آمیز لہجے میں جواب دیتے اس نے ساتھ ہی چوکیدار کو زور سے آواز دی تھی۔ چوکیدار اس کی آواز دیتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر تیز تیز چلتا اس طرف آنے لگا تھا۔

"ممی صرف آج کی رات' صرف آج کی رات مجھے یہاں رہنے دیں' اپنے بیٹے کی بیوی سمجھ کر نہیں' نوع انسانیت کے ناتے۔ میں اتنی رات کو کہاں جاؤں گی۔"

وہ بری طرح گڑگڑاتے ہوئے بولی تھی۔

اس عورت کے سفاک اور ظالم چہرے کی خاموشی کہہ رہی تھی۔ "میرا طرف سے تم جہنم میں جاؤ۔ ایک رات کیا' میں تمہیں یہاں مزید ایک منٹ نہیں رہنے دوں گی۔"

"نور خان اسے گھر سے باہر نکالنا ہے۔ اگر زبان سے کہا مان لیتی ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو اسے ہاتھ پکڑ کر گیٹ سے باہر نکالنا ہے۔ چوکیدار اس کا حکم پاتا اس کی طرف بڑھا تھا۔

"چلو بی بی!"

"ممی۔۔۔ صرف آج رات مجھے یہاں رہنے دیں' صرف آج کی رات۔ میں صبح ہوتے ہی چلی جاؤں گی۔" چوکیدار سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے وہ روتے ہوئے گڑگڑا رہی تھی۔

"ممی۔۔۔ صرف آج کی رات۔۔۔ ممی صرف آج کی رات۔۔۔ مجھے اپنے گھر میں رہنے دیں۔ میں اتنی رات کو کہاں جاؤں گی۔۔۔ صرف آج کی رات کی مہلت دے دیں ممی۔۔۔ آپ کو ماموں کا واسطہ ہے' آپ کو آپ کے بچوں کا واسطہ ہے' آپ کو اللہ کا واسطہ ہے۔"

چوکیدار اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا گیٹ کی طرف لے جا رہا تھا اور وہ پوری طاقت صرف کرکے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی گردن موڑ کر مسلسل اس عورت سے التجائیں کر رہی تھی۔ وہ عورت کسی سلطنت کی ظالم اور مغرور ملکہ کی طرح اپنے غلام کو اپنے حکم کی تعمیل میں اپنے مجرم کو ملک بدری کی سزا دیتے دیکھ رہی تھی۔

اسے باہر نکالنے کے ساتھ ہی ایک زوردار دھماکے کے ساتھ گیٹ واپس بند کر لیا گیا تھا۔ گیٹ کے اندر سے وہ نوٹ اور وہ چیک کسی نے باہر اس کی طرف پھینکا تھا۔ تیز

ہواؤں میں وہ تمام چیزیں اس کے گرد و پیش ادھر بکھری تھیں۔ ایک نوٹ ہوا کے زور سے ذرا چھٹا کچھ دور جا گرا تھا۔

اس کام کے ساتھ ہی اندر گھر کی تمام بتیاں بجھا دی گئی تھیں۔ دروازے گیٹ بریچ بند ہونے اور لاک ہونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ایک منٹ کے بعد اب اندر سے کوئی بھی آواز نہیں آرہی تھی۔ اپنی چوٹوں کو فراموش کیے ہونٹ پر سے بہتا خون صاف کیے نظر وہ زمین پر سے اٹھی تھی۔ اگلے پل وہ زور زور سے اپنے گھر کی بیلیں بجا رہی تھیں۔ اپنے گھر کا گیٹ پیٹ رہی تھی۔

"ممی۔۔۔ صرف آج کی رات مجھے اپنے گھر میں پناہ دے دیں۔ صرف آج کی رات۔۔۔ آپ سے وعدہ کرتی ہوں "اشعر کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جاؤں گی۔ میں باہر وہیں میرے پیچھوں پر بیٹھی راہوں گی جیسے ہی صبح ہوگی یہاں سے دور چلی جاؤں گی۔ ممی۔۔۔ صرف آج کی رات۔۔۔"

وہ بیلیں لمبے بجا رہی تھی وہ گیٹ پیٹے جا رہی تھی۔

اس کے جسم کے اندر ہمت طاقت سب ختم ہو گئی تھی وہ گیٹ کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ سڑک پوری سنسان تھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ شہر کی وہ سب سے زیادہ پوش لوکیلٹی تھی جہاں دن کے وقت بھی لوگوں کے گھروں کے باہر لوہے سڑک پر سناٹا بکھرا تھا۔

گھڑی بارہ سے اوپر بجا چکی تھی۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ اسے اپنی عزت کی حفاظت خود ہی کرنا تھی۔ اس کے کمزور جسم میں مزید آنسو بہانے کی سکت نہیں تھی وہ گیٹ کے پاس سے زمین پر سے اٹھی تھی اسے بہت زور سے چکر آیا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے سامنے سے بچنے کی کوشش میں سڑک کے اوپر جا گری تھی۔ ایک سیکنڈ کی بھی دیر کرتی تو گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جاتی۔

"تمہیں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے میں تمہیں کبھی مرنے نہیں دوں گی۔"

وہ سڑک پر سے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس بار لڑکھڑاتے قدموں سے نہیں وہ مضبوط قدموں سے زمین پر چل رہی تھی۔ عورت کمزور ہو سکتی ہے "بیوی کمزور ہو سکتی ہے" بہن کمزور ہو سکتی ہے "بیٹی کمزور ہو سکتی ہے" پر ماں کبھی کمزور نہیں ہوتی۔ ایک گھنٹے سے سڑکوں پر بے ست چلتی اس لڑکی کو اچانک ہی جیسے کسی نے بیدار کر دیا تھا۔ اس کے مردہ ہوتے ہوئے جسم کسی نے جان ڈال دی تھی۔ وہ اب تن روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ اسے یہاں سے کہیں جانا ہے۔ وہ رکشہ روکے گی کسی روکنے پاکسی بس میں بیٹھے۔ اسے اس شہر سے باہر اس دوسرے شہر میں جانا تھا جہاں سے ایک سال پہلے وہ اپنی مری ہوئی ماں کے ساتھ اس بڑے شہر میں آئی تھی۔

اس کے پاس اپنی منزل تک پہنچنے کے پیسے بھی نہیں۔ اس عورت نے اس کی طرف ہزار ہزار کے کئی نوٹ اس کے گرانے کے لیے اچھالے تھے اس کی اوقات اسے یاد دلانے کے لیے وہ ہزار ہزار کے نوٹ اور ایک چیک اس کے منہ پر مارا تھا وہ اس لڑکے کے پیسے کی خیرتوں کے عوض اسے دی تھی۔ ہاں یہ بے خدمت کی تھی اس نے اشعر حسین کی۔ ایک سال تک وہ اس کی بیوی کا روپ نبھاتی رہی تھی۔ اس کے ساتھ سوتی اور جاگتی رہی۔ اس خدمت کا معاوضہ دے کر اسے رخصت کیا گیا تھا کل وہ یہ دعوا نہ کر سکے کہ میری خدمات مفت حاصل کی گئیں۔ ذلت کا شدید احساس رگوں کو کاٹنے لگا تھا۔

"بی بی آپ یہاں کھڑی ہیں۔ میں بہت دیر سے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔" کوئی اس کے بالکل قریب آکر بولا تھا۔

اس نے بری طرح چونک کر اپنے برابر میں دیکھا تھا۔ وہ جمال تھا نور افزا کا بیٹا۔ وہ سانولا جمال۔ اس کی سانس بری طرح پھولی ہوئی تھی اور اس کا انداز یہ بتا رہا تھا کہ وہ شدت سے اسے تلاش کر رہا ہے۔

"میں بہت دیر سے سب جگہ آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں سوچ رہا تھا اگر آپ مجھے نہیں ملیں تو گھر جا کر مجھے اماں سے بہت ڈانٹ پڑے گی۔"

فلیٹ کے اندر جس طرح ارا سہا تھا اس وقت اس کے برعکس اس سے ویسے ہی بات کر رہا تھا جیسے آج سے پہلے ہوتا کیا کرتا تھا۔

"تمہیں نور افزا نے بھیجا ہے؟"

"ہاں اماں کو آپ کی بہت فکر ہو رہی تھی۔ انہوں نے مجھے کہا ہے آپ کو جہاں بھی جانا ہے میں آپ کو وہاں پہنچا کر آؤں۔ بہت ڈرتے ڈرتے گھر کی پچھلی طرف کی دیوار پھلانگ کر باہر نکلا ہوں۔ گیٹ کھول کر باہر نکلتا تو نور خان دیکھ لیتا۔"

وہ اپنی ساری کارگزاری یوں سنا رہا تھا جیسے ابھی وہ ان کے بہادرانہ اور عقلمندانہ انداز پر اسے سراہے گی۔

اس کی سنجیدگی اور تناؤ انداز دیکھ کر جیسے اسے خود ہی اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ وہ یک دم ہی بالکل خجیدہ ہو گیا تھا۔

"آپ کہاں جائیں گی؟ اماں نے مجھے کرائے کے لیے پیسے دے کر بھیجا ہے۔ آپ کو جہاں بھی جانا ہے میں آپ کو وہاں پہنچا کر آؤں گا۔"

شور افزا۔۔۔ اس کے دل نے شکر گزاری کے احساس تلے دب کر اپنی ملازمہ کا نام لیا تھا۔

اس نے جمال کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ اسے اپنے قریب دیکھنے سے اس کا ہاتھ پکڑنے سے اسے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ ہاتھ دے کر ایک ٹیکسی کو روک رہا تھا۔ جاتے ہی اس سے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کہاں جائے گی۔

"نواب شاہ۔۔۔" اس کے جواب نے اسے حیران پریشان کر دیا تھا۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ موجود بارہ سال کا لڑکا جو اس کا کوئی بھی نہیں لگتا تھا اس کی حفاظت دوسرے شہر تک روانگی کا انتظام کر رہا تھا وہ اسے رکشہ میں بٹھا کر اپنے رشتے کے ماموں غلام قادر کے گھر لے آیا تھا۔ اس غریب بستی میں اس چھوٹے سے گھر میں سوتے ہوئے اپنے ماموں کو اٹھانے اور حالیہ بات سمجھانے میں جمال نے آدھ گھنٹہ لگایا تھا۔

"بات سنو جمال" غلام قادر اور اس کے دوست حیات سے بات کر کے جمال اس کی طرف آیا تو اس نے فوراً ہی اسے مخاطب کیا تھا۔ ان تینوں سے الگ کھڑے ہونے کے باوجود اسے دور سے بھی یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ اسے جھوٹ بولنے کے لیے جانے پر تیار کرنے کے لیے حیات نے اس کام کے بدلے پیسے طلب کیے تھے اتنے شاید جمال کے پاس نہیں تھے۔ دوستی اور تعلقات تھے تو کیا ہوا ہر حال حیات کو تو ہی رات کو دوسرے شہر جانے اور پھر واپس آنے کے اپنی مرضی کے مطابق پیسے چاہیے تھے۔ لی الحال یہ پیسے غلام قادر نے دے دیے تھے مگر ظاہر ہے اپنے رشتے کے ماموں کے اوحادیہ پیسے جمال کو لازمی لوٹانے تھے۔ جمال نے شاید غلام قادر سے وہ پیسے اسے کل ہی لا کر دے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان دونوں سے بات چیت کرنے کے بعد جمال اس کے پاس آیا تو اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر مخاطب کیا تھا۔ جمال اس کی بات سننے کے لیے تو بہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ رکھ لو جمال۔۔۔" اس نے اپنے کانوں سے بالیاں اتار کر اسے جمال کو اپنا نیکلس گلے سے اتارتے دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا وہ کیا چاہتا تھا۔ اس کے پاس اس وقت کوئی اور چیز نہیں تھی جو اس کم سن لڑکے اور اس کی بوڑھی ماں کے لیے گھر کا بوجھ اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے بالیاں اور نیکلس دونوں اسے واپس کرنا چاہیں۔

"آپ یہ کیا کر رہی ہیں۔ آپ یہ واپس کریں۔ اسے پہن لیں۔" "ایک دن میں بڑا ہو جاؤں گا تو تمہیں واپس کر دوں گا۔"

"اسے رکھ لو جمال۔ ضائع مت کرنا۔ میں تمہاری بہن ہوں۔"

"اگر آپ میری بہن ہیں تو آپ کو میں آپ کا زیور لوٹاں گا۔ کیا بھائی بہنوں کا زیور ضائع ہوتے لوگوں کے لیے غیرت کے الگ الگ پیمانے نہیں ہوتے۔ ایک ہی ماں کے بیٹے بیٹی کے لیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ بارہ سال کے لڑکے کا اس وقت کی سنجیدگی ساتھ موازنہ کر رہی تھی۔

"آیئے۔۔۔ گاڑی میں بیٹھیں۔ آپ کی حفاظت سے اچھا دوست ہے وہ ہمیں وہاں پہنچا دے گا۔ جیسے وہ اسے پہنچائے گا۔" اسے مزید اصرار کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ پک اپ کے قریب لے آیا تھا۔ گاڑی چلانا شروع کرنے سے پہلے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے جمال نے اس کی واپسی کی ہوئی تھی۔ یہ محترمہ احسان کی واپسی کا انتظار کرتا رہا اس کے برابر بیٹھا جمال بہت سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ سارے راستے جمال کا ہاتھ تھامے رہی تھی اور اس وقت بھی گاڑی سے باہر اترنے سے پہلے اس نے جمال کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہی اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"نور افزا سے میرا بہت شکریہ کہنا۔ میں کیا بہت شکریہ۔ شکریہ کا لفظ بہت چھوٹا ہے۔ میں کیا کہوں؟ میں اللہ سے دعا کروں گی وہ تمہیں زندگی میں بہت کامیابیاں اور بہت خوشیاں دے اور تمہاری ساری تکلیفوں کو دور کر دے۔"

وہ تھا بے سہارا لڑکی اپنی عزت کی حفاظت کے ساتھ بحفاظت اس گھر تک پہنچی تھی۔

پیسے کی تنگی تھی گھر والوں میں بدحالی ہو گئی تھی۔ بقول بانو ان کے تینوں بچے "وہ کہتے ہیں اس کا بقول بانو ان کے تینوں بچے "وہ کہتے ہیں اس کا کیا ہوا یہ تینوں کے گروپ ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ کھیلتے میں بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

وہ اشعر کا انتظار کر رہی تھی۔ اس سے گلے ملنے

بارانیاں سب کچھ تھیں مگر اس کا انتظار ان سب سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اسے بہت گلے تھے اس سے بہت شکوے تھے۔

بتول بانو کے گھر آکر تیرہ' چودہ دن تو وہ پلنگ سے کھڑی ہی نہیں ہو سکی تھی۔ وہاں آتے ہی پناہ کا احساس ملتے ہی جو وہ گری تو اٹھنے کئی دن اس کی حالت سنبھل نہیں سکی تھی بتول بانو اپنی بہو' بیٹے کے ساتھ اسے بشکل ڈاکٹر کے پاس لے جا سکی تھیں۔ ان کے بڑے دو بیٹے شادی شدہ بیوی بچوں والے معمولی نوکری پیشہ لوگ تھے جن کی آمدنی سے ان کے بیوی بچوں کے اخراجات بشکل پورے ہوا کرتے تھے۔ تیسرا بیٹا پڑھ رہا تھا اور اپنی پڑھائی' خرچا نکالنے کے لیے اسے وہ جگہ پر ٹیوشنز ٹوکریاں کرنا پڑتی تھیں۔ ایک لوئر مڈل کلاس گھرانے کے حالات جیسے ہو سکتے تھے' ویسے ہی ان کے گھر کے حالات تھے۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کی پریگننسی میں پیچیدگیوں کے خطرات بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ ڈیلیوری کے وقت پیچیدگیوں کے خطرات پیدا ہو گئے تھے مگر اتنا تو تھا کہ اس کا بچہ سلامت تھا۔ وہ بستر سے بغیر سہارے کے سیدھی کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ لیٹے لیٹے بھی بے بسی سے اور بھی روتے ہوئے مسلسل اشعر ہی کو پکار رہی تھی۔ پلنگ پر لیٹے اس کی نظریں ہر پل اس چھوٹے سے گھر کے دروازے کو تکتی رہتی تھیں۔

اسے یہاں آئے پورے بیس روز ہو گئے تھے اب تک تو اشعر شاک کی حالت میں گھر سے دور نہیں ہو گا' اب تک تو وہ گھر واپس آگیا ہو گا' اب تک تو اسے نور افزاء سے وہ خط مل چکا ہو گا۔ اس کی ماں نے جو بھی گھٹیا کہانی خرد کی غیر موجودگی کی اسے سنائی ہو' پر وہ وہاں اس کے لیے ایک خط چھوڑ کر آئی ہے اب تک تو وہ خط نور افزاء اسے دے چکی ہو گی۔ اب تک تو وہ اس خط کو پڑھ چکا ہو گا۔ پھر وہ اس سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا۔

کہیں ایسا تو نہیں وہ خط اشعر کو ملا ہی نہیں ہے۔ نور افزا نے وہ خط اشعر کو دیا ہی نہیں ہے۔

نور افزا کے خلاف سوچنے کے لیے اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔ بتول بانو کے گھر آنے کی اس اکیسویں رات میں لیٹ کر بے چینی سے ادھر ادھر کروٹیں بدلتے اس نے سوچا تھا۔ اسے اشعر سے خود رابطہ کرنا چاہیے۔ مزید وہ اس انتظار اور اس کشمکش میں بیٹھی نہیں رہ سکتی تھی کہ پتا نہیں اشعر کو خط ملا یا نہیں' وہ شاک سے باہر نکلا یا نہیں۔

وہ اشعر سے اس کے موبائل پر رابطے کی کوششیں کر کے تھک گئی تھی۔

مگر موبائل پر رابطہ کسی قیمت پر نہیں ہو پا رہا تھا۔ گھر فون کرنے کی کوشش کرنا کیا ایسا سوچنا بھی حماقت تھا۔

آفس؟ ہاں اسے اشعر کے آفس میں اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔ آفس میں رابطے کا خیال آتے ہی اس کے اندر ایک نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے اشعر آفس میں اس کے ذاتی نمبر پر کال کی۔ بیل بالکل جا رہی تھی۔ پہلی بیل اور پھر دوسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو" اشعر کی آواز' یوں لگا تھا جیسے صدیوں بعد اس نے یہ آواز سنی ہے۔ اس کا دل ایک دم ہی بہت تیز دھڑکنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگنے لگی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے اشعر! تمہاری ماں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ میں مرتے مرتے بچی ہوں اور ہمارا بچہ۔"

وہ پتا نہیں کیا کیا کہنا چاہتی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی اشعر کا دل چاہا تھا اسے خود پر ہوا ایک ایک ظلم روتے ہوئے بتا دے مگر وہ بولی تو صرف اتنا سا۔

"ہیلو اشعر! میں خرد بات کر رہی۔" اسے اس کا جملہ مکمل نہیں کرنے دیا گیا تھا۔ اس کی بات دوسری طرف سے تیز سرد آواز نے یکلخت ہی کاٹ دی تھی۔

"خرد کی میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔ رانگ نمبر ہے۔" اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

"ریسیور کان سے لگائے وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

"میرا بیٹا اب زندگی بھر تمہاری شکل پر تھوکنا بھی گوارا نہیں۔ ہو کس گمان میں تم خرد احسان۔ کسی دوسری عورت کو کوئی موروثی بنا کر نہیں رکھتا۔" فریدہ حسین کے سامنے کھڑی قہقہے لگا لگا کر ہنس رہی تھی۔ اسے 'آوارہ' 'بدچلن' 'بدکردار' سمجھتا تھا۔ اسے دیکھی بھالی ہر بات پر یقین آچکا تھا۔ ماں کی اکلوتی اولاد ماں چکا تھا اس کی طرف کی بات سنے بغیر اسے مطالبہ دیے بغیر وہ اسے مجرم قرار دے چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے وہ آنسو بڑی خاموشی سے گرے۔ اسے ظلم آرہا تھا اور غصہ بھی۔ آج سب امیدیں دم توڑ گئی

سب خوش گمانیاں ختم ہو گئی تھیں۔ وہ جانہ محبت کرتا جاتا تھا' محبت نبھاتا۔

وہ محبت کرنے والی لڑکی تھی' ان مر چکی تھی مگر ابھی زندہ تھی' اگلی بار اپنے ہونے والے بیٹے کے لیے زندہ تھی۔ اس بیوی کو ضرورت تھی۔ اب اس شخص کی کو اپنے ہونے والے بیٹے کے لیے سوال تھا۔ ایک کو اپنے بچے کی زندگی کو ہر ممکن خطرے سے بچانا چاہیے تھی' اس نے اپنے کردار کی وہ اپنے بچے کی زندگی کو ہر ممکن خطرے سے بچانا ثابت کرنی تھی۔

اس نے اشعر کے آفس کی سیل نمبر دوبارہ ملائے کی بے شمار بار ان گنت بار کوششیں کی تھیں۔ وہ نمبر اس کا اپنے شوہر سے رابطہ نہیں کرا رہا تھا۔ "اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔" یہ تک کہنے والا نمبر موجود نہیں تھا۔ اس کی طبیعت ہر گزرتی ساعت کے ساتھ خراب ہوتی چلی جا رہی تھی۔

اس کی پریگننسی میں اتنی زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہوئی تھیں کہ ابتدا" لیڈی ڈاکٹر کے پاس بتول بانو ان کی ہر چیکنگ میں اسے لے جاتی رہی تھیں۔ خطرات سے آگاہ کرتے انہیں تمام سہولیات والے بڑے ہسپتال میں لے کر جانے کا مشورہ دیا تھا کہ اسے عین ڈیلیوری کا وقت آنے اور خدانخواستہ کوئی پیچیدہ صورت حال پیدا ہو جائے تو اس سے باآسانی نمٹا جا سکے۔ اس وقت 'غذا' دوا ان چیزوں کا وہ ہاں ہوش کہاں سے لاتی اپنے بچے کی ولدیت ثابت کرنے کے لالے پڑے تھے۔ وہ اس کے موبائل اور اس کے پرسنل نمبر ملانے کے جتن کر رہی تھی ہوتی اور وہاں اس کا نمبر دینے والا کوئی بھی نہ ہوتا تو اسے اپنا آپ کسی عورت جیسا لگتا۔

وہ ان کے گھر میں رہ رہی تھی۔ ان تک سے ظلم سہہ رہی تھی۔ ترس' بھدردی سب اپنی جگہ مگر ان لوگوں سے کری ان لوگوں پر بوجھ بن کر آبیٹھی تھی۔ بتول بانو کے سوا اس گھر کے تمام مکینوں کے لیے اور صرف ایک بوجھ ہی بنتی جا رہی تھی۔ باہر کے تعلقات کے لحاظ میں اٹھا رہے تھے۔ جسماں اپنے اخراجات ہر گز نہیں۔ ہوتے ہوں وہاں سے انصافی بوجھ ان خرابی کا

بھرم رکھنے لوگوں کے لیے کی خوشگوار چیز نہیں تھا۔ یہ اس کی پریگننسی کا پانچواں مہینہ تھا اور اب اسے اشعر حسین کو اس کے دفتر کے ایڈریس پر خط بھیجے بھی ایک مہینہ ہو چکا تھا۔ ہر گزرتا دن اس کے پیٹ پر خط بھیجے بھی ایک مہینہ تھا۔ وہ اس زندگی میں اپنے اور فریدہ حسین کا پیچھا چھڑا دلا رہا کر سکے گی۔ وہ خوف سے سرد پڑ رہی تھی کہ اشعر کے بچہ ثابت نہیں پھر یہ اس رات کی بات سے سرد سے کانپنے لگتی۔

اس کی پریگننسی کا ساتواں مہینہ تھا جب چھٹا مہینہ پورا ہو کر تھا کہ اس رات اسے شدید درد محسوس ہونا شروع ہوا۔ وہ اس گھر کے لوگوں کو پہلے ہی بہت زیادہ پریشان کر رہی تھی' آدھی رات کے وقت وہ سب کو سوتے سے اٹھا کر مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سو اس نے وہ پوری رات درد سے کراہتے' درد کو تھامتے گزاری تھی۔ اسے کسی پل قرار نہیں تھا۔ تھا درد سہنے کی وہ اس کی سحر ہو گی ہی نہیں۔ پھر رات ایسی طویل تھی جیسے کبھی صبح ہونے پر بجائے اپنی حالت آخر کار طلوع ہو ہی گئی تھی۔ کر کے بشکل اٹھ کر بیٹھی تھی۔ بتول بانو کو بتانے کے وہ ہمت وقت فوراً" ہسپتال جانا چاہیے۔ اس تک آئی تھی۔ اسے اس آخری کوشش ہسپتال جانے سے پہلے کر لینا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی مگر وہ ایک اسے اتنا شدید درد ہو رہا تھا کہ روک رہی تھی دیوار کا سہارا وہ اپنی چیخوں کو مشکلوں سے تھی۔ اس کا ذاتی نمبر لے کر وہ بشکل فون نمبر ملا پائی لی جائے۔ مگر نہیں اس نمبر کیا پتا آج وہاں اس کی پکار رسائی پانے میں ناکام تھی۔ آج بھی وہ اس شخص تک تھی۔ اس سے اب مزید بات کرنے کی ہمت ہو اب دے رہی اسے لگ رہا تھا وہ کسی بھی لمحے گر پڑے گی۔ اب بھی کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔

"میری اشعر سے بات کروا دیں۔" اس نے بشکل کہا تھا۔ لبوں کو دانتوں میں دبا رہی تھی۔ "سر اس وقت گل سے چلتے وہ اپنی چیخوں کو عالیہ" فون بند کر دینے والی تھی جب اس نے سیکریٹری کی آواز کے پیچھے' کہیں بہت دور اشعر کی آواز سنی۔ وہ اس آواز کو میلوں کے فاصلے پر بھی نہیں پہچان سکتی تھی۔

"وہ آفس ہی میں ہیں۔ کرائیے۔" وہ اس بار درد سے آپ بیتی ان سے بات نہیں پائی تھی۔ دیوار پر رکھا پچھاڑ کھائی تھی۔ وہ اپنی چیخ کو دبا سے تیزی سے پھسلنے لگا تھا اس کا پسینے میں بھیگا ہاتھ دیوار پر اس کے پیر اس کے جسم کا

بوجھ مزید اٹھانے سے انکاری ہو رہے تھے' وہ کسی بھی لمحہ گر پڑنے والی تھی' وہ رو پڑی تھی۔

"سوری میم! ہم سے غلطی ہو گئی ہے' وہ آپ سے بات نہیں کر سکیں گے۔" اس کی روتی ہوئی آواز سے پریشان ہو کر سیکریٹری نے بے بس سے لہجے میں کہا تھا۔

"آپ پلیز میری ان سے بات کروا دیجئے' پلیز۔ ان سے کہیے۔" درد کی ایک شدید لہر اس کے اندر سے ایسی اٹھی کہ وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکی' وہ رو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ اشعر حسین کی بیوی ہو آنے والے چند لمحوں میں اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ اس کی چند ہزار روپے ماہوار پر ملازم ایک سیکریٹری کی روتے ہوئے منت کر رہی تھی۔

"میم! وری سوری' میں آپ کی کوئی بھی کال ریسیو کرنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے۔"

اس کے رونے اور گڑگڑانے سے بوکھلا کر سیکریٹری نے مزید جھوٹ بولنے کے بجائے صاف بات کرنا مناسب سمجھا تھا اور پھر اس کی مزید التجاؤں سے بچنے کے لیے بات پوری کرتے ہی کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

دیوار پر چسپاں اس کا ہاتھ نیچے آتا چلا گیا تھا' ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹا تھا اور وہ چاتی وہ زمین پر گری تھی اور اس کی چیخ سے پورا کمرہ گونج اٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

بتول بانو اسے لے کر اسی سرکاری ہسپتال کے گائنی وارڈ میں پہنچی تھیں جہاں پچھلے چند ماہ سے اسے لے جائی رہی تھیں۔ یہاں طبی عملے کا وہی برتاؤ تھا۔ جو سرکاری ہسپتالوں میں حالات کے ستائے پسے پسائے غریب لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر یہاں کمزور ہو' اس کی جسمانی حالت زیادہ اچھی نہ ہو تو 12 گھنٹے سے اوپر لیبر پین ماں اور بچے دونوں کے لیے نقصان دہ ہو تا ہے اس دوران نارمل ڈلیوری نہ ہو سکے تو۔ آپریشن کیا جائے۔

پورے اٹھارہ گھنٹے لیبر پین میں رہنے کے بعد جب نارمل ڈلیوری نہ ہو سکی جب ماں اور بچے دونوں کی جان مکمل طور پر خطرے میں جا چکی' ان کے بچنے کے امکانات بہت کم ہونے لگے تب وہ گائنا کولوجسٹ ڈیوٹی پر پہنچیں جن کی تمہ کا کئی گھنٹوں سے انتظار تھا کہ وہ آئیں گی تو سیزیرین آپریشن کیا جائے گا۔ اس کے پاس اپنے آپریشن کے لیے کیا کسی بھی چیز کے لیے ایک پیسہ تک نہیں تھا۔ بتول بانو بے چاری یہاں وہاں بھاگتی پھرتی تھیں اپنے کی جاننے والے سے قرض لے کر تنی تھیں۔ اس کا بیٹا ہوا تھا۔ اس کی اور اس کے بچے کی جان بچ سکی تھی۔ اس کی بیٹی کی پیدائش ہو سکی تھی۔ اس کی بیٹی نے جب آنکھ کھولی جب اس دنیا میں پہلی سانس لی تو اسے عزت ناموس اور اپنا نام دینے والا اس کا باپ اس کی زندگی میں کہیں نہیں تھا۔ اس کی بیٹی حریم حسین وہ ایک ایسے گھناؤنے ترین باپ کی بیٹی تھی جس نے اپنی بیٹی کے وجود ہی کو ایک گالی بنا دیا تھا۔ جس گھڑی حریم حسین نے جنم لیا تھا اسی گھڑی ایک نئی خرد احسان نے بھی جنم لیا تھا۔ وہ خرد احسان جو اشعر حسین ہاشم کے اس شخص سے انتقامی جذبات تک تقویت کرتی تھی جس نے بیوی پر بیگانی تہمتوں کو تواتر مٹایا ہوتا اس نے تو اپنی اولاد' اپنی بیٹی کو بھی ایک گندی گالی بنا دیا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے اپنی بیٹی کو گود میں لے کر پیار کیا۔ تب اس روز وہ اس شخص کے نام پر آخری بار روئی تھی۔ آخری بار اس نے اس شخص کے نام پر اپنے تمام آنسو بہا ڈالے تھے۔ "دعا کرنا' ہو سکے اس زندگی میں اب کبھی بھی تم میرے سامنے نہ آؤ۔ تم سے سامنا اب میں صرف روز حشر چاہتی ہوں اشعر حسین اس دنیا میں نہیں۔ اس زندگی میں نہیں۔

جب تک میں تمہیں معاف نہیں کروں گی میرا اللہ بھی تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ اور اشعر حسین اپنی بیٹی کی قسم کھا کر کہتی ہوں اس روز میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ اپنے لیے معاف کرنے کا حوصلہ کر بھی لوں لیکن اپنی بیٹی کے لیے' اے جو دنیا تم نے اس دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی بخشی اس کے لیے ہرگز معاف نہیں کروں گی۔"

اس کی کمزور لاغر اور بیمار بچی وہ جن حالات میں اور جس طرح پیدا ہوئی تھی اسے کمزور اور بیمار پیدا ہونا ہی چاہیے تھا۔

اسے تنہا اپنی بیٹی کی پرورش کرنا تھی۔ اسے پالنا پوسنا تھا۔ اسے زندگی کی ہر سہولت فراہم کرنا تھی۔ اور یہاں زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے لالے پڑ رہے تھے۔ اس کی بیمار اور کمزور بچی کو درکار مناسب علاج اور دواؤں کی فراہمی کے لالے پڑ رہے تھے۔ اس کی کیا حالت ہے اور کیا

نہیں اس پر سوچنے' دھیان دینے کی اس کے پاس مہلت نہیں تھی۔

وہ حریم کی پیدائش کے ساتویں روز گھر کے قریب واقع اس اسکول چلی گئی تھی جہاں اگر اسے فوراً" ملازمت مل جاتی تو اس کی بیٹی کو فوراً" وہ کار بہت سی دوائیں خرید کر لاسکتی تھیں۔ اس کی بیٹی کی پیدائش پر بتول باتو جہاں جہاں سے قرض لے کر آئی تھیں' اس قرض کو کسی کے تقاضے سے پہلے لوٹا دینے کے لیے اس کے پاس کچھ پیسے آسکتے تھے۔ اسے ہر حالت میں وہ ملازمت درکار تھی۔

فی الحال اس کی اپنی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ ملازمت کی تلاش میں ماری ماری پھر سکتی' اس کی چند دن کی بیمار قسمت نے یہاں اس کا ساتھ دیا تھا اسے بہت معمولی تن خواہ پر ہی سہی بہرحال اس اسکول میں ملازمت مل گئی تھی۔ یہ پہلا قدم بہت چھوٹا اور معمولی سہی لیکن کم از کم اس نے اپنے پل بوتے پر زندگی کو خود گزارنے کا آغاز تو کیا تھا۔

بتول باتو یہ جان کر کہ وہ ملازمت شروع کرنے جا رہی ہے قدرے پریشان ہوئی تھیں۔ وہ اس رات بیڈ پر اس کے برابر بیٹھی اسے سمجھانے لگی تھیں۔ وہ حریم کو فیڈ کر رہی تھی۔ حریم ماں کی چھاتی سے لگی بہت پرسکون' بہت مطمئن ہونے کے قریب تھی اور بتول باتو نہایت آواز میں بولتی اسی کی محبت میں اسے یہ سمجھا رہی تھیں کہ۔

وہ اشعر سے کراچی جا کر ملنے فون پر بات کی وہ اہمیت نہیں ہو سکتی ہو اس کے خود جانے کی ہو سکتی ہے۔ اسے یہ آخری کوشش ضرور کر دیکھنا چاہیے۔ اس کے لیے تب اشعر کا دل گداز نہیں ہوا تھا لیکن کیا پتا اب ایک بیاہ کا دل اپنی بیٹی کے لیے گداز ہو جائے۔ اور پھر وہ ساری عمر تو اس کی ماں کی اکلوتی ہوئی تھی۔ ورنہ کیا وہ اس سے محبت کیا نہیں کرتا تھا۔

"محبت۔" وہ طنزیہ انداز میں ان کی بات پر ہنسی تھی۔

"محبت نہیں کی تھی بتول خالہ! میں اس کا من پسند کھلونا تھی پھر ایک روز اس کی ماں نے اسے اس کے پسندیدہ کھلونے کے کچھ عیب دکھائے تو اس عیب دار کھلونے کو اٹھا کر اس نے سڑک پر پھینک دیا۔"

"تمہارے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے بیٹا! میں مانتی ہوں یہ بات لیکن۔"

"زیادتی نہیں ہوئی ہے بتول خالہ! مجھے میری حیثیت بتائی گئی ہے جسے میں نے ساری دنیا میں سب سے [illegible] کیا تھا' اسی شخص نے میری ہستی خاک میں ملا دی' روح کو مار ڈالا' مجھ سے سر اٹھا کر زندہ رہنے کا حق' میری بیٹی کے وجود کو ایک شرمناک گالی بنا دیا۔"

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اشعر تم سے بدگمان' تم اس سے ناراض' ایک دوسرے سے دور ہو کر تو تم دونوں اشعر کی ماں کے منصوبے کو کامیاب بنا دو گے۔ تم دونوں کو الگ کرانا اس کا مقصد تھا۔"

ماں کا دودھ پیتے پیتے حریم سو چکی تھی' وہ اب آہستگی سے اس کی جگہ پر لٹا رہی تھی۔ اسے لٹا کر اوڑھاتے ہوئے اس نے بتول باتو کی طرف دیکھا۔

"فریدہ حسین کون تھی اور اس نے میرے ساتھ کیا تھا' مجھے یاد نہیں۔ مجھے یاد ہے تو صرف اتنا کہ اشعر کی ذات اور رسوائی اس شخص نے دی ہے۔ اور ساری دنیا میں میرا واحد اپنا تھا۔"

"حریم کے پیدا ہونے کا لمحہ' اشعر حسین کے الفاظ' آخری لمحہ تھا بتول خالہ! اب میں زندگی بھر کبھی اس کی شکل دیکھوں گی نہ اسے اپنی دکھاؤں گی۔"

اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا' اس میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ بتول باتو اس کے اتنے واضح اور صاف انداز کے باوجود اسے زندگی کے سرد و گرم اور اونچ نیچ سمجھانے لگی تھیں۔

"زندگی میں اور کتنا برا وقت آئے گا بتول خالہ! اپنی بچی کو اپنی کوکھ میں لیے رات کے اندھیرے میں کھلے آسمان تلے بے امان اور بے سائبان بالکل تنہا میں آگئی ہوں گی۔ میری بیٹی بھی سوئیٹو کر گئی تو میں اور میری بیٹی ہماری باقی زندگی بھی اس شخص کے بغیر گزار رہی ہیں۔"

مضبوط' مستحکم اور دو ٹوک لہجے میں بتول باتو کو جواب دے کر وہ حریم کے برابر سونے لیٹ گئی تھی۔ اسے اپنے فیصلے میں اتنا مضبوط دیکھ کر وہ بھی خاموشی سے لیٹ گئی تھیں۔

اور شاید اس کا وہ جملہ "میں اپنی بیٹی کو تمہارے بھائی تمہاری مدد' تمہارے سہارے کے بغیر خود پال لوں گی۔" اس بڑے بول کی سزا دینے کو تقدیر نے وہ داؤ چلا تھا اسے لاکر اسی شخص کے در پر پھینک دیا۔

حریم کے علاج کے لیے پیسہ مانگنے جب اس شخص کے [illegible] آئی تھی' اس روز اپنی اوقات زندگی بھر کے لیے بہت اچھی طرح پہچان لی تھی اور اب جب حریم کی سرجری ہو چکی تھی' وہ بہت تیزی سے روبہ صحت ہو رہی تھی۔ کل اسے ہسپتال سے ڈسچارج ہو جانا تھا۔ تب وہ [illegible] کو ایک طرف رکھ کر یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ حریم کی [illegible] کے لیے اسے حریم کو خود سے جدا کرنا ہوگا۔

"کبھی اپنی ماما سے بدگمان مت ہونا بیٹا! کبھی یہ مت سوچنا کہ میری ماما مجھے پیار نہیں کرتی تھیں۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ تمہاری محبت ہی تمہاری ماما سے یہ فیصلہ کروا رہی ہے حریم!"

حریم کو اشعر کے پاس چھوڑ کر اسے واپس اپنی دنیا میں لوٹنا ہوگا۔ یہ فیصلہ کر چکی تھی مگر اسے پتا تھا حریم سے جدا ہو کر اب وہ ساری عمر اس کی جدائی کے غم میں روتی رہے گی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں شدید پریشانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ یہ ہوا کیا تھا؟ یہ سب ہوا کیا تھا؟ وہ خرد احسان واپس اشعر کی زندگی میں آگئی؟ نہیں' یہ ناممکن ہے۔ ہر بات کی سامنے تصدیق موجود تھی پھر بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ زرینہ کی دی یہ بھیانک اطلاع کہ سارہ نے خود اپنی آنکھوں سے خرد اور اس کی بیٹی کو اشعر کے ساتھ کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے دیکھا ہے۔ یہ خبر شمالی علاقہ جات میں ان کے سوشل ورک کے دوران انہیں فی الفور ہی بھگتا گئی۔

ان کی آنکھوں کے سامنے وہ چٹ پڑی تھی جس پر اس اپارٹمنٹ کا پتا اور فون نمبر درج تھا جس میں پچھلے ایک ماہ سے بھی اوپر کے عرصے سے خرد اپنی بیٹی سمیت اشعر کے ساتھ رہ رہی تھی لیکن اب بھی دل کو اس ناممکن ترین بات کا یقین دلانا مشکل ہو رہا تھا۔ اشعر اس سے شدید نفرت کرتا تھا' وہ اس کی شکل دیکھنا تو کیا اس کا ذکر تک سننا گوارا نہیں کرتا تھا پھر اس لڑکی نے آخر ایسا کیا کیا جس سے اشعر کی کایا پلٹ گئی۔ اشعر اتنے دنوں سے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا تھا' ان سے جھوٹ بول رہا تھا؟ وہ دن کے جس بھی وقت گھر کا حال احوال معلوم کرنے کراچی اپنے گھر فون کرتیں' ملازمین سے بات کرتیں' اشعر گھر پر کبھی موجود نہ ہوتا لیکن اس میں تعجب کی کیا بات تھی۔ وہ تو ان کی موجودگی میں بھی اب ایک طویل عرصے سے گھر سے دور رہنے لگا تھا۔ دنیا ہی سے بہت دور دور رہنے لگا تھا۔ انہیں اشعر کے ساتھ اپنی کچھ دن پہلے کی وہ فون کال یاد تھی جس میں انہیں اس کے لہجے میں بے تحاشا خوشی کی جھلک محسوس ہوئی تھی اور اشعر کی وہ خوشی کیا اس بات کی تھی کہ اس کی زندگی میں اس کی بیوی اور بچی لوٹ آئی ہیں؟

وہ خرد احسان اشعر سے اپنا اور اپنی بیٹی کا وجود بھی تسلیم کروا گئی تھی۔ کیا خرد نے اشعر کو سب کچھ بتا دیا؟ ساڑھے چار سال پہلے جو کچھ ہوا' وہ سب اور اشعر نے اس کا یقین بھی کر لیا؟

یہ سوچتے ہوئے ان کا دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا۔

"نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا' ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ اشعر ماں کے خلاف اس لڑکی کی کسی بھی بات کا بھی یقین نہیں کر سکتا۔" لیکن پھر اس کے اتنے دنوں تک یہ ساری بات ان سے چھپائے رکھنے کا مقصد کیا تھا۔ انہیں ہر بازی الٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

کیا بیٹی کی بیماری کے کوئی ڈھونگ کر کے اس لڑکی نے اشعر کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی؟ زرینہ نے ان کی کراچی واپسی سے کئی دن قبل ان کے کہنے پر اشعر کے اپارٹمنٹ کے نمبر پر کال کی تھی۔ وہاں کسی ملازمہ نے کال ریسیو کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ وہ لوگ ان دنوں ہسپتال میں ہیں۔ حریم کا آپریشن ہوا ہے' وہ وہاں پر ایڈمٹ ہے۔ خرد کی بیٹی کا نام حریم ہے' یہ وہ نہیں جانتی تھیں۔ ہاں اتنا تو چار سال پہلے سے ضرور جانتی تھیں کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ اس شوشے کے وقت میں انہوں نے زرینہ کے ذریعے بھی اور اپنے بھائی کے دوسرے ذرائع سے بھی کسی نہ کسی قریبی طریقے سے خیر خبر رکھوائی تھی۔ جب یہ تسلی ہو گئی کہ اس کے ہاں بیٹی کو لے کر اشعر کے پاس واپس نہیں آئی' تب انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ خرد کو اشعر کی زندگی سے نکال دینے کے بعد ان کا ارادہ تھا کہ وہ اشعر کی فوراً" کہیں اور شادی کروا دیں گی۔ اس وقت اشعر کو ایک جذباتی سہارے کی شدید ضرورت تھی اور اگر اس کی فوراً" ہی شادی ہو جاتی تو وہ اپنی شادی شدہ زندگی' بیوی اور بچوں میں مگن ہو جاتا۔

مگر اشعر نے اس گھٹیا اور پست ترکی کے پیچھے ہوگ لے لیا تھا' اپنی زندگی تباہ کر دینے پر تلا بیٹھا تھا۔ جبکہ وہ کوشش کرکے

اسے پھر ہنسنا سکھانے' خوش رہنے پر آمادہ کرنے اور زندگی کی طرف واپس لانے کی ان کی ہر کوشش ناکام تھی۔

اس بار جب وہ اپنے سوشل ورک کے لیے روانے ہے متاثرہ شمالی علاقوں میں جارہی تھیں تب اچانک ہی ان کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا۔ اپنی بیماری ڈراوانے کے علاوہ ان کے پاس اشعر سے اپنی بات منوانے کا اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔

وہ اشعر کو اس بار اپنی کراچی واپسی پر سچ کے ساتھ یا جھوٹ کے ساتھ ہر حال میں شادی کے لیے راضی کرنا چاہتی تھیں۔ کسی طرح ہر حال میں اشعر کو مستحکم راہ پر چلتا دیکھنا چاہتی تھیں۔ وہ جانتا تھا اگر آپ کی طبیعت خراب ہوئی تو میرا نام فریدہ حسین نہیں۔

☆ ☆ ☆

"اشعر! آپ کہاں ہیں؟ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ اگر دیکھیں تو سہی ہماری زندگی میں ایک اتنا بڑا طوفان آرہا ہے۔ آپ جہاں کہیں بھی ہیں وہاں سے جلدی سے واپس آجائیں اشعر! مجھے ممی سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ممی مجھے گھر کے اندر نہیں جانے دے رہیں' میں باہر سیڑھیوں پر بیٹھ کر یہ خط آپ کو لکھ رہی ہوں اس لیے کہ میرے پاس آپ سے رابطے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ دعا کررہی ہوں میرے یہ خط لکھتے لکھتے آپ گھر نوٹ آئیں۔ میری بچھ میں نہیں آرہا۔ ممی میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے' کیا ہونے والا ہے۔ ممی نے مجھے گھر کے اندر میں ایک گھنٹے کے اندر یہ گھر چھوڑ جاؤں۔ اگر ایک گھنٹے کے اندر میں اس گھر سے چلی نہیں گئی تو وہ مجھے یہاں سے دھکے مار کر باہر نکال دیں گی۔ ممی کو مجھ سے اتنی نفرت کس بات پر ہوگئی ہے میری بچھ میں نہیں آرہا۔ اپنا کوئی قصور' کوئی غلطی مجھے یاد نہیں آرہی۔

آج فجر کے گھر وہ خود مجھے لے کر گئی تھیں۔ وہ خود مجھے وہاں چھوڑ کر آئی تھیں۔ وہاں زرینہ آنٹی بھی تھیں' ان کی ایک نوکرانی و خانساماں بھی تھی۔ مجھے نہیں پتا ممی نے ایسا کیا کیا کہ وہ دونوں میری پڑھائی میں وہاں سے چلی گئیں اور اسی وقت ممی آپ کو لے کر وہاں آگئیں۔ میں کیا بولوں اشعر! اتنی گھٹیا' اتنی نیچ بات سوچتے بھی مجھے شرم آرہی ہے' جس کا ممی مجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔ لیکن آپ تو میرا یقین کرتے ہیں نا۔ آپ کو پتا ہے نا میں ایسی نہیں ہوں۔ آپ کو یاد ہے ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا' تمہیں غرور بھروسہ نہ ہو تم مجھے اپنی خوبیوں پر پورا بھروسہ ہے' پلیز آج کی بات ایک بار پھر اپنی لوح قات یاد دہ دلا دی تو میرا نام فریدہ حسین نہیں۔

کچھ بالکل ٹھیک کرنے کے بعد صرف ایک غلطی کررہی تھی۔ اگر تب سوچ لیتی تو اب اسے طیبہ کے کھیل کے کرگئی تھی اسی وقت ہی اس باکن کے سٹیلے کا ہونے سے پہلے ہی سر کچلوا دیتی۔ اپنے لیے اس بچ اولاد کی صورت ایک اتنی بڑی مصیبت میں نے زندہ رہنے کے لیے چھوڑ دی۔ لیکن خیر جو بھی ہو' ورنہ میں نے زندگی میں کبھی کسی جگہ شکست نہیں کھائی ہے۔ اس لڑکی کو ایک بار پھر اپنی لوح قات یاد دہ دلا دی تو میرا نام فریدہ حسین نہیں۔

"اشعر! آپ کہاں ہیں؟ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ اگر دیکھیں تو سہی ہماری زندگی میں ایک اتنا بڑا طوفان آرہا ہے۔ آپ جہاں کہیں بھی ہیں وہاں سے جلدی سے واپس آجائیں اشعر! مجھے ممی سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ممی مجھے گھر کے اندر نہیں جانے دے رہیں' میں باہر سیڑھیوں پر بیٹھ کر یہ خط آپ کو لکھ رہی ہوں اس لیے کہ میرے پاس آپ سے رابطے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ دعا کررہی ہوں میرے یہ خط لکھتے لکھتے آپ گھر نوٹ آئیں۔ میری بچھ میں نہیں آرہا۔ ممی میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے' کیا ہونے والا ہے۔ ممی نے مجھے گھر کے اندر میں ایک گھنٹے کے اندر یہ گھر چھوڑ جاؤں۔ اگر ایک گھنٹے کے اندر میں اس گھر سے چلی نہیں گئی تو وہ مجھے یہاں سے دھکے مار کر باہر نکال دیں گی۔ ممی کو مجھ سے اتنی نفرت کس بات پر ہوگئی ہے میری بچھ میں نہیں آرہا۔ اپنا کوئی قصور' کوئی غلطی مجھے یاد نہیں آرہی۔

آج فجر کے گھر وہ خود مجھے لے کر گئی تھیں۔ وہ خود مجھے وہاں چھوڑ کر آئی تھیں۔ وہاں زرینہ آنٹی بھی تھیں' ان کی ایک نوکرانی و خانساماں بھی تھی۔ مجھے نہیں پتا ممی نے ایسا کیا کیا کہ وہ دونوں میری پڑھائی میں وہاں سے چلی گئیں اور اسی وقت ممی آپ کو لے کر وہاں آگئیں۔ میں کیا بولوں اشعر! اتنی گھٹیا' اتنی نیچ بات سوچتے بھی مجھے شرم آرہی ہے' جس کا ممی مجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔ لیکن آپ تو میرا یقین کرتے ہیں نا۔ آپ کو پتا ہے نا میں ایسی نہیں ہوں۔ آپ کو یاد ہے ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا' تمہیں غرور بھروسہ نہ ہو تم مجھے اپنی خوبیوں پر پورا بھروسہ ہے' پلیز آج کی بات ایک بار پھر اپنی لوح قات یاد دہ دلا دی تو میرا نام فریدہ حسین نہیں۔

نہ چڑھ جائے۔ آپ جہاں بھی ہیں وہاں سے جلد لوٹ آئیں اشعر۔ میرے پاس وقت کم ہورہا ہے۔

ممی کا رویہ ایک گھٹیا پن کا ہونے والا ہے۔ میں یہ غلط کہاں رکھوں' کس کو دوں' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ اگر آپ سے کچھ واپسی پر میں آپ کو یہ خط دوں تو اچھا ہے' کو ضرور مل جائے۔ آپ گھر واپس آجائیں۔ مجھے اس جہنم سے باہر نکال دیں۔ مجھے ممی سے بہت ڈر لگ رہا ہے اشعر۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اشعر۔ مجھے اور ہمارے بچے کو اپنے ہوتے ہوئے تمام پہنچنے کا اشعر۔ میرے لیے قیامت کی گھڑیاں نزدیک آرہی ہیں اشعر۔

اگر آپ اب بھی نہ آئے تو قیامت آجائے گی۔ آپ کی خود بیٹھ کے لیے مر جائے گی۔ مجھے مرنے سے بچائیں۔ مجھے مرنے سے بچائیں اشعر۔ مجھے بچائیں اشعر۔ پتا نہیں میں نے کیا لکھا ہے۔ میں جانتی ہوں میری باتوں کا بھی کوئی ربط نہیں ہے۔ مگر میں جانتی ہوں آپ میری ہر بات سمجھ لیں گے جو میں کہہ پائی وہ بھی اور جو نہیں کہہ پائی وہ بھی سمجھ لیں گے۔

صرف آپ کی محبو

وہ فولڈ پھوٹی شکستہ سی تحریر' وہ کسی کے آنسوؤں سے مٹے مٹے سے لفظ' وہ کسی کسی کی کاپی کے ملے جلے اوراق اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گرے۔ سنگ صرف کاغذ ہی نہیں گرے تھے' وہ تو کچھ بھی زمین پر گرا تھا۔ کھڑکی سے آتی ہوا اپنے زور سے ان اوراق کو کمرے میں یہاں وہاں اڑا رہی تھی۔ وہ ان اوراق کو سمیٹنے کے لیے جھکی تھی۔ باہر ہوا بہت تیز چل رہا تھا۔ آسمان پر بادلوں کی گھن گرج سنائی دے رہی تھی۔ لگتا تھا آج خونی رشتوں کی حرمت کی پامالی پر آسمان بھی رونے والا تھا۔

اس کی ماں دنیا کی سب سے عظیم عورت تھی۔ اس کے دل میں وہ اس عظیم الشان مقام پر بٹھا کر رکھتا تھا جس تک دوسرے کسی بھی انسانی رشتے کی رسائی نہیں تھی۔

وہاں کا سب سے زیادہ اذان سب سے زیادہ چاہت

"کیوں ممی کیوں؟" وہ سسک اٹھا۔

"مجھے جس ماں نے جایا وہ میری ماں نے نکلی تھی نہیں ہیں نا۔ میں تو آپ کا سب سے پیارا بیٹا ہوں نا۔ ساری دنیا میں آپ کو سب سے زیادہ عزیز ساری کہہ یہ سب جھوٹ ہے۔ ہماری زندگیوں میں یہ اگر کسی

دیکھ چکی تھیں۔ اسے اس تنہا اور خاموش زندگی سے باہر نکالنے کے لیے۔ اسے اتنا ٹوٹا بکھرا زندگی سے دور دیکھ کر کیا ان کا دل نہیں کڑھتا تھا؟ بہت دل کڑھتا تھا۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کی عورت تھیں۔ عام عورتوں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے یا رونے پیٹنے' واویلا کرنے جیسی جذباتی اور احمقانہ حرکتیں انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں کی تھیں لیکن اب گزرے وہ تین سالوں میں وہ اشعر کو اتنا تنہا اور زندگی سے ناراض دیکھ دیکھ کر واقعی رویا کرتی تھیں۔

ان کے تین بچے تھے مگر جیسی شدید محبت انہیں اشعر سے تھی۔ وہ کبھی اپنی دونوں بیٹیوں سے نہیں تھی۔ وہ ان کا اکلوتا' لاڈلا' چہیتا بیٹا جو صورت شکل سے لے کر اپنی بہت سی خوبیوں تک میں بھی ہو بہو انہیں جیسا تھا۔ وہ ان کی اپنی ماں کی طرح ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں کے مجمع میں بھی الگ نظر آتا تھا۔

فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی ان خوبیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود بے نیاز سا رہا کرتا تھا اور — شاید اس کی یہ بے نیازی لڑکیوں کو اس کی طرف زیادہ ہی متوجہ کیا کرتی تھی مگر وہ اشعر کی طرح اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں سے کبھی بھی یہ لاپروائی نہیں تھی' نہ بے نیاز۔ وہ اپنی نوعمری کے دور سے جانتی تھیں کہ وہ ایک انتہائی ذہین' غیر معمولی خوبیوں کی مالک اور بے پناہ صلاحیتوں کی حامل خاتون ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حکمرانی اور لیڈر شپ کے لیے پیدا ہوئے ہوتے ہیں۔ کوئی ان کے مدمقابل آکر کھڑا ہو' ان کے کسی فیصلے کے برخلاف کچھ کرے' یہ چیز ان کی برداشت سے باہر تھی۔ یہ غرور تھا' تکبر تھا یا جو بھی' بہرحال وہ خود کو ہمیشہ سب سے آگے اور سب سے اونچا دیکھنا چاہتی تھیں۔

اپنے گھر اور بچوں کی زندگیوں سے متعلق چھوٹے بڑے تمام فیصلے وہ کیا کرتی تھیں۔ بصیرت حسین نے صرف ان فیصلوں کو قبول کرنے کا کام کیا تھا۔ ان کا وہ گھر ان کی سلطنت تھا' ان کی ریاست تھا اور اپنی اس سلطنت کی وہ ملکہ تھیں مگر پھر ایک روز ان کی اس سلطنت کے بادشاہ نے ایک بہت معمولی' بہت حقیر' بہت کم تر لڑکی کو لا کر ان کے مقابلے پر کھڑا کر دیا۔

پینتیس سالہ خوشگوار شادی شدہ زندگی کا غرور' شوہر کے دل اور اس کے گھر پر حکمرانی کا فخر سب کچھ صرف ایک پل میں ان سے چھین لیا گیا تھا اور کس بات کے پیچھے۔ یہ کہ وہ اس معمولی لڑکی کو اپنے بیٹے کی بیوی کی حیثیت میں قبول کر لیں' اسے اپنی بہو بنا لیں۔ اس بات پر اگر وہ شوہر کے خلاف تنی تھیں' اس فیصلے کے خلاف بولا تھا تو کیا غلط کیا تھا۔ ان کا وہ لاکھوں' کروڑوں میں ایک بیٹا جس کے لیے ان کے ہم پلہ کیا ان سے بھی اونچے گھرانوں کے لوگ رشتے کے خواہش مند تھے۔ اس کا نصیب کیا وہ حقیر ترین لڑکی تھی۔

اشعر امریکہ سے تعلیم مکمل کر کے آیا تو ان کے جاننے والے اور واقف کار کیا سرسری ملنے جلنے والوں تک نے کسی نہ کسی انداز میں اپنی یہ خواہش ان تک ضرور پہنچائی تھی کہ اشعر کے لیے لڑکی کا انتخاب کرتے وقت ان کی بیٹیوں کو بھی ضرور زیر غور لایا جائے اور یہ سب وہ لڑکیاں تھیں جو ان ہی کی طرح اپر کلاس سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسٹیٹس' تعلیم اور زندگی کے ہر معاملے میں ان لوگوں کی خصوصیت میں اشعر کے ہم پلہ تھیں اور وہ ان سب میں سے کسی لڑکی کو بھی اشعر کے لیے پسند نہ کر پائی تھیں۔

ان بہت خوبصورت اور بے تحاشا خوبیوں کی مالک سارہ اصل جو اپنی ذات میں یکتا و بے مثال تھی' وہ تک اپنے بیٹے کے لحاظ سے کم تر لگا کرتی تھی۔ اگر اشعر خود سے بھی اپنے لیے کسی لڑکی کو پسند کر لیتا' وہ اس کی پسند کو خوشی خوشی قبول کر لیتیں۔ ہاں اس وہ لڑکی ان کی فیملی کے ہم پلہ فیملی سے ہونا چاہیے تھی۔ فخر احسان کو اشعر کی بیوی بنانا' اس ننھی سی لڑکی کو یہ منصب ان کے شوہر نجانے کس طرح کے جذباتی ہتھکنڈے استعمال کر کے اشعر سے دلوایا تھا۔

اشعر باپ کی جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہو گیا تھا مگر وہ اس بات پر کیسے چپ رہ سکتی تھیں۔ فخر احسان' وہ معمولی درجے کی لڑکی ان کی اس غریب نند کی بیٹی تھے رشتے دار کی حیثیت سے متعارف کراتے بھی انہیں ہتک کا احساس ہوتا تھا۔ ان حقیر ترین لوگوں سے ان کے بیٹے کا رشتہ ہو جائے؟ ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ کہاں انہیں لندن کے بہت شاندار فیشن اسکول سے ڈگری لے کر آئی اپنی حسین اور ذہین بھانجی سارہ اصل بیٹے کے لیے نہیں بھائی تھی اور کہاں ان کے شوہر نے اس حقیر لڑکی کو ان کے بیٹے کے لیے منتخب کر ڈالا تھا۔

بہن نے بھی بھائی کی جذباتی کمزوریوں سے بھرپور

انداز میں فائدہ اٹھایا تھا۔ بہن نے بھائی سے کبھی پیسہ نہیں مانگا تھا۔ بڑی خوددار تھیں۔ ہاں بھائی کی سب سے قیمتی متاع ان کا بیٹا ضرور مرتے مرتے ان سے مانگ لیا تھا اور بھائی' بہن پر ایسے والہ و شیدا کے انکار کا کوئی جواز تھا ہی نہیں۔

ان کے انکار پر وہ زندگی میں پہلی بار بیوی پر چلا رہے تھے۔

"خبردار ہو تم نے آگے ایک لفظ بھی کہا۔ یہ میرا گھر ہے' میں اس کا مالک ہوں اور غصے میں چاہوں' اس گھر میں رکھ سکتا ہوں۔ یہ میرے اس گھر میں میری بہن بھی رہے گی اور بھائی بھی اور میری بھائی یہاں میری بہو بن کر رہے گی۔ اور تمہیں اگر میرے اس فیصلے پر اعتراض ہے تو تم اس گھر کو چھوڑ کر شوق سے جا سکتی ہو۔"

شادی کے پینتیس سالوں بعد انہیں ان کے شوہر نے یہ اتنی بڑی بات کہہ دی تھی اور شوہر کی جانب سے یہ بے عزتی انہیں کس کے سب ملی تھی۔ وہ حقیر ترین' کم تر ترین لڑکی۔ پہلے اگر وہ لڑکی انہیں صرف معمولی اور حقیر لگا کرتی تھی تو اس لمحے کے بعد سے انہیں اس سے نفرت ہو گئی تھی' شدید ترین نفرت۔ ان کے لیے خاموشی کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ وہ ایک سرکاری اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی بیٹی تھے ان کی اس ہائی سوسائٹی کے طور طریقے کچھ نہیں آتے تھے جسے اپنے ملنے والوں سے بہو کی حیثیت سے متعارف کراتے انہیں شرمندگی ہوتی تھی۔ کیا حق کے ساتھ ان کے اس غیر معمولی بیٹے کی بیوی بنی' ان کے گھر میں رہ رہی تھی۔ انہوں نے نہ شوہر کو معاف کیا تھا نہ اس لڑکی کو جس کی وہ غلط وقت پر غلط انداز میں اپنے جذبات کو ظاہر کرنے والے لوگوں میں سے نہ تھیں۔ جب تک اشعر اسے منہ نہیں لگاتا تھا' اس سے دور دور بلکہ بیزار گھری سے دور رہنے لگا تھا تب تک پھر بھی کسی نہ کسی طرح وہ اس لڑکی کو دل پر جبر کر کے برداشت کرتی رہی تھیں مگر جب اس لڑکی کا جادو ان کے بیٹے پر بھی ویسے ہی اثر کرنے لگا جیسے شوہر پر کیا تھا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ان کے شوہر کو تو اس حقیر ترین لڑکی نے ان سے چھینا ہی تھا' اب ان کے اکلوتے بیٹے کو بھی اپنی محبت کے دام میں الجھا لیا تھا اور ان کا بیٹا....

وہ ایسا احمق کہ اپنی حیثیت اپنا مقام پہچانے بغیر اس لڑکی کو سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔

اسے اپنے شوہر اور بیٹے کی مشترکہ والہانہ محبتیں پاتا دیکھ کر وہ انگاروں پر لوٹتی تھیں' وہ اس درست وقت کا انتظار کر رہی تھیں جب انہیں اس لڑکی کو اس کی اوقات یاد دلانی تھی اور پھر تقدیر نے وہ درست وقت انہیں جلد ہی فراہم بھی کر دیا تھا۔ مختصر سی علالت کے بعد ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے شوہر نے آخری بات جو ان سے کی تھی وہ ان سے معافی مانگنا تھی۔ انہوں نے اشعر کی شادی کی بات کرتے ہوئے بیوی سے زندگی میں پہلی بار جو غلط کلامی کی تھی۔ وہ اس کی ان سے معافی مانگ رہے تھے۔ وہ ان لمحوں میں شوہر کے قریب بیٹھی بظاہر روتے ہوئے یوں خاموش رہی تھیں جیسے انہیں شوہر سے کبھی کوئی شکوہ کوئی شکایت رہی ہی نہیں تھی۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ نہ اپنی بے عزتی بھولی تھیں نہ انہوں نے اس بے عزتی کے لیے شوہر کو کبھی معاف کیا تھا اور نہ ہی کبھی کر سکتی تھیں۔ انہیں شوہر کی موت کا ویسا صدمہ نہیں ہوا تھا جیسا ہونا چاہیے تھا۔

اس لڑکی کا ان کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اسے تو وہ چٹکیوں میں مسل کر رکھ سکتی تھیں۔ اصل مسئلہ اشعر کا تھا۔ وہ اس معمولی لڑکی سے محبت کرنے لگا تھا۔ لیکن اگر محض باپ کے کہنے پر اس کے ساتھ اپنے رشتے کو نبھا رہا ہو تو تب بھی اس لڑکی کو اشعر کی زندگی سے نکالنا بہت زیادہ مشکل کام تھا۔ وہ ان کا اصولوں' قاعدوں اور وعدوں کو بہت اہم جاننے والا بیٹا کبھی باپ کے قائم کردہ اس رشتے کو ہرگز نہ توڑتا۔ اس مشکل ترین کام کو کرنے کے لیے جلد بازی کی نہیں سمجھ داری اور تدبر کی ضرورت تھی۔

خضر عالم' زرینہ کی نند کے اس بیٹے کو وہ گزشتہ چند سالوں سے جب سے وہ کراچی میں مقیم تھا جانتی تھیں اس سے ملاقاتیں ہمیشہ سرسری نوعیت کی رہی تھیں۔ زرینہ کے ہاں سرسری ملاقاتوں اور معمولی نوعیت کی گفتگو کے باوجود وہ اس لڑکے کی فطرت بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔ وہ ترقی اور دولت کا بھوکا ایک انتہا درجے کا مطلبی اور موقع پرست انسان تھا۔

خضر عالم میتھس میں آنرز کر رہا تھا اور فخر نے اسی آبجیکٹ کے ایم فل سی پر یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ یہ بات جانتے ہی ان کے ذہن میں ایک خیال آنے لگا' ایک منفی خیال' جو دھیرے دھیرے ایک پلان بننے لگا۔

ابھی فخر کی یونیورسٹی میں کلاسز شروع بھی نہیں ہوئی

تھیں اور انہوں نے اپنے ارادوں کو عملی شکل دینے کا آغاز کرتے آہستہ آہستہ اپنے کہ کوئی چونکے نہیں' اپنے گھر والوں کو مختلف مواقع پر خضر کی تعریفیں کر کر کے بیدار کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ اس لڑکے کو بہت پسند کرتی ہیں۔

کتنا ہی چاہنے والا شوہر کیوں نہ ہو بیوی کی بیداری سے نہیں سکتا۔ مرد کی فطرت کے اس پہلو کو انہیں فائدے کے لیے بالکل درست انداز میں استعمال کرنا تھا۔ وہ جانتی تھیں انہیں اپنے بیٹے کو جو اس لڑکی کی محبتوں کا دم بھرا کرتا ہے کس طرح اس سے بدگمان کروانا ہے۔ خرد احسان کی انہیں فکر نہیں تھی۔ وہ بے وقوف اور بے عقل لڑکی بھی کبھی کسی کی سوچ تک بھی نہیں پہنچ سکتی تھی' ہاں ان کو فکر تھی اپنے بیٹے کی۔ ان کا بیٹا بے تحاشا ذہین اور ہر معاملے میں منطقی انداز فکر رکھنے والا تھا۔

اس کام کے لیے خضر عالم تو ان کی نگاہوں میں بہت پہلے ہی سے تھا اور دوسری ان کی' کہ زرینہ اجمل' پیسے کی بجن کے پاس قطعاً" کوئی کمی نہیں تھی۔ ہاں ان کا مسئلہ خرد احسان ضرور تھی۔ خرد سے ان کی دشمنی کا سبب سارہ تھی' سارہ کی اشعر میں انوالومنٹ تھی۔ وہ خرد کو اشعر کی زندگی سے نکلوا کر وہ جگہ سارہ کو پاتے دیکھنا چاہتی تھیں۔ اپنے منصوبے میں شریک کرنے کے لیے ان دو لوگوں کا انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر انتخاب کیا تھا۔ زرینہ اجمل ہوں یا خضر عالم' وہ ان دونوں سے اپنا مطلب نکلوا رہی تھیں۔ خضر کا منہ تو اتنے پیسے دے کر ہمیشہ کے لیے بند کروا رہی تھیں۔ رہ گئیں زرینہ تو بعد میں ان سے انہیں کیسے پیچھا چھڑانا تھا وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ سارہ کو اشعر اور خرد کی شادی کے وقت خرد کے متبادل کے طور پر تو وہ قبول کر سکتی تھیں' مگر سارہ کو وہ اپنی خوشی سے اشعر کی بیوی کے طور پر کبھی منتخب نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کی پسند بہت اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ اشعر اپنی سوچ اور اپنے رویوں سے مشرقی انداز رکھنے والی لڑکیوں کو پسند کیا کرتا تھا۔ یہی مشرقی ادائیں تو تھیں خرد احسان کی جنہوں نے اشعر کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا۔

وہ اپنے بیٹے کی زندگی کی خوشیوں کو ختم کرنے کے لیے کچھ کر رہی ہیں ایسی کوئی سوچ دور دور تک ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ اس لیے کہ وہ اپنے بیٹے کے خلاف کچھ کر ہی نہیں رہی تھیں۔ اپنے قدموں میں پڑے ایک پتھر کو جو وہ ہیرا سمجھنے کی غلطی کر بیٹھا تھا وہ اسے صرف اس غلطی سے روکنا چاہتی تھیں۔

ان ہی دنوں ان کی تجربہ کار اور زیرک نگاہوں نے جب یہ بھانپا کہ خرد غالباً" پریگننٹ ہے تو وہ بری طرح بوکھلا گئیں۔ مگر وہ ان کی اب تک کی زندگی کی سب سے زیادہ احمق ترین دشمن اس سے باواقف تھی۔

پھر اشعر یا بالکل ٹھیک موقع پر وہی چال چلا گیا تھا اور وہ بھی اس بات سے آگاہ ہوئے بغیر۔ وہ لڑکی صبح شام ان کے ساتھ تھی اور اشعر کی ہر بات وہ کسی نہ کسی انداز میں انہیں بتا رہی تھی۔ خرد احسان اپنے ہی خلاف تمام معلومات انہیں بروقت اور بہم پہنچا رہی تھی۔ انہیں خوشی خوشی یہ بتا کر کہ اشعر اپنے طے کردہ پروگرام سے جلدی واپس آ رہا ہے خرد نے ان کے لیے مزید آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔ اشعر بغیر اطلاع دیے' یہاں اچانک پہنچے گا اور پھر خرد کو کسی ایسی جگہ پائے گا تو ان کا تخلیق کردہ منظر اور بھی زیادہ حقیقت سے قریب تر ہو جائے گا۔

ان کا وہ پورا منظر پرفیکٹ ٹائمنگ کے ساتھ بالکل ان کے سوچے ہوئے طریقے کے مطابق عمل میں آیا تھا۔ ان کے اندازے نہ اپنے بیٹے کے اس منظر کو دیکھنے کے بعد کے ردعمل کے متعلق غلط ثابت ہوئے تھے نہ خرد احسان کے متعلق' سب کچھ ان کی توقعات کے عین مطابق ہوا تھا۔ ان کا اپنے بیٹے کی نفسیات کو بخوبی جاننے کا اندازہ کہ اشعر اس منظر کو دیکھنے کے بعد غم' غصے اور صدمے کا بری طرح شکار ہو کر خضر کے اپارٹمنٹ سے اسی وقت اور فوراً" کہیں چلا جائے گا' سو فیصد درست ثابت ہوا تھا۔ تب ہی تو انہوں نے پہلے ہی خضر کو سمجھا رکھا تھا کہ اشعر کے اس اپارٹمنٹ سے نکل جانے کے کچھ ہی لمحوں بعد وہ بھی نکل جائے اور جہاں اشعر جائے وہاں وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے جائے۔ اشعر جہاں پر بھی ہے وہاں وہ بالکل خیریت سے اور بالکل ٹھیک ہے انہیں صرف اور صرف یہ اطلاع چاہیے تھی' وہ اشعر کی آج رات گھر واپسی ہرگز نہیں چاہتی تھیں۔

انہوں نے صرف خضر کے گھر تک کا ہی نہیں اپنے گھر واپس آجانے کے بعد کا بھی سارا منظر پہلے سے ترتیب دے رکھا تھا۔ اگر چابیاں تو وہ خرد کو اسی وقت ہی گیٹ سے اندر داخل نہ ہونے دیتیں۔

مگر انہیں رات کا انتظار تھا اسی لیے انہوں نے گیٹ سے اندر اس لڑکی کو قدم رکھنے دیا تھا' انہیں بیٹے کی' اپنی

اور اپنے خاندان کی عزت کی بہت زیادہ پروا تھی اس لیے انہوں نے پہلے ہی گھر سے تمام ملازمین کو زرینہ کے ہاں بھجوا دیا تھا۔ زرینہ جنہوں نے صرف اس ایک دن انہیں گھر سے اپنے تمام ملازمین کو ہٹانے کا ایک معقول جواز فراہم کرنے کو اس رات اپنے گھر پر ایک بہت بڑی پارٹی دے رکھی تھی۔ چوکیدار اور نور افزا وہ دونوں ان کے بہت پرانے اور بھروسے کے ملازمین تھے اور پھر وہ سارے کے سارے نوکروں کو گھر بھیج کر خود کو ایک دم مظلوک بھی نہیں بنا دینا چاہتی تھیں۔

انہوں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا' ان کی پلاننگ پرفیکٹ تو تھی مگر کسی بھی لمحہ اگر بات کچھ آگے پیچھے یا ان کے اندازوں سے غلط ہو جاتی تو سارا معاملہ بگڑ بھی سکتا تھا' وہ خود بھی شک کی زد میں آسکتی تھیں۔

پھر آخرکار اشعر گھر واپس آ گیا تھا۔ اس کی گاڑی کی آواز سنتے ہی وہ دیوانہ وار بھاگتی باہر نکلی تھیں۔ وہ کتنا ہذیان' کتنا کنفیوژ لگ رہا تھا۔ اس ننھی لڑکی کی وجہ سے انہیں اپنے بیٹے سے کتنے جھوٹ بولنے پڑ رہے تھے' اس کی انا' عزت اور وقار کو کتنی چوٹیں پہنچانی پڑ رہی تھیں۔ اسے چوٹ پہنچا کر وہ خوش نہیں تھیں۔ مگر ان کے پاس اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔

"ممی! خرد کہاں ہے؟" اپنے کمرے میں آجانے کے بعد وہ ان سے پوچھ رہا تھا۔

"میں وہ بیٹا تم پہلے کچھ دیر آرام کر لو۔ تو چلو میرے کمرے میں۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر پیار اور لجاجت سے وہ یوں بولی تھیں جیسے ایک بہت ہی بری خبر ہر حالت میں اس سے چھپانا چاہتی ہوں۔

"ممی! خرد کہاں ہے؟" وہ ان کے انداز میں موجود سنگینی اور بری خبر چھپانے کا تاثر فوراً" بھانپ گیا تھا۔

"وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی اشعر۔" اس کے پیہم اصرار کے بعد بالآخر اپنی نظریں اس سے چراتے وہ آہستہ آواز میں بولی تھیں۔ اس بات کو سننے کے بعد اشعر کا ردعمل ان کی توقع کے مطابق تھا۔ وہ روتے ہوئے نظریں جھکا کر اپنے مرتب کردہ جملے بول رہی تھیں۔

"وہ اسی روز یہاں سے چلی گئی تھی۔ جب تم خضر کے اپارٹمنٹ سے گئے تھے میں روتی اور بھاگتی ہوئی تمہارے پیچھے گئی۔ مگر جب تمہیں روک نہ پائی تو صدمے سے چور گھر لوٹ آئی۔ وہ مجھ سے پہلے گھر پر موجود تھی۔ وہ اپنا سارا سامان جلدی جلدی پیک کر رہی تھی' گھر سے باہر گاڑی میں خضر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے بہت روکا' بہت سمجھایا۔ پیار سے' محبت سے' منت سے' میں نے اس کے آگے ہاتھ تک جوڑے' وہ ہمیں اتنی بڑی ذلت دے کر نہ جائے۔ مگر میری کوئی نصیحت' کوئی التجا' کوئی آنسو اس پر اثر نہ کر سکا۔ مجھ سے بولی کہ جب تک بات چھپی تھی چھپی تھی مگر اب جب ساری بات کھل چکی ہے تو وہ یہاں مزید ایک پل بھی نہیں رہنا چاہتی۔ تم سے اس کی شادی اس کی ماں اور ماموں نے زبردستی کروائی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ابتدا میں وہ اس رشتے سے خوش بھی مطمئن بھی مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب وہ صرف لوگوں سے ڈر کر' معاشرے سے ڈر کر' سمجھوتے سے بھری زندگی تمہارے ساتھ گزار رہی تھی۔ مگر اب جبکہ سچائی تمہارے سامنے آ چکی تھی تو وہ سمجھوتوں سے بھری' بنی ہوئی زندگی مزید نہیں جینا چاہتی۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ وہ آنے والے چند دنوں میں طلاق کے لیے تم سے رابطہ کرے گی۔ اس کا نفس اس پر اتنا حاوی ہو گیا تھا اشعر کہ وہ صحیح' غلط' گناہ' ثواب ہر چیز سے بے نیاز ہو چکی تھی۔"

لہو لہان کر گرم تھا۔ خرد اور خضر کو تنہائی میں ملتے دیکھنے کے بعد سنگین جملے اور سنگین صورت حال اس کے اور خرد کے رشتے کے تابوت میں آخری کیل ہی ثابت ہوئے تھے۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ مگر یہ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ اس کا یوں نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ ان کا اندازہ تھا کہ وہ بہت ٹوٹ پھوٹ جائے گا اور ایسے وقت میں وہ اسے جذباتی سہارا فراہم کریں گی اور اس جذباتی کمزوری اور شکستگی کے ان دنوں ہی میں وہ اس کی بڑی سادگی سے دوسری شادی کروا دیں گی۔ لیکن اشعر کا نروس بریک ڈاؤن' اس کا ہسپتال میں ایڈمٹ رہنا' اس کی بری طرح کرتی ہوئی حالت انہیں حقیقتاً" پریشان کرتی تھی۔

ان کا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ وہ خود کو سنبھال لے گا۔ مگر ان کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ اشعر نے خود کو سنبھال تو لیا تھا مگر بہت عجیب انداز میں۔ وہ دنیا میں رہتا تھا' وہ لوگوں کے درمیان رہتا تھا مگر کس طرح؟ جیسے کوئی مردہ۔

اس نے اپنی زندگی کے ساڑھے چار سال اس گھٹیا لڑکی کی بے وفائیوں کے پیچھے برباد کر ڈالے تھے۔ اشعر کو بدلنے

"میں ہوں اشعر۔" بڑی مشکلوں سے آنسوؤں کو روک کر وہ بول پایا۔

"آپ کہاں تھے؟ حریم آپ کو بہت زیادہ پوچھ رہی تھی۔ میں نے آپ کے موبائل پر کئی مرتبہ ٹرائی کیا' پھر گھر پر بھی فون کیا۔ زینت نے کہا آپ گھر بھی نہیں آئے۔ حریم رات آپ کا بہت زیادہ انتظار کر رہی تھی' سوئی بھی بہت دیر میں اور بہت مشکل سے ہے۔"

وہ کل تمام رات کہاں تھا؟ خرد کی بات کے جواب میں اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اسے یاد آگیا۔ وہ کل رات محبت کی عدالت میں مجرم کے کٹہرے میں کھڑا رہا تھا۔ کل رات اس نے محبت کی عدالت سے عمر بھر ایک احساس جرم' ایک کسک اور ایک کبھی نہ مٹنے والی خلش کے ساتھ زندہ رہنے کی سزا پائی ہے۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں تھا' اس کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر کچھ اشک اس کے چہرے کو بھگونے لگے تھے۔

"میں آرہا ہوں۔" یہ تین لفظ بمشکل ادا کر کے اس نے فوراً ہی ریسیور واپس رکھ دیا۔

الماری سے ایک دوسرا لباس نکال کر وہ باتھ روم میں آ گیا۔ وہ پوری رات بارش میں بھیگا۔ صبح کے چار بجے شاور پوری رفتار سے کھولے بالکل ٹھنڈے یخ پانی سے نہا رہا تھا۔ اس کے بالکل تازہ زخموں پر پڑتا وہ برفیلا پانی اسے ذرا سی بھی اذیت نہیں دے رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اس سرد پانی کو اپنے زخموں سے اٹے جسم پر بہاتا رہا۔

☆ ☆ ☆

وہ ہسپتال میں آگیا تھا۔ حریم کے روم کا دروازہ کھول کر وہ آہستگی سے اندر داخل ہوا۔ صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ حریم بیڈ پر بے خبر سو رہی تھی۔ خرد اس کے بالکل پاس کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ نہیں سکا۔ وہ نظریں جھکائے اندر آگیا تھا۔ وہ اس کی خود پر مرکوز نگاہوں کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ شاید اس کے چہرے' گردن اور ہاتھوں پر جا بجا نظر آتے تازہ زخموں اور چوٹوں کو دیکھ رہی تھی' وہ اس سے نظریں چراتا خاموشی سے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

خرد نے اس پر سے نظریں ہٹا کر حریم کی طرف چہرہ موڑ لیا تھا۔ وہ اسے نہ دیکھنے کے باوجود بھی اس کی ہر جنبش اور اس کے جسم کی معمولی سی حرکت تک کو محسوس کر رہا تھا۔

"حریم کی طبیعت رات میں کیسی رہی؟"

"حریم کی طبیعت الحمد اللہ بالکل ٹھیک رہی۔ رات کو ڈاکٹر حریم کو دیکھنے آئے تھے۔ ڈاکٹر انصاری آج انشاء اللہ ڈسچارج کر دیں گے۔"

وہ حریم کی نیند خراب نہ ہو اس لیے بہت آہستہ بولی تھی۔ اس کا جواب اس نے ٹائلز پر نظریں جمائے ہوئے ہی سنا۔ کچھ پل ان دونوں کے بیچ مکمل خاموشی میں گزر گئے۔ پتا نہیں کتنے منٹ یونہی خاموشی میں گزرے ہوں گے' جب اس نے خرد کا کرسی پر سے اٹھنا محسوس کیا۔

وہ اس کے صوفے کے قریب رکھے سنگل صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ اب وہ بھی اسی کی طرح حریم سے کافی فاصلے پر تھی۔ وہ بہت آہستہ آواز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"باتیں تو مجھے بھی بہت سی کہنا ہیں۔ پر کہاں سے شروع کروں؟ تم سے پوچھوں کہ تم مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہو' مجھے نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتیں؟ میں اپنے کس کس گناہ کی معافی مانگوں خرد؟"

"حریم انشاء اللہ آج دن میں کسی بھی وقت ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو جائے گی۔ میں سمجھتی ہوں اب ہمیں حریم کے مستقبل کی بات کر لینا چاہیے۔"

وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا ہے' وہ شاید یہ دیکھنے کے لیے ایک پل کو رکی۔ اس کے جھکے سر کو اس نے ایک پل کے لیے دیکھا پھر اسے کچھ نہ بولتا پا کر خود ہی آگے اپنی بات کی وضاحت کرنے لگی۔

"بہت سوچ سمجھ کر اور غور و فکر کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ حریم کی بہتری اور اس کا تحفظ آپ کے ساتھ رہنے میں ہے۔ میں اسے وہ سب کبھی بھی فراہم نہیں کر سکتی جو آپ کر سکتے ہیں۔ حریم کا روشن کل اور اس کی زندگی کی دیرپا خوشیاں آپ کے ساتھ رہنے میں وابستہ ہیں۔ لہٰذا میں اپنی خوشی اور آمادگی کے ساتھ حریم آپ کو سونپ رہی ہوں۔ میں ہو سکتا ہے آج ہی نہیں تو کل اس گھر سے چلی جاؤں گی۔ حریم کو ابھی گھر جانے کے بعد بہت زیادہ کیئر کی ضرورت ہو گی لیکن میں سمجھتی ہوں اگر اسے ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنا ہے تو یہی وہ وقت ہے جب یہ فیصلہ کر لیا جانا چاہیے۔ جتنے زیادہ دن ہم دونوں ایک ساتھ اس کے ساتھ رہیں گے' اتنے ہی زیادہ

دن پھر بعد میں حریم کو اس تلخ سچائی کو قبول کرنے میں لگیں گے کہ اسے ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنا ہے۔ وہ ایک وقت میں دونوں کے ساتھ کبھی نہیں رہ سکتی۔ میں جانتی ہوں آپ حریم سے محبت کرتے ہیں۔ حریم اب سے صرف آپ کی ہے' میرا اس پر کوئی حق نہیں۔ مجھے پتا ہے آپ اس کا بہت خیال رکھیں گے۔ وہ آپ کے ساتھ بہت زیادہ خوش رہے گی۔ آپ اگر مجھے اجازت دیں گے تو میں کبھی کبھار حریم سے فون پر بات کر لیا کروں گی اور اگر نہیں تو میں آپ کے فیصلے کو قبول کروں گی۔ آپ سے میری صرف اتنی سی درخواست ہے کہ حریم کے ذہن پر اس کی ماں کا کوئی برا خاکہ مت بنئے گا۔ اس کی ماں ایک بدکردار عورت تھی' اس احساس کو ساتھ لیے وہ زندگی میں سر اٹھا کر کبھی جی نہیں پائے گی۔ میں چاہتی ہوں حریم ہمیشہ سر اٹھا کر جیے۔ وہ اپنے ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کے بھی وجود سے کبھی شرمسار نہ ہو۔"

تند لفظوں کے اس کاری وار نے اس کے جھکے سر کو تکلیف کی شدت سے کچھ اور جھکا دیا تھا۔

اس کا دل چاہا' وہ اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لے' خرد کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہے' خدا کے لیے لفظوں کی یہ بے رحم تلوار مجھ پر نہ چلاؤ۔

"حریم! جب بھی تم مجھے پاپا کہتی ہو' میرا دل خوشی اور فخر سے بھر جاتا ہے۔ تم سے پہلی بار تعارف ہی اس لفظ سے ہوا تھا۔ اتنے حق سے "آپ فوٹو والے پاپا ہیں" کہنے والی میری بیٹی۔ پر اب سے جب بھی تم مجھے اس پیارے نام سے پکارا کرو گی تو خوشی کے ساتھ دل کو ہر بار ایک نیا درد یونہی ملا کرے گا' جیسے تمہاری ماں کے لفظوں میں چھپی کاٹ سے ملا ہے۔"

اسے پتا تھا خرد اپنی بات کا جواب پانے کے لیے اس کے کچھ کہنے کی منتظر ہے مگر وہ کچھ بولے بغیر اس کی طرف دیکھے بغیر ایک دم ہی صوفے پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نظریں اپنی سوئی ہوئی بیٹی پر جمی تھیں۔ وہ بیٹی جو موت کے منہ سے نکل کر باہر آئی تھی' جسے اللہ نے ایک نئی زندگی عطا کی تھی۔ وہ بغیر قدموں کی کوئی آہٹ پیدا کیے اپنی بیٹی کے پاس آگیا۔

"آپ حریم کی برتھ ڈے پر کیوں نہیں آئے؟ گفٹ بھی نہیں دیا۔"

اس کی آنکھوں سے دو آنسو بڑی آہستگی سے گر کر اس کے گریبان میں جذب ہوئے' اس نے [illegible] خرد سے مکمل کلوز پر چھپایا ہوا تھا۔ اس نے بھی خاموشی سے اپنی بیٹی کی پیشانی کو چوما۔

"تمہاری ماں سے علیحدگی کے قابل تو نہیں ہوں۔ مگر تم اپنے پاپا کو معاف کر دو حریم! اس کی ہر زیادتی کے لیے۔ تمہارے پاپا تم سے وعدہ کرتے ہیں' ہوان چار برسوں میں ہوا' وہ اب زندگی میں کبھی نہیں ہو گا۔ بس صرف ایک بار معاف کر دو اپنے پاپا کو۔"

وہ بے آواز اپنی گہری نیند سوئی بیٹی سے ہم کلام تھا۔ جیسے اس کے دل سے نکلی یہ ساری باتیں سیدھی اس کے دل تک پہنچ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ سخت مضطرب تھیں' وہ کل رات سے کئی مرتبہ اشعر کے موبائل پر کال کر چکی تھیں۔ وہ ان کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اشعر سے انہیں کوئی کام نہیں تھا جو لاکھ عمل انہوں نے اس انہونی اور خطرناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے طے کیا تھا اس میں اشعر سے نہیں' انہیں اس ڈیل لڑکی سے جا کر بات کرنا تھی جو اپنی اوقات بھول گئی اس بے حیثیت لڑکی کو اس کی اوقات یاد دلانی تھی۔

اشعر سے تو وہ صرف سلام دعا کر کے اسے اپنے واپس آنے کی اطلاع دے کر بہت رومینٹک سے انداز میں بات کرنا چاہتی تھیں۔ اگر اشعر ان سے یہ بات چھپا رہا تھا تو وہ بھی خود کو انجان ہی ظاہر کرنا چاہتی تھیں۔ وہ جلد بازی میں کوئی اوچھا کام کر کے اپنی عمر بھر کی ریاضت اپنا الو تا بیٹا کھونے کا سوچ بھی کیسے سکتی تھیں۔

کراچی واپس آنے سے پہلے پرسوں شام ہوان کی اشعر سے آخری بات ہوئی تھی۔ وہ ان سے اسی محبت بھرے لہجے میں مخاطب تھا۔ جس میں ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔ اگر خرد اسے کچھ بتا چکی ہوتی' تو اس کا لہجہ معمول کے مطابق کس طرح ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ہر انداز اور ہر ادا سے واقف تھیں۔

اگر اسے سچائی کا رتی برابر بھی علم ہو گیا ہو تا تو وہ ان کے ساتھ محبت اور چاہت سے باتیں کرنے کا ڈرامہ بھی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ اس کا مزاج ہی نہیں تھا۔

وہ صبح ساڑھے دس بجے اشعر کے دفتر فون کر چکی تھیں۔ اس کی سیکرٹری نے بتایا تھا کہ اس کا ابھی [illegible]

نور نے لگائی تھی۔ بھلا ایک ماں خود اپنی اولاد کی زندگی میں آگ کس طرح لگا سکتی ہے۔

وہ اٹھا کر کھڑا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ ماں کی محبت بھری آغوش ایک پل میں اس سے چھین لی گئی تھی پھر بھی چوٹ لگنے پر رونے کے لیے ماں کے علاوہ کسی اور کے پاس جانے کی اسے عادت نہیں تھی۔ ماں یہاں نہیں تھی مگر اس کا احساس تو تھا۔ وہ ماں کی کوکھ پہچان جانے پر ماں کے کمرے ہی میں منہ کر رونا چاہتا تھا۔

وہ ماں کے کمرے کے پاس آیا' وہ دروازے کے سامنے آکر رکا' وہ دروازے کو کھولنے کے لیے اس پر ہاتھ رکھنے لگا' اسے اندر سے اپنی ماں کی آواز آئی۔ لیکن یہ آواز' یہ لہجہ زخموں پر مرہم رکھنے والا تو نہیں تھا۔ یہ آواز اس کی ماں کی ضرور تھی مگر یہ تو نظروں میں سرتاپا ڈھکی کسی اور سری عورت کا لہجہ تھا۔ کسی بالکل انجان اور غیر عورت کا لہجہ تھا۔

"بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی تب مجھ سے۔ آنے والے سالوں میں وہ سچ مچ کی اشعر کی زندگی میں واپس آسکتی ہے' اپنی اولاد کو ہتھیار بنا کر اشعر کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کر سکتی ہے' کاش میں نے اس امکان پر تب غور کر لیا ہوتا تب یہ بات سوچ لی ہوتی۔ اگر تب سوچ لیتی تو جب اسے طیبہ کے کلینک پر لے کر گئی تھی اسی وقت ہی اس ناگن کے پنجولے کاٹ دیتی۔ اپنے لیے اس سچ مچ لڑکی کی اولاد کی صورت ایک اتنی بڑی مصیبت میں نے زندہ رہنے کے لیے چھوڑ دی۔ لیکن خیر ہو بھی ہو زرینہ....." یہ اس کی ماں نہیں تھی۔ واقعی یہ ظالم اور سفاک عورت کوئی اور تھی۔

اس کے سائیں سائیں کرتے کانوں میں ان لفظوں کی بازگشت ہو رہی تھی۔ حریم صرف خرد کی تو نہیں میری بھی تو اولاد ہے۔ آپ کے بیٹے کی اولاد۔ آپ کے لاڈلے بیٹے کی اولاد۔ میں یہ سچائی جان کر زندہ کس طرح رہوں کہ میری بیٹی سے دنیا میں جو سب سے زیادہ نفرت کرتا ہے وہ کوئی اور نہیں میری ماں ہے۔

یہ رشتوں کے اعتبار کھونے کا دن تھا۔ یہ دنیا کے سب سے عظیم رشتے پر سے ہر بھروسہ کھو دینے کا دن تھا۔ اگر ماں بھی بھروسے قابل نہیں تو پھر انسان اعتبار کس پر کرے' بھروسہ کس پر کرے' یقین کس پر کرے؟ وہ بغیر دیکھے ایک وقت میں دو' دو' تین تین سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگ رہا تھا۔ اس کا راستہ کیا تھا' اس کی منزل کہاں تھی' اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"انہوں نے میرے 'نور خان اور جمال کے علاوہ ہال سارے نوکروں کو اپنی بہن کے گھر وہاں کسی دعوت کی تیاری کرنے کے لیے بھجوا دیا تھا۔ مگر جب شام میں ہیں سے گھر واپس آکر انہوں نے مجھے اور نور خان کو الگ الگ بلا کر بہت سختی سے یہ کہا کہ آج کے پورے دن ہم سے وہی کریں گے جو وہ کہیں گی اور ان کے علاوہ ہم کسی کی بھی کوئی بات نہیں سنیں گے تب مجھے ڈر لگا کہ پتا نہیں وہ کیا کرنے والی ہیں۔ لیکن میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ آج خرد بی بی کے ساتھ کچھ کرنے والی ہیں۔"

وہ نور افزاء کے کوارٹر میں اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھا تھا۔ کوارٹر کا دروازہ بند تھا۔ وہ گھر کے اندرونی حصے سے نکل کر جس جگہ آکر رکا وہ نور افزاء کا کوارٹر تھا۔ اس کی وہ ملازمہ جس نے ساڑھے چار سال قبل کسی کا اس کے نام لکھا ایک خط اسے لا کر دیا تھا۔ طوفانی بارش آج رات ہو رہی تھی' مگر ساڑھے چار سال پہلے اس گھر میں بغیر تیز بارش اور طوفانی ہواؤں کے ایک بہت خطرناک طوفان آیا تھا۔ وہ اس طوفانی رات سے آج زندگی میں پہلی بار آگاہ ہو رہا تھا۔

"خرد بی بی شام سے رات تک سخت سردی میں گھر سے باہر سیڑھی پر بیٹھی رہی تھیں۔ مجھے ان پر ترس آرہا تھا مگر میں نور ذات کیا کر سکتی تھی۔ جمال نے بعد میں مجھے بتایا تھا کہ وہ کلثوم اور فلم اس سے مانگا تھا۔ انہوں نے بری طرح روتے ہوئے میری منت کی تو میں نے وہ خط ان کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ بڑا ظلم ہوا تھا خرد بی بی پر۔ پتھروں سے پتھر دل انسان بھی اس ظلم پر تڑپ جائے مگر بیگم صاحبہ کو ان پر رحم نہیں آیا تھا۔ وہ بیگم صاحبہ کی منت کر رہی تھیں کہ وہ انہیں صرف آج کی رات اس گھر میں گزارنے دیں تو وہ صبح سویرے ہی یہاں سے چلی جائیں گی۔ مگر بیگم صاحبہ نے کچھ پیسے ان کے پاس پھینک کر نور خان کو انہیں گھر سے نکالنے کو کہہ دیا تھا۔

میں چارپائی پر آگر لیٹ گئی تھی' مگر میرا دل بہت بے چین تھا۔ پھر مجھ سے رہا نہیں گیا تو میں نے جمال کو اٹھا کر خرد بی بی کے پیچھے بھیجا تھا۔ مجھے خیال آرہا تھا کہ ابھی شاید

رہی ہوں اگر نہ پوچھتے تو اللہ کی قسم زندگی بھر کبھی زبان نہیں کھولتی۔ اب بھی آپ کی منت کرتی ہوں یہ سب تو میں نے آپ کو بتایا ہے کسی سے بھی میرا نام مت لیجیے گا۔"

وہ اس کی بات سنے بغیر چارپائی پر سے کھڑا ہو گیا۔

وہ بے سمت چلتا پتا نہیں کس سڑک پر نکل آیا تھا اس اندھیری اور طویل سڑک کے دونوں اطراف وہ دہشت کے عالم میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ وہ اس اندھیری رات کس طرف چلی ہو گی اس سرد اور اندھیری رات میں اسے کتنا ڈر لگا ہو گا۔ وہ ڈر از اسی بات سے ڈر جایا کرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ نہ ہسپتال گیا تھا نہ کہیں اور ساری رات سڑکوں پر سر پٹختے' روتے' دیوانگی کے عالم میں ادھر سے ادھر بھٹکتے وہ آخر کار اپنے اپارٹمنٹ آگیا تھا۔ صبح کے چار بجنے والے تھے' پوری رات طوفانی بارش میں خود کو زخمی کرتے' اپنے اپارٹمنٹ کے اندر آگیا تھا۔ اس نے چابی سے دروازہ کھول لیا تھا مگر زینت اندر کہیں چابی ہونے کی لیتی تھی' وہ دروازے کی آواز سن کر فوراً اٹھ کر باہر آئی۔ اسے زخمی اور بھیگا ہوا دیکھ کر اس کے چہرے پر تشویش پھیلی۔ وہ اسے نظر انداز کرتا اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔

"آپ کہاں تھے' خرد بی بی کا آپ کو پوچھنے کے لیے کل شام اور رات دو' تین بار فون آیا تھا۔ آپ کی بات ہو گئی ان سے؟" وہ کمرے میں جاتے جاتے ٹھٹک کر رک گیا۔

"خرد؟ ہاں نہیں۔" بے دھیانی سے اسے دیکھتے' اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بڑی مشکلوں سے کچھ بے معنی لفظ نکلے۔ ماتھے پر ہاتھ لے جا کر جم جانے والے خون کو صاف کرنے کی کوشش کرتے وہ لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے کے اندر آگیا۔ وہ اس کا موبائل نمبر ملا رہا تھا' اس کی انگلیاں جو جگہ جگہ سے زخمی ہو رہی تھیں' ان جگہ سے خون رس رہا تھا۔

پہلی ہی بیل پر اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔ "ہیلو!" اس آواز کو سنتے ہی اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

"خرد۔" اس کے لبوں سے بے آواز یہ نام نکلا۔

"ہیلو! زینت؟" لائن کے دوسری جانب مسلسل خاموشی پا کر اس نے زینت کا نام لیا۔ شاید گھر کا فون نمبر دیکھ کر وہ سمجھی تھی کہ زینت فون کر رہی ہے۔

urdunovels.net

تھل فون آیا ہے کہ وہ آج سارا دن آفس نہیں آئے گا۔ اشعر کے آفس کے بعد انہوں نے پونے بارہ بجے کے قریب ہاسپٹل' اشعر حسین کی کوئی relative بن کر فون کیا تو وہاں سے پتا چلا کہ اشعر حسین کی بیٹی کو آج صبح ہاسپٹل سے ڈسچارج کیا جا چکا ہے۔

اب ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور وہ اس وقت کھڑکی میں کھڑی بے قراری کے عالم میں اشعر کا موبائل نمبر پھر ملا رہی تھیں' ان کی نگاہوں کے سامنے گارڈن کا کچھ حصہ اور پورچ پورا کا پورا واضح تھا۔ وہ اشعر کو کال ملاتی بے دھیانی سے پورچ کی طرف دیکھ رہی تھیں کہ اچانک ہی ان کی نگاہ پورچ میں کھڑی سیاہ گاڑی کے اوپر پڑی۔ ان کی اچٹتی' بے دھیان سی نگاہ بے ساختہ ٹھٹھک کر اس سیاہ گاڑی کے اوپر جم گئی۔ اشعر کی گاڑی؟

اشعر کی گاڑی یہاں کیسے؟ وہ کل دوپہر گھر واپس آئی ہیں اور کل دوپہر سے گھر پر ہی ہیں اور اس دوران اشعر گھر پر بالکل نہیں آیا پھر اس کی گاڑی کیسے؟ ان کے گھر میں جتنی گاڑیاں تھیں۔ سب کی سب انہیں نیچے اپنی اپنی مخصوص جگہوں پر کھڑی نظر آرہی تھیں۔

وہ تیزی سے نکل کر اپنے کمرے سے باہر آئیں۔ انہوں نے ایک ایک کر کے تمام ملازمین سے پوچھ ڈالا کہ کیا کل اشعر گھر آیا تھا۔ انہوں نے جھنجلا کر چوکیدار کو بلوایا۔ اس کا جواب اثبات میں تھا' چوکیدار اشعر کے آنے اور جانے کا جو وقت اندازاً" بتا رہا تھا وہ دو' ڈھائی گھنٹوں پر مشتمل بن رہا تھا۔ وہ شام میں گھر آیا' یہاں دو' ڈھائی گھنٹے تک رہا اور ان سے ملے بغیر چلا گیا؟ اور سب سے اہم سوال آخر وہ کیوں اتنی خاموشی سے آکر اتنی ہی خاموشی سے واپس بھی چلا گیا وہ بھی اپنی گاڑی یہیں کھڑی چھوڑ کر۔

اپنے ہاتھ میں موجود موبائل سے وہ ایک مرتبہ پھر اشعر کو کال ملا رہی تھیں۔ ان کے قدم اپنے کمرے کی طرف تھے۔ موبائل کان سے لگائے انہیں اشعر کے موبائل پر بیل جاتی سنائی دے رہی تھی لیکن اس بیل کے ساتھ ہی انہیں ایک رنگنگ ٹون بھی سنائی دی تھی۔ ان کے قدم بے اختیار ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ اشعر کے کمرے کے سامنے کھڑی تھیں۔ موبائل ہنوز ان کے کان سے لگا تھا۔ ان کے موبائل سے جس موبائل پر کال ملائی جا رہی تھی اس کی گھنٹیاں اندر اس کمرے میں بج رہی تھیں۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں انہوں نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ شدید بے قراری کے عالم میں بھاگتی ہوئی وہ کمرے کے اندر آئیں۔ اشعر کا موبائل صوفے پر الٹا پڑا زور زور سے بج رہا تھا۔ اس موبائل پر سے ہوتی ان کی نگاہیں کمرے میں قالین پر ادھر ادھر بکھرے کچھ کاغذوں پر پڑی تھیں۔

جس کاغذ تک وہ سب سے پہلے پہنچیں' انہوں نے جھک کر اسے اٹھایا۔ اس کاغذ کو ان انہوں نے اپنی نگاہوں کے سامنے کیا اور ان کا وجود ایک دھماکے سے اڑ گیا تھا۔

وہ خط نہیں ایک بم تھا' ایک زوردار دھماکا ہوا تھا اور ان کے جسم کے کسی نے پرخچے اڑا ڈالے تھے۔ وہ کاغذ ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر واپس گرا۔ کیا ساری بازی الٹ گئی؟ کیا وہ ہار گئیں؟ کیا سارا کھیل ختم ہو گیا؟ کیا زندگی مکمل طور پر ان کے خلاف چلی گئی؟ ان کے دماغ میں زور زور سے دھماکے ہو رہے تھے' انہیں اردگرد کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں شکست خوردہ اور نڈھال بیٹھا تھا۔ صبح حریم کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا اور دن کے ساڑھے گیارہ بجے لوگ گھر واپس آچکے تھے۔ حریم کی معصومانہ باتوں کے جواب دینے اور ڈاکٹر زو ہسپتال کے دیگر عملے سے ضروری ہدایات لے کر جانے کے بعد اشعر حریم کو کس نوعیت کا احتیاط اور پرہیز درکار ہوگی' اس حوالے سے ہدایات لینے اور الوانی کلمات کہنے کے سوا اس نے آج صبح سویرے سے اب تک کوئی اور بات نہیں کی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ کل رات سے خاموش تھا' وہ آج صبح سے بالکل خاموش تھا۔ گھر آنے کے بعد کچھ دیر حریم کے معصومانہ باتوں کے جواب دینے اور ڈاکٹر زو ہسپتال کے دیگر عملے سے ضروری ہدایات لینے اور الوانی کلمات کہنے کے سوا اس نے آج صبح سویرے سے اب تک کوئی اور بات نہیں کی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ کل رات سے خاموش تھا' وہ آج صبح سے بالکل خاموش تھا۔ گھر آنے کے بعد کچھ دیر حریم کے پاس بیٹھنے اس کی باتوں کو آنسو پیتے سنتے رہنے کے بعد اب وہ سو گئی تھی۔ تب وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تھا۔ ایک مکمل طور پر ٹوٹا اور بکھرا ہوا انسان تھا۔ اس نے دروازے پر بیل دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا' پھر کچھ سوچ کر ہاتھ واپس گرا لیا تھا۔ بیل دینے کے بعد اندر سے کوئی اس کا دروازہ کھولنے کی اہل نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ اس نے دروازہ کھولنے کی اہل نہ ہونے پر بیمار ہاسپٹل میں پڑی ہوئی حریم کو یاد کیا تھا۔ اس کی بیٹی صحت یاب ہو کر زندہ سلامت گھر واپس آگئی تھی۔ وہ اللہ

کا شکر ادا کرتی رہی سوئی ہوئی بیٹی کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اشعر اس کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں بولا تھا۔ وہ صبح ساڑھے پانچ بجے جب ہسپتال آیا تھا اس وقت سے بالکل خاموش تھا۔ اسے وہ ایک مکمل طور پر بدلا ہوا اور مختلف انسان نظر آرہا تھا۔ لیکن اشعر سے کوئی جواب اس نے مانگا بھی کب تھا۔ حریم سے جدائی کا فیصلہ تو اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ وہ کس طرح زندہ رہے گی؟ حریم کے بغیر اکیلی نوابشاہ واپس جا کر وہ زندگی کو نئے سرے سے پھر سے کس طرح شروع کر پائے گی؟ اس نے بیل کی زوردار آوازیں سنیں۔ زینت دروازہ کھولنے کے لیے گئی تھی۔ ایک سیکنڈ بھی نہیں گزرا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ بہت زوردار دھماکے سے پورا کا پورا اڑ کر کوئی اندر داخل ہوا۔

☆ ☆ ☆

اس اپارٹمنٹ کے دروازے پر آکر انہوں نے بیل پر ہاتھ رکھا۔ جنونی انداز میں وہ بیل کو اس وقت تک دبائے رہیں جب تک کہ دروازہ کھول نہیں دیا گیا۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" اسے دھکیل کر سامنے سے ہٹاتی وہ اندر داخل ہو گئیں۔ وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح اسے تلاشنے لگیں۔

وہ فریدہ حسین ہیں کوئی معمولی عورت نہیں۔ وہ زندگی میں کبھی نہیں ہاری ہیں۔ انہیں کبھی بھی کوئی ہرا نہیں سکا ہے۔ وہ سیدھی اس کے سر پر جا کر کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں دیکھ کر بیڈ پر سے اٹھ گئی تھی۔

"میرے بیٹے کو اپنی معصومیت کے جال میں پھنسا کر سمجھتی ہو اسے مجھ سے چھین لو گی؟ ساڑھے چار سالوں بعد کہیں سے منہ اٹھا کر آؤ گی' اپنے گناہوں کی ایک نشانی اس کے سامنے رکھو گی اور وہ اسے اپنی اولاد مان لے گا؟ میرا بیٹا ایسا احمق نہیں' میرا بیٹا ایسا پاگل نہیں۔"

وہ حلق کے بل پوری قوت سے چلائی تھیں۔ کوئی بہت تیزی میں چلتا کمرے کے اندر آیا تھا۔ انہوں نے گردن گھما کر آنے والے کو دیکھا۔ وہ ان کا بیٹا تھا' وہ ان کا اشعر تھا۔ لیکن وہ انہیں کن نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں انہیں بتا رہی تھیں وہ ان کی بات سن چکا ہے۔ اس کی آنکھوں میں موجود تاثر ان کے اندر خوف و دہشت کی ایک انتہائی سرد ترین لہر دوڑا گیا۔

وہ اشعر اور خود کے بیچ کھڑی تھیں لیکن ان کا رخ اپنے بیٹے کی طرف تھا۔

"اشعر تم اس مکار لڑکی کے جال میں پھنس رہے ہو؟"

"ممی! آپ یہاں حریم کے سامنے کوئی بات نہیں کریں گی۔ میں گھر آؤں گا وہاں آکر آپ سے بات کروں گا۔" اس کا سرد لب و لہجہ ان کے حواس بالکل ختم کرنے لگا۔

"اشعر! تمہیں کیا ہو گیا ہے تم پاگل ہو گئے ہو۔ یہ لڑکی ساڑھے چار سالوں تک پتا نہیں کہاں کہاں منہ کالا کرتی رہی ہے۔ پتا نہیں کس کا گناہ اٹھا کر یہ تمہارے پاس تمہارے سر تھوپنے کے لیے لے آئی ہے۔ جسے تم اپنی اولاد کہہ کر گلے لگا بیٹھے۔"

"بس ممی! آگے ایک لفظ مت بولیے گا۔ آگے ایک بھی لفظ میری بیٹی کے لیے مت بولیے گا۔"

ان کی چلاتی آواز کو اشعر نے سختی سے کاٹ دیا۔ وہ وارننگ دیتی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اشعر تم؟ تم اس لڑکی کی باتوں میں آگئے۔ پوچھو اس سے کیا ثبوت ہے اس کے پاس اس بات کا کہ اس کی بیٹی کے باپ تم ہو؟"

"اگر حریم میری بیٹی ہے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تو ثبوت تو اس بات کا بھی کوئی نہیں ہے کہ میں بصیرت حسین ہی کا بیٹا ہوں۔" اشعر ایک دم ہی یوں چلایا جیسے اندر ہی اندر پگھلتا کوئی لاوا اچانک ہی پھٹ پڑا ہو۔

"اشعر؟" انہوں نے بے یقینی سے بیٹے کو دیکھا۔

"اشعر تم مجھے اپنی ماں کو گالی دے رہے ہو؟" ان کا حلق چل میں ختم ہو گیا تھا۔

"آپ کو نہیں ممی! میں خود کو گالی دے رہا ہوں اور گالی تو ہر صورت مل ہی مجھے رہی ہے تھی۔ میں بصیرت حسین کا بیٹا ہوں یا نہیں گالی مجھے ہی مل رہی ہے' حریم میری بیٹی ہے یا نہیں گالی تب بھی مجھے ہی دی جا رہی ہے۔ کوئی میری ماں کو گالی دے یا میری بیٹی کو گالی تو مجھے ہی دی گئی ناں؟"

وہ اس بار چلایا نہیں تھا' وہ ایک ایک لفظ تو تو کر بول رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ انہوں نے زندگی میں کبھی اپنے بیٹے کو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں بھرے آنسوؤں کو ساکت کھڑی دیکھ رہی تھیں۔

"ممی! کیا جب میں پیدا ہوا تھا تو ڈیڈی نے آپ سے گواہی مانگی تھی کہ میں ان ہی کا بیٹا ہوں؟ کیا دنیا کی ہر ماں سے

یونہی گواہیاں اور ثبوت طلب کیے جاتے ہیں اس کے بچے کے باپ کے بارے میں؟"

بھرائی آواز میں اس نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا' پھر ایک ایک قدم اٹھاتا وہ ان کے قریب سے گزرتا خرد کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بڑی مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اگر یہ لڑکی باکردار نہیں ہے تو پھر میں اپنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں دنیا کی کوئی بیوی' کوئی ماں باکردار نہیں۔ ساری دنیا بھی آ کر اگر اس کے خلاف گواہی دے' میں تب بھی یہی بات کہوں گا۔"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں لیکن اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"اشعر!" ان کے لبوں پر قفل سے پڑ گئے تھے' وہ کچھ بھی بول نہیں پا رہی تھیں۔ ان کا وجود کسی بھربھری مٹی کی طرح بیٹھتا چلا جا رہا تھا۔

"ایسا ظلم تو کوئی بے زبان جانوروں پر بھی نہیں کرتا ممی! جو تم نے اس لڑکی پر جو میری بیوی ہے کیا۔ کیا بگاڑا تھا اس نے آپ کا؟ کون سا نقصان پہنچایا تھا اس نے آپ کو؟ آپ کو یہ اتنی ہی بری لگتی تھی تو اتنی سی ناقابل برداشت لگتی تھی آپ مجھ سے کہتیں' "اشعر مجھ سے تمہاری بیوی برداشت نہیں ہوتی' اسے طلاق دے دو۔" میں آپ کی خاطر اسے چھوڑ سکتا تھا' اس سے کہیں بہتر ہوتا آپ مجھ سے صاف لفظوں میں اس سے اپنی نفرت بتا دیتیں۔ میں ماں اور بیوی میں سے ماں ہی کو چنتا۔ پھر یہ سب کیوں ممی؟ آپ نے خرد کو نہیں آپ نے حریم کو نہیں' آپ نے تو مجھے اپنے بیٹے کو توڑ ڈالا۔ کیوں ممی کیوں؟ میں تو آپ کا بیٹا تھا۔ خرد سے نفرت تھی مجھ سے کیا دشمنی تھی آپ کو؟"

ان کے بیٹے کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے' وہ آنسو ایک ایک کر کے اس کے گالوں پر بہتے چلے جا رہے تھے۔

"اشعر! میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ میں نے ساری دنیا میں سب سے زیادہ تم سے محبت کی ہے۔" وہ ٹوٹے ٹوٹے شکستہ انداز میں بولیں وہ رونا چاہتی تھیں مگر ان کی آنکھوں سے آنسو نکل نہیں پا رہے تھے۔

"یہ کیسی محبت کی ہے آپ نے مجھ سے ممی؟ مجھے توڑ دیا' مجھے ختم کر دیا' مجھے اتنے لوگوں کا گناہ گار بنا دیا۔ مجھے ایک بے بس' ناکام اور گناہ گار انسان بنا دیا۔ یہ میری معصوم بیٹی اپنی زندگی کے چار سالوں تک باپ کے ہوتے ہوئے بھی زندگی گزارتی رہی' یہ میری بیوی میرے ہوتے امان و بے سائبان اتنے برسوں تک زندگی سے لڑتی رہی۔ آج میں ان دونوں سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ ممی!"

وہ زار و قطار رو رہا تھا' ان کا دل چھوٹا سا پندرہ برس کا بیٹا رو رہا تھا جسے رو تا دیکھ کر وہ اسے اپنی بانہوں میں چھپا لیا کرتی تھیں۔

"خرد نے مجھ سے بے وفائی کی ہے' آپ کے ساتھ اس جھوٹ کو سچ جان کر بھی جیتا رہا ہوں' میں اس کے بعد بھی ساڑھے چار برسوں تک زندہ رہا ہوں لیکن آج سچ جان کر کہ میری زندگی میں جو کچھ بھی ہوا' وہ سب کسی نے نہیں میری ماں نے' میری اپنی سگی ماں نے کیا' میں کیسے زندہ رہوں گا ممی؟ بیوی تو دھوکا دے سکتی ہے ماں تو دھوکا نہیں دیا کرتی۔ سب کچھ اپنے کانوں سے سننے کے باوجود' جو بدترین لفظ ابھی آپ نے میری بیوی کے لیے بولے انہیں جان لینے' سن لینے کے باوجود مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میری ماں ایسی ہو سکتی ہے۔ مجھ سے محبت کرنے والی ماں میرے ساتھ ایسا کر سکتی ہے۔"

وہ خرد کا ہاتھ چھوڑ کر روتے روتے فرش پر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ نے مجھے مار ڈالا ہے۔ آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں موت دے دی ہے ممی۔" وہ گھٹنوں پر سر ٹکا کر چھوٹے سے بچے کی طرح رو رہا تھا۔

وہ ان کا پیارا' اجلا' نکھا سا بیٹا وہ اس کے پاس جایا کرتی تھیں' وہ اسے گلے لگا کر اس کے تمام آنسو پونچھ دیا کرتی تھیں۔ مگر وہ اس کے پاس کیسے جاتیں۔ وہ بیٹے کے قریب نہیں جا رہی تھیں' وہ الٹے قدم اٹھاتی' ایک ایک قدم اپنے بیٹے سے دور جا رہی تھیں۔

انہوں نے ایک نظر اپنے روتے ہوئے بیٹے پر ڈالی انہوں نے ایک نظر اس کے قریب بالکل ساکت اور خاموش کھڑی اس لڑکی پر ڈالی۔ وہ لڑکی ان کے بیٹے کے بالکل قریب کھڑی تھی اور وہ بیٹے کے مقابل کھڑی تھیں۔

"تمہیں میرا اطلاع دینا چاہیے یہ خرد احسان اگر اس لڑکی میں تم یہ ثابت کر کے دکھا سکو کہ تمہاری کوکھ میں پلنے والا اشعر کا ہے۔ اگر اشعر تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہے تو میں یقین کر لوں گی۔"

ان کی اپنی آواز یکلخت ہی ان کو دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ لڑکی نظریں جھکائے خاموش کھڑی تھی۔ وہ لڑکی اپنی شکست خوردہ دشمن کو دیکھ نہیں رہی تھی۔

"آپ نے مجھے مار ڈالا ہے ممی۔ آپ نے مجھے زندگی دی تھی اور آپ ہی نے میری زندگی ختم بھی کی۔" وہ ماتھوں پر ہاتھ رکھ کر گراس لپارٹمنٹ سے باہر نکلیں۔ سامنے لفٹ تھی مگر وہ سیڑھیوں پر سے انتہائی تیز رفتاری سے یوں اتر رہی تھیں جیسے موت ان کے تعاقب میں آ رہی ہو۔ وہ بلڈنگ سے بھاگتی اس بلڈنگ سے باہر نکل آئی تھیں۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے کھڑی تھیں' وہ خالی ہاتھ کھڑی تھیں۔

"کون جیتا فریدہ حسین؟ جیت کس کو ملی اور ہار کون؟"

کہیں سے جیسے کسی غیبی آواز نے ان سے پوچھا تھا۔

"اس لڑکی سے سب کچھ چھین کر' اسے ایک روز خالی ہاتھ کھلے آسمان تلے دنیا کی ٹھوکروں میں بے آبرو کر کے اس دنیا تھا۔ وہ لڑکی تو لیکن خالی ہاتھ نہیں رہی۔ خالی ہاتھ تو تم کھڑی ہو۔ اپنی زندگی بھر کی ساری پونجی اس آخری عمر میں آ کر تو تم نے گنوائی ہے۔ تمہارے ہاتھ کیا آیا' تمہیں کیا ملا؟ تم نے سب کچھ گنوا دیا ہے اور اس نے سب کچھ پا لیا ہے اس پاک دامن لڑکی پر تہمت لگائی' اپنی چالوں کی کامیابی پر پھولے اترائیں' یہ ایک چال وہ تھی جو تم چل رہی تھیں' اور ایک چال وہ تھی جو اللہ نے چلی۔ اس بچی کی بے گناہی' اس میں اس خدا کی کیا حکمت پوشیدہ تھی؟ کبھی تم نے کوئی بات نہ چھپانے والا تمہارا بیٹا' اپنی کامیابی تم سے پوشیدہ رکھ کر کروانے لگا' اسے اور اس کی ماں کو تم سے پوشیدہ رکھ کر کہیں اپنے ساتھ لے کر رہنے لگا' اس میں اللہ کی کیا مصلحت شامل تھی؟ اللہ نے تم سے تمہاری ممتا کی حاصل تمہارا بیٹا چھین لیا اور اس اللہ کی گرفت ایسی ہی سخت ہوتی ہے۔ وہ جب مظلوموں کا انتقام لیتا ہے تو تمہارے جیسے گناہ گاروں کو زمین اور آسمان کے بیچ کہیں جگہ نہیں ملا کرتی۔"

آجاؤ گے تقدیر کی زد پر جو کسی دن
ہو جائے گا معلوم خدا ہے کہ نہیں

☆ ☆ ☆

"اگر یہ لڑکی باکردار نہیں ہے تو پھر میں اپنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں دنیا کی کوئی بیوی' کوئی ماں باکردار نہیں۔ ساری دنیا بھی آ کر اگر اس کے خلاف گواہی دے' میں تب

بھی یہی بات کہوں گا۔"

وہ کھڑکی کھول کر گھڑی تاروں سے بھرے آسمان کو خاموشی سے تک رہی تھی' اس کی آنکھیں اشکوں سے بھری ہوئی تھیں۔

وہ قالین پر گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھا تھا' اس نے حریم کی آواز پر' اس کی کسی بات تک پر سر اوپر نہیں اٹھایا تھا۔ نجانے کب کب کے اور کس کس بات کے آنسو تھے جو وہ بہائے جا رہا تھا۔

وہ حریم کو کھانا کھلا کر' دوا دے کر سلا چکی تھی' باہر سرد ٹھنڈی' خوشگوار سی ہوا چل رہی تھی' اس کے بدن کو چھوتی یہ ہوا آج سے پہلے کبھی ایسی اچھی نہیں لگی تھی' تاروں سے سجا یہ آسمان پہلے کبھی اتنا حسین نہیں لگا تھا۔

"خرم!" اس نے اس شخص کی آواز سنی اس نے گھوم کر اس شخص کو دیکھا وہ ہاتھوں سے اپنے چہرے پر بکھرے آنسوؤں کو صاف کرتا قالین پر سے اٹھ کر اس کے قریب آنے لگا۔ اس کے دل کی زمین بنجر ہو گئی تھی' ویران ہو گئی تھی' وہاں پر پھر محبت کی فصل لگنا تو کجا کونپلیں پھوٹنا اور محبت کے پھولوں کا کھلنا تو اب ممکن بھی رہا تھا کہ نہیں۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی' اس بہت مشکل فیصلے کی کشمکش میں مبتلا وہ اسے دیکھ رہی تھی کہ ایک دم ہی وہ اس کے پیروں کے قریب گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

"میرے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ جو میرا گناہ ہے وہ محبت کی عدالت میں قابل معافی ہو ہی نہیں سکتا۔ محبت کرنے والے مجھ جیسے سفاک اور تنگ دل نہیں ہوتے خرم۔ محبت کرنے والے مجھ جیسے ہرگز نہیں ہوتے۔ تم مجھے کبھی بھی معاف مت کرنا خرم' لیکن صرف حریم کے لیے' ہماری بیٹی کے لیے مجھے ایک بار پھر قبول کر لو۔ اگر حریم ہماری زندگی میں نہ ہوتی تو میں میں خود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے کہیں دور لے جاتا لیکن یہ ہماری بیٹی' اسے صرف محبت کرنے والے باپ کی نہیں' اسے بہت محبت کرنے والی اپنی ماں کی بھی ضرورت ہے۔ میرے لیے نہیں' اپنے لیے نہیں' صرف حریم کے لیے' صرف ہماری بیٹی کے لیے مجھ' صرف ہماری بیٹی کے لیے۔"

اس نے بھرائی آواز میں آہستہ آہستہ بولتے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وہ اس کے پیروں کے قریب زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے ہوئے تھا۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔ وہ ایک دم ہی اس کے سامنے فرش پر گر سی گئی تھی۔ اس کے بندھے ہاتھوں کو اس نے ایک پل میں کھول ڈالا تھا اور اگلے پل وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر زار و قطار رو رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا مجھ سے کبھی محبت مت کرو اور محبت وہ تو ایک ہی پل میں کہیں سے نکل کر جان کے بیچ پھر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اپنی حیثیت منواتی ہوئی' اپنے وجود کو تسلیم کرواتی ہوئی۔

"ہیر جذبہ فنا ہو سکتا ہے مگر میں نہیں' مجھے اللہ نے کبھی بھی نہ ختم ہونے کے لیے پیدا کیا ہے۔"

"میں تھک گئی زندگی سے اکیلے لڑتے لڑتے' تنہا اور تنہا کر جیتے جیتے۔ میں سونا چاہتی ہوں' پرسکون اور گہری نیند کوئی میری حفاظت کرنے والا ہو اور میں اطمینان سے سو سکوں۔"

اس نے اپنے سینے پر رکھا اس لڑکی کا سر اپنے ہاتھوں سے بڑی آہستگی سے اوپر اٹھایا۔ برسوں کی تھکن لیے وہ آنسو اس لڑکی کی آنکھوں میں تھے وہی آنسو اس کی آنکھوں میں بھی امڈ آئے تھے۔ بہت لمبے دشوار گزار سفر کے بعد آرام پانے کے لیے اس لڑکی نے اپنا سر اس کے کاندھے پر رکھ دیا تھا۔

وہ اس کے کاندھے پر سر رکھ کر رو رہی تھی اور وہ اس کے سر پر چہرہ ٹکا کر آنسو بہا رہا تھا۔ ان کے آنسو باہم گھل مل رہے تھے۔

کڑی مسافتیں طے کر کے آئے وہ دونوں مسافر بہت تھکے ہوئے تھے۔ ان کے پاؤں شل تھے اور جسم سفر کی صعوبتوں سے نڈھال تھے۔ ایک دوسرے کے وجود میں پناہ ڈھونڈتے وہ تھکاوٹ کے سفر کی ساری تھکن اتار رہے تھے۔